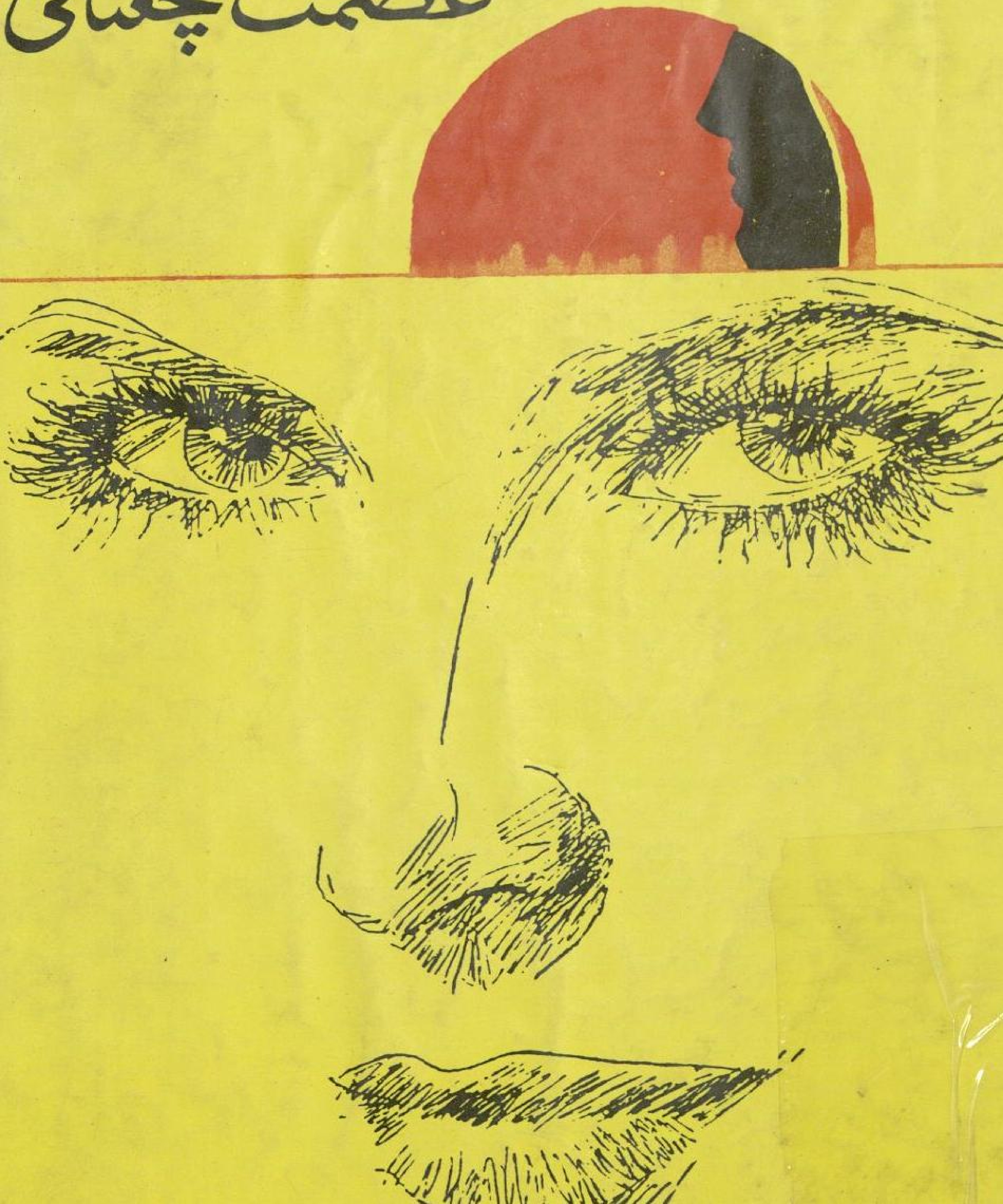
عجیب آدمی

عصمت چغتائی



عجیب آدمی

عجیب آدمی

عصمت چغتائی

مکتبہ اُردو ادب
بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ لاہور

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 027283
★ MAILSI ★

ناشر ـــــــــــ سرفراز احمد
مطبع ـــــــــــ گنج شکر پرنٹرز لاہور
قیمت ـــــــــــ ۸۰ روپے

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

عصمت چغتائی

عصمت چغتائی کی ادبی زندگی کا آغاز ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے میں ہوا۔ اس دوران اور اس سے چند سال قبل اردو ادب میں کچھ اہم اور نتیجہ خیز تبدیلیاں واقع ہو رہی تھیں۔ رومانیت کی دھند رفتہ رفتہ چھٹتی جا رہی تھی اور حقیقت نگاری کی طرف رجحان بڑھ رہا تھا۔ جدید تعلیم اور مغرب کے اثر سے کچھ لوگوں میں زندگی سے نظر ملانے کی جرأت پیدا ہوئی۔ اس جرأت کا پہلا اظہار "انگارے" (۱۹۳۲ء) کی شکل میں سامنے آیا۔ "انگارے" ان دس کہانیوں کا مجموعہ تھا جن میں ہندوستانی سماج کے بعض کریہہ پہلوؤں کی حقیقی تصویر تھی۔ اس میں چند ایسے موضوعات پر بھی اظہار خیال کیا گیا تھا جن پر قلم اٹھانا غیر اخلاقی اور غیر ادبی تصور کیا جاتا تھا۔ دولت کی غلط تقسیم، جھوٹی مذہبیت اور سب سے بڑھ کر گھٹے ہوئے سماجی ماحول کی نفسیاتی اور جنسی الجھنیں ان کہانیوں کے اہم موضوعات تھے۔ خلیل الرحمن اعظمی لکھتے ہیں:

> جھوٹی مذہبیت، ریاکاری، تہذیب و شائستگی کا سوانگ، وطن پرستی اور قوم پرستی کے ڈھونگ ان سب پر "انگارے" کے مصنفین نے اپنے طنز کے تیر برسائے۔

روایتی اخلاق و آداب کا پروردہ معاشرہ ادب میں زندگی کے اس گھناؤنے رخ کو قبول نہ کر سکا۔ "انگارے" کی زبردست مخالفت ہوئی۔ کتاب ضبط کرلی گئی۔ اس اقدام نے "انگارے" کی شہرت میں کچھ اضافہ ہی ہوا۔ گرچہ "انگارے" فنی نقطۂ نظر سے اہم کارنامہ نہیں تھا

لیکن موضوعات اور اظہار کی بے باکی نے نئے ادب کے لیے راہیں ہموار کیں۔

خلیل الرحمن اعظمی لکھتے ہیں:

"یہ سارے افسانے خام ہیں لیکن ان کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ پہلی بار ہمارے افسانہ نگاروں نے اس بند کو توڑنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے سماج کے بہت سے اہم اور پیچیدہ مسائل ابھی تک فن کے حدود میں داخل نہیں ہوئے تھے یا ارض ممنوعہ قرار دئے جاتے تھے۔"

"انگارے" کی اشاعت کے چند سال بعد باقاعدہ پروگرام کے تحت ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔

ترقی پسند تحریک کے دورِ عروج میں حقیقت نگاری کو فروغ حاصل ہوا۔ حقیقت نگاری ترقی پسند تحریک سے قبل بھی ہمارے ادب کا حصہ رہی ہے۔ نذیر احمد، علامہ راشد الخیری، پریم چند اور اولین خواتین ناول نگاروں کے یہاں حقیقت نگاری ملتی ہے۔ لیکن ان کی حقیقت نگاری "عینیت پرستی" میں پناہ لیتی ہے۔ ترقی پسند حقیقت نگاری نے زندگی کو اس کے اصل رنگ میں پیش کیا۔

مارکسی تحریک کے زیرِ اثر سرمایہ دار طبقے کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ جدید تعلیم اور مغربی تہذیب کے اثر سے ایک طرف نوجوانوں میں جھوٹی مذہبیت اور اخلاق کی بے جا بندشوں سے آزادی حاصل کرنے کا رجحان بڑھا تو دوسری طرف علم نفسیات سے گہری دلچسپی کی وجہ سے ان کی توجہ انسانی نفسیات کی طرف مبذول ہوئی جس کے نتیجے میں ادب میں جنس کو ایک اہم موضوع کی حیثیت حاصل ہوئی۔ بیشتر ترقی پسندوں نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں جنسی حقیقت نگاری کو راہ دی۔ اس ضمن میں سب سے پہلے جو نام سامنے آتے ہیں وہ منٹو، محمد حسن عسکری اور عصمت چغتائی کے ہیں۔

منٹو اور عصمت کے افسانے جنسی حقیقت نگاری کی بہت اچھی مثالیں ہیں۔ ان کے بیشتر افسانوں کا موضوع جنس ہے۔ اور انہوں نے اس کا اظہار اس قدر بے باکی سے کیا کہ آگے چل کر فحاشی کے الزام میں ان پر سرکاری مقدمہ دائر کیا گیا۔ منٹو اور عصمت نے حقیقت کی

تلاش صرف اس حد تک نہیں کی زندگی کا نقشہ "کیا" ہے بلکہ انھوں نے افراد کی اندرونی ذات میں اتر کر یہ بھی دیکھا کہ زندگی ایسی "کیوں" ہے۔ انھوں نے ظاہری حقیقت کی نقاب نوچ کر اس کے اصل چہرے کو دیکھا۔ اس طرح ان کا رشتہ حقیقت سے زیادہ فطرت سے استوار ہوا۔

عصمت کے افسانوں کا موضوع عام طور سے متوسط مسلم گھرانے کی لڑکیوں کی جنسی زندگی ہے۔ اس جنسی زندگی کی پیش کش میں عصمت نے اگر ایک طرف علم نفسیات سے فائدہ اٹھایا ہے تو دوسری طرف اس طبقے کی جنسی زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے۔ عصمت کا گھریلو ماحول جہاں ان کی پرورش ہوئی ان کے اس رجحان کا نشو ونما میں معاون ثابت ہوا۔ ایک انٹرویو میں کہتی ہیں :

"دوپہر کو محلّے بھر کی عورتیں جمع ہو کر بیٹھ جاتی تھیں اور ہم لڑکیوں سے کہا جاتا تھا "چلو بھاگو تم لوگ" میں چھپ کے پلنگ کے نیچے گھس کے کہیں سے ان کی باتیں سن لیا کرتی تھی۔ جنس کا موضوع، گھٹے ہوئے ماحول اور پردے میں رہنے والی بیویوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اس پر بہت بات چیت کیا کرتی ہیں۔ میری افسانہ نگاری اسی گھٹے ہوئے ماحول کی عکاسی ہے"۔

عصمت خود بھی ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان کا گھر دوسرے متوسط گھروں کے مقابلے میں زیادہ آزاد خیال تھا عصمت کہتی ہیں :

"میری تربیت زیادہ تر بھائیوں کے ساتھ ہوئی۔ پھر میری اماں کچھ زیادہ دخل نہیں دیتی تھیں۔ اس لیے مجھے آزادی سے سوچنے کی عادت پڑ گئی۔ اور میرے خاندان میں ہر بات بڑے چھوٹے سب پھٹ سے کہہ دیتے ہیں"۔

آزادی سے سوچنے کی عادت اور صاف گوئی نے عصمت سے ایسی کہانیاں اور ناول لکھوائے جن کے لیے بہ یک وقت وہ بدنام بھی ہوئیں اور نام بھی کمایا۔ غرض عصمت کی پرورش کچھ اس طرح ہوئی کہ تجسس کے مادے کے ساتھ موضوعات کی بے باکی اور لہجے کی تیزی و طراری ان کی شخصیت کا حصہ بن گئی۔

"عجیب آدمی"

عصمت چغتائی کا ناول "عجیب آدمی" .... فلمی دنیا سے متعلق ہے۔ اس میں ایک کردار کے ذریعے پوری فلمی دنیا کے ماحول اور طریقہ کار کو پیش کیا گیا ہے۔

اس ناولٹ کا مرکزی کردار دھرم دیو فلم انڈسٹری کا نہایت مشہور اور کامیاب فلم اسٹار ہے۔ یہ شخص اندرونی طور پر ایک اچھا انسان ہے اور ذہنی اور جذباتی طور پر بہتر اور پر امن زندگی گزارنے کا خواہشمند ہے۔ لیکن وہ جس ماحول کا حصہ ہے وہاں اس کی یہ آرزوئیں ناکام رہ جاتی ہیں کیونکہ جابجا اس کے جذبات و احساسات اس ماحول کی حقیقتوں سے ٹکراتے ہیں اور اس کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔

ابتدا میں دھرم دیو منگلا سے محبت کرتا ہے۔ منگلا بھی اسے حاصل کرنے کے لئے جان کی بازی لگا دیتی ہے۔ دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ لیکن شادی کے بعد جب دھرم دیو فلم کی شوٹنگ کے دوران زرینہ کے ساتھ کام کرتا ہے اور زرینہ اس کے قریب آنے کی کوشش کرتی ہے تو وہ زرینہ کو جھٹک دیتا ہے اور اپنی بیوی کو فون کرتا ہے کہ وہ وہاں آ جائے تاکہ وہ غلط جذبوں کی دسترس سے بچ سکے۔ لیکن جب وہ زرینہ کو اپنی فلمی پارٹی کے دوسرے افراد سے گھل مل کر بات کرتے دیکھتا ہے تو اسے تکلیف ہوتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ زرینہ صرف ڈائریکٹر سے محبت کرتی ہے اس کے دل میں

میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اس کے دل میں ایک خواہش ابھرتی ہے کہ بہر حال زرینہ اس سے محبت کرے۔

اس کی طبیعت کا یہ تضاد دراصل اس کی انسانی فطرت کا غماز ہے جس میں خیر و شر کی آمیزش ہے۔ رفتہ رفتہ زرینہ سے اس کی دوستی منظر عام پر آجاتی ہے۔ نتیجے میں اس کی بیوی اس سے بدظن ہو جاتی ہے اور انتقام کے طور پر اس کی فلم میں گانے دینا بند کر دیتی ہے۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی عدم تعاون کی تلقین کرتی ہے۔ اس کے بچے بھی اس سے ناراض رہتے ہیں۔ دھرم دیو پریشان ہو جاتا ہے۔ اس کا غم غلط کرنے کے لئے اس کے دوست اسے ایک طوائف پدما کے پاس لے جاتے ہیں۔ یہاں راگ و رنگ کی محفلوں میں وہ خود کو ڈبونے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو سنبھالنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس کی زندگی منگلا' زرینہ اور پدما کے گرد الجھ کر دشوار ہو جاتی ہے۔ وہ بار بار بیوی بچوں کو اپنی طرف بلانا چاہتا ہے۔ ان کی محبت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ اسے سکون مل سکے لیکن وہ واپس نہیں آتے۔ اس کا دوست بھی اپنے گھر چلا جاتا ہے۔ دنیا کے تمام رشتے ناطے اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ وہ ہر ایک کی طرف سکون کی خاطر بڑھتا ہے لیکن پھر شراب اور خواب آور گولیاں ہی اس کے سکون کا ذریعہ بنتی ہیں اور یہی چیزیں اسے موت سے ہم کنار کر دیتی ہیں۔

اس طرح اس ناولٹ میں دھرم دیو کے کردار کے ذریعے فلم انڈسٹری کے اندرونی ماحول کی تصویر کشی کی گئی ہے جس میں پوری فلم انڈسٹری پر بھرپور طنز بھی ہے۔

اس ناولٹ کی کہانی اور اس کے ہیرو کا المیہ مشہور فلم ساز و اداکار گرودت کی زندگی سے قریب معلوم ہوتا ہے۔

١

دھرم دیو!

کون دھرم دیو؟

وہی دھرم دیو جو کبھی ایک راز تھا، اُسے کسی نے نہ دیکھا تھا۔

ایک جھینپو سا کمسن چھوکرا، جسے دیکھ کر ایک دم خیال آتا تھا کہ ہائے نصیب، یہ لڑکا کیوں ہوا؟ لڑکی ہوتا تو فلم لائن کی ساری پریاں ٹاپتی رہ جاتیں۔ لوگ اس کے عشق میں پاگل ہوتے، اس کی کافرادائوں پر دل وجان قربان کرنے کے لئے اس کے فلیٹ کے آگے خودکشیوں کی دھمکیاں دیتے۔ ملک کے بانکے اس کی تصویریں کلیجے سے لگا کر ٹھنڈی آہیں بھرتے۔ دلیش بھگت اُس کے ساتھ اپنی تصویریں کھنچوانا ملک اور قوم کی خدمت سمجھتے۔

میٹھی میٹھی قدرتی کاجل سے کجلائی معصوم سی آنکھیں، پتلی تیکھی ناک، نہایت نزاکت سے ترشے ہوئے گداز مگر چھوٹے چھوٹے ہونٹ ننھے بچے جیسی بھولی سی ٹھوڑی، سڈول ہاتھ پیر، پہلوانوں جیسے مچھلیوں دار نہیں بلکہ کنہیا جی کی طرح چکنے اور لچک دار اگر باریک ترشی ہوئی مونچھیں نہ پالتا تو بالکل اٹھارہ برس کی فلمی جوہنت لگتا۔

فلم پالی کچھ اس شان و شوکت سے ہٹ ہوئی کہ اس نے فلمی دنیا میں ہنگامہ مچا دیا۔ پالی جیسی فلمیں دھڑا دھڑ بننا شروع ہو گئیں، جو آدھی بنی تھیں

وہ بالی کی نقل میں کافی گڑبڑی ہوگئیں۔ بمبئی میں اس وقت پیرے اتنا عالم نہ تھا بالی میں پہلی بار ہوٹل میں حسینہ کا ناچ مغربی انداز میں پیش کرکے دھرم دیو نے اسے ہر فلم کا لازمی جز و بنوادیا۔ اس کے بعد بہت کم ایسی فلمیں بنی ہیں جن میں ہوٹل کی اسٹیج یا ہیروں کے گرد ناچ نہیں ہوتا۔ مغربی طرز کے غنڈے ، اسمگلنگ یا اسی قسم کی کوئی بہو بہو گی کرتے ہوئے بدمعاش بھی بالی کے بعد ہر فلم کی جان بن گئے۔ دھرم دیو ایک راز سے ایک دم چوٹی کے ڈائرکٹروں کی صف میں جا کھڑا ہوا۔

۱۹۴۶ء میں جب اشوک کمار اور واچہ نے دوبارہ بمبئی ٹاکیز میں جان ڈالی تو پھر سے ہمنسو رائے کا زمانہ لوٹ آیا۔ فلم اسٹوڈیو کا ماحول کسی تعلیمی یا کلچرل ادارے جیسا معلوم ہوتا تھا۔ بہت سے فلم اسٹار جو اس وقت چوٹی پر تھے، آج لوگ انہیں بھول چکے ہیں اور بہت سے آج کے قدآور فلم اسٹار اس وقت بمبئی ٹاکیز کے احاطے میں بڑی سفارشوں سے داخل ہو پاتے تھے۔ وہ جنہیں دیکھنے کے لئے خلقت آج دیوانوں کی طرح ٹوٹ پڑتی ہے۔ اس وقت بسوں اور ٹرینوں میں جھک مارتے پھرتے تھے۔ ہر بڑے فلم اسٹوڈیو کے احاطے میں کتنے ہی نوعمر امیدوار کسی وسیلے سے داخل ہوجاتے صبح سے شام تک بینچوں پر بیٹھے، جماہیاں لیا کرتے۔ کوئی بڑا ڈائرکٹر، پروڈیوسر یا کوئی پاٹ دار ہیرو سامنے سے گزرتا تو جھٹ ادب سے کھڑے ہوجاتے۔ کتنی ہی لڑکیاں جو بعد میں مشہور و معروف ہیروئنیں بن گئیں ان دنوں اپنی نانی یا باپ کے ساتھ اشوک کمار یا واچہ سے ملاقات کی آس لگائے باہر بینچوں پر بیٹھی سوکھا کرتیں۔ اس وقت ڈھائی تین لاکھ میں آج کی پچاس لاکھ کے سرمائے سے بننے والی فلم سے زیادہ روپیہ بٹورنے والی فلمیں بن جایا کرتی تھیں۔ نئے امیدواروں کو زیادہ آسانی سے چانس مل جاتے تھے اور اس وقت پروڈیوسر ڈائرکٹر اپنے لڑکوں لڑکیوں کو فلم لائن میں جھونکنا سخت ہتک کی بات سمجھتے تھے۔

ہر بات ہی کچھ نیم گرم سی ہوا کرتی تھی۔ آج کل تو ایک فلم میں کام کرکے لوگ فلم اسٹار بن جاتے ہیں۔ فلم کی ریلیز سے پہلے ہی ان کے گھروں پر پروڈیوسروں کے کیو لگنے لگتے ہیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے انہیں چوٹی پر پہنچا دیتے ہیں۔

دلیپ کمار، راج کپور اور دیو آنند نہ جانے کتنی فلموں کے بعد جمے ہیں۔
فلم اسٹار کو یوں دھاپ کے سے چوٹی ... پر چڑھا نے اور ان کی قیمت اتنی بڑھانے میں سب سے بڑا ہاتھ مدراس کا ہے۔ جو نیا ستارہ آسمانِ فلم پر نمودار ہوتا ہے مدراس کی فلم انڈسٹری اُسے اُچک لیتی ہے۔ اور چھ مہینے کے اندر اندر اس کی فلم تیار ہو کر ہٹ ہو جاتی ہے اور وہ بمبئی میں بھی مدراس کی لگائی ہوئی قیمت مانگنے لگتا ہے۔ کبھی اسی طرح بمبئی کی فلم انڈسٹری نے بنگال کی انڈسٹری کو چبا چبا کر نگلا تھا۔ آج مدراس کی انڈسٹری نے بمبئی کا دیوالہ نکال کر رکھ دیا ہے۔
کبھی بمبئی کے پروڈیوسر اور ڈائرکٹر کی بھی یہی شان تھی جو آج مدراس والوں کی ہے۔ اس وقت ہر ہیرو کمپنی کا مالک نہ تھا جیسے آج ہے۔ یا تو خود ہیرو پروڈیوسر ہے اور اپنے مفاد کو مدِ نظر رکھ کر فلمیں بناتا ہے یا بنواتا ہے۔ یا اس کا کوئی دوست یا رشتہ دار اس کی مدد سے ڈھنگ کی فلم بنا سکتا ہے۔ باقی سب بھرتی کے پروڈیوسر ہیں۔ سوائے دو چار کو چھوڑ کر سب فلم اسٹاروں کے رحم و کرم اور ڈسٹری بیوٹر کی دریادلی پر بھروسہ کر کے فلمیں شروع کر دیتے ہیں۔ اور انھیں مکمل کرنے کے لئے آدمی سے گھن چکر ہو جاتے ہیں۔ لیجئے بات دھرم دیو کی تھی۔ جب وہ بمبئی ٹاکیز میں بہت سے لڑکوں لڑکیوں کے جھگھٹے میں چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھا شاید ان خوابوں کے جال بنا کرتا تھا جو بالی کی ریلیز کے بعد حقیقت بن گئے بمبئی ٹاکیز کے احاطے میں ایک عنادری املی کا پیڑ تھا۔ اس پر املیاں کم لگتی تھیں اور کوے زیادہ بیٹھا کرتے تھے اس کے گرد ایک بڑا سا چبوترہ تھا۔ دائیں طرف کینٹین تھی۔ اونچے اسٹاف کے الگ الگ کمرے تھے مگر نوجوان امیدواروں کا اڈہ یہی چبوترہ تھا۔ ان میں چھوٹے موٹے کیرکٹر آرٹسٹ، اسسٹنٹ اور دنیا بھر کے نٹھالو لوگ بھی جا بیٹھتے۔ گپ شپ ہوا کرتی۔ گیتا بالی ان دنوں ایک چھوٹی سی فلم "گرلز اسکول" میں کام کر رہی تھی۔ اندو بالا "ضدی" میں دلیپ کا رول کر رہی تھی۔ مدھو بالا کو "محل" کے لئے چنا گیا تھا۔ دو چار سین بھی ہوئے تھے مگر اتنی اہم نہیں ہوئی تھی کہ چبوترہ چھوڑ دیتی۔ لتا کی آواز کے ٹرائیل ہو رہے تھے۔ گیتا کے دو گانے ریکارڈ بھی ہو چکے تھے اس زمانے میں شمشاد بیگم، امیر بائی کرناٹکی اور مسز گھوش کا بول بالا تھا۔ خان

مستانہ، دُرّانی کا زمانہ تھا مکیش، محمد رفیع غیر معروف تھے۔ کشور کی آواز ضدی میں ایک غزل کے لئے ٹیسٹ ہو رہی تھی۔ دیو آنند "ضدی" کا ہیرو تھا۔ مگر اپنے ہم عمروں ہی میں جا بیٹھتا تھا۔ پیڑ کے اوپر کوّے اور نیچے یہ سب جنگلی میناؤں کی طرح کچر کچر باتیں کیا کرتے۔ اُن میں دھرم دیو ایک طرف بیٹھا دھیمے دھیمے مسکرایا کرتا!

اندو پال بڑی باتونی تھی۔ کلدیپ کور کا جی تو للچاتا ہوگا چبوترے والوں میں گھلنے ملنے کو مگر اسے اپنا کیریر بنانا تھا۔

پھر بھی وہ اندو پال کو کرید کر پوچھ لیتی اور راند بھی ان جانے میں مخبری کر جاتی۔

"دلیپ کمار اور کامنی کوشل کا "شہید" بن رہا ہے۔"

"کیلا اندو کو دیکھ کر شوافت شروع کر دیتا ہے۔"

"کشور کمار ریوا کو بہت ہنساتا ہے۔" "رومالہ مثال" میں اندھی لڑکی کا رول کر رہی تھی۔ شوٹنگ ہو یا نہ ہو اسٹوڈیو ضرور آتی تھی۔ کشور کمار کا ایک اشوک کمار کو دیکھ کر دم نکل جاتا تھا کیونکہ وہ خوب اُسے بنگلہ میں ڈانٹتا تھا۔

"گیتا بالی کا کسی سے نہیں چلتا، وہ تو پھکڑ ہے سب سے ٹھٹول کرتی ہے۔"

"دھرم دیو تو سوائے منگلا کے کسی سے بات نہیں کر پاتا۔"

زندگی میں انسان کتنی بار عشق کرتا ہے؟

اور فلمی زندگی کی ریڑھ کی ہڈی ہی عشق ہے۔ جسے عشق کرنا نہیں آتا وہ رُومانی پردۂ سیمیں پر کیسے پیش کرے گا اور رُومانی نہ ہوں گے تو فلمیں کیسے چلیں گی؟

دھرم دیو پرلے درجہ کا عاشق مزاج تھا۔ بقول اندو وہ باری باری ہر لڑکی پر زور شور سے عاشق ہو چکا تھا جن میں وہ خود بھی شامل تھی۔ مگر جتنی تیزی سے بخار چڑھتا اُسی سرعت سے اتر بھی جاتا۔ اکثر تو ایسا ہوا کہ صبح وہ گیتا بالی کے لئے ہلکان تھا۔ شام کو چلتے وقت مدھو بالا دماغ میں بھر گئی۔ صبح دُوسرے دن آیا تو سلیٹ صاف۔ کوئی پُونا کی واقف کار اسٹیشن پر مل گئی۔ لیکن دوپہر تک پھر منگلا کے عشق کا بھوت سوار ہو گیا۔ منگلا کو اس کے بھائی لے گیا تو بھالو

بیٹھا بیٹھا کامنی کوشل پر فریفتہ ہوگیا، مگر نہ جانے کیا بات تھی کہ لوٹ پھر کر گاڑی آکر منگلا ہی پر رکتی۔

اور پھر متواتر ڈیڑھ دن منگلا ہی منگلا رہی۔ اور شاید طول پکڑ جاتی۔ اگر ثریا اپنے گیت کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں نہ آجاتی۔ جتنے دن ریکارڈنگ ہوتی رہی دھرم دیو اپنی ڈیوٹی چھوڑ چھاڑ کر میوزک روم کا طواف کرتا رہا۔ منگلا نے بہت بہت غصہ کیا مگر عاشق صادق ٹس سے مس نہ ہوا۔ منگلا سے اس دن ریہرسل نہ ہو سکی اور اس کا گانا لتا کو دے دیا گیا۔

ثریا چلی گئی تو وہ یتیموں کی صورت بنائے چبوترے پر بیٹھا رہا اور شاید عمر بھر بیٹھا ہی رہتا اگر منگلا کی آنکھ میں پلک نہ گھس گئی ہوتی۔ پلک نہ پڑتی تو دھرم دیو اسے اپنے سفید جھک کرتے کے دامن سے اس کے مچلائے ہوئے آنسو کیسے پونچھتا۔

اس دن منگلا نے جو گیت ریکارڈ کروایا وہ آج تک ہٹ ہے۔

وہ گانے کے لئے آئی تھی مگر اس کا سانولا سلونا بنگالی حسن، لمبے لمبے خم دار گیسو اور بھاری بھاری نیند اڑانے والی آنکھیں اس کی جڑ بن گئیں۔ کیوں کہ اسے ایکٹنگ سے چڑ تھی۔ اور پھر ادھر کئی مہینے سے دھرم دیو ڈانوا ڈول نہیں ہوا تھا۔ مدھو بالا نہایت ہوش ربا پوز دے رہی تھی۔ اور در و دیوار اس پر ہزار جان سے عاشق ہو رہے تھے، مگر دھرم دیو چٹان بنا صرف منگلا کے دھیان میں غرق تھا۔ منگلا بڑی چپکی سی تھی۔ ویسے گانے والیوں کو تو بس میٹھی آواز ہی بلندیوں پر چڑھنے کی ایک سیڑھی ہوتی ہے۔ شکل صورت سکیس اپیل سب بیکار۔ اگر گلا نہیں۔ گانے والوں کو ان راہوں سے نہیں گزرنا پڑتا ہے۔ میک اپ مین کے نخرے کہ ان دنوں یہ فن صرف انہی کی مٹھی میں تھا۔ اب تو یہ لوگ خود ہی میک اپ کر لیتے ہیں۔ کاسٹیوم انچارج کی اہمیت ختم ہو چکی ہے۔ اسے صرف ایکسٹراؤں کے کپڑے لتے کی خبر رہتی ہے۔ اونچے اداکار تو اپنے درزیوں سے کپڑے اپنی مرضی سے سلواتے ہیں اور اپنے پاس ہی رکھ لیتے ہیں۔ عموماً واپس کرنا بھول جاتے ہیں۔

مگر ایک اداسی تھی جو دھرم دیو کے گرد کنڈلی مار کر بیٹھی ہوئی تھی۔ جیسے منگلا کے عہد و پیمان بھی نہ دور ہٹا سکے۔ چھٹے ساتویں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کی نہ کوئی حیثیت نہ کوئی مستقل ذمہ داری پتھر کی طرح ٹھکا ہوا ہے ایک جگہ۔ عدم اور وجود برابر۔ سیٹ پر ڈائرکٹر حماقت کر رہا ہے مگر رائے کا اظہار گستاخی ویسے ہی کھجایا ہوا ہے کھڑے کھڑے نکال دے گا۔ ہیرو وحشی ہیروئن الٹے سیدھے چکر دے رہی ہے۔ کوئی پرسان حال نہیں۔ سب کا غصہ اسسٹنٹ پر۔ ساری زرخیز صلاحیتیں دم گھوٹے، ذہانت پیروں تلے روندی جا رہی ہے۔ گدھوں کے ہاتھ میں سب کچھ۔ سمجھ بوجھ عذابِ دوزخ جھیل رہی ہے۔

مگر بن کاجل کالی سوندھی سوندھی آنکھیں کہتی ہیں۔ جمے رہو۔ ہیرے کا نصیب ضرور جاگے گا۔ پتھر کا گمنام ٹکڑا تراشا جائے گا تو چکاچوند سے آنکھیں بند ہو جائیں گی۔ ایک گونگی بے وقوف سی لڑکی جو ٹھیک سے ساڑھی بھی نہیں باندھنا جانتی۔ بات کرتے چھوئی موئی کی طرح سمٹ جاتی ہے۔ گلے میں رس ہے تو کیا؟

مگر اور بھی تو کوئی سہارا نہیں۔ سب ہی سلگانا جانتی ہیں۔ ان کے عشق کے شعلہ میں لپک تو ہے پر جھلسن بھی ہے۔ چڑھتی کمانیں ہیں ہر چہار طرف تیر برسا رہی ہیں۔

مصلحت اسی میں ہے کہ کوئی ٹھنڈی میٹھی ہمسفر کا ہاتھ پکڑ لو کہ نبضیں برقرار رہیں۔ اس کے آنچل کی آڑ میں بادِ مخالف کے تھپیڑوں میں پناہ تو ملے گی اور دِل کا ٹھکانا ہو جائے تو دنیا کی خبر لیتے چلو۔

چنانچہ دھرم دیو نے بھی منگلا کو اپنا دِل سنبھلا دیا کہ "بابی" کی ریلیز کے بعد شادی اور ہنی مون۔

اور "بابی" کی ریلیز کے بعد مہینوں زمین پر پیر ٹکانے کی مہلت نہ ملی۔ دعوتیں پارٹیاں اور ایک سے ایک اونچا آفر۔ وہی شخص جو کل تک دخل در معقولات کی حیثیت رکھتا تھا ایک دم عقلِ کل کے مرتبہ پر پہنچ گیا۔

وہ اپنی فلم بناؤ دھرم جی کیوں دوسروں کی تجوریاں بھرتے ہو"

اُن دنوں خود مختار پروڈیوسر بڑی تیزی سے آگے آتے جا رہے تھے۔ اس سے پہلے فلم کمپنیاں ہی فلم بناتی تھیں جن کے اپنے فلم اسٹوڈیو ہوتے تھے۔ مستقل اسٹاف ہوتا تھا۔ اپنی لیبارٹری اپنی مووی مشینیں۔ رات کو شوٹنگ ختم کی۔ صبح رش پرنٹ تیار۔ کام شروع کرنے سے پہلے رش پرنٹ دیکھے پھر آگے کام ہوا۔ ایک کمپنی سال میں زیادہ سے زیادہ پانچ چھ فلمیں بنا لیتی تھی۔ بغیر ایک فریم بھی دیکھے فلم کا سودا ہو جاتا تھا۔ مقررہ ڈسٹری بیوٹر بند ڈبہ لے جاتے اور لاکھوں کماڈالتے۔

جنگ کے بعد ایک دم نئے سینما ہال بنے۔ فلموں کی مانگ بڑھی۔ نئے نئے ڈسٹری بیوٹر میدان میں آ گئے۔ کمپنیوں میں پہلے ہی سے پرانے ڈسٹری بیوٹر ڈٹے ہوئے تھے۔ اس لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ زیادہ فلمیں بنائی جائیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ زیادہ کمپنیاں بنتیں، اسٹوڈیو بنتے، فلم اسٹار بنتے اور یوں فلموں کی تعداد بڑھائی جاتی، مگر چونکہ نئے ڈسٹری بیوٹر کم سرمایہ لاتے اور آ سے بھی کسی مستقل اسٹوڈیو میں جکڑنا نہیں چاہتے تھے۔ دس پندرہ ہزار سے کام شروع کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے ایک نیا ہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان دنوں ڈسٹری بیوٹروں نے سوچا کہ فلم بنانے والے کمپنیوں کے مالک نہیں بلکہ ڈائرکٹر اور فلم اسٹار ہیں، کیوں کہ انہی کے نام پر فلم چلتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ان ڈائرکٹروں سے کہا کہ کیوں مالک کے حکم کے پابند رہتے ہو۔ پوری فلم نہیں ایک ایک صوبے کے حق تقسیم بیچو۔ ہم قسط وار دیں تم قسط وار فلمیں بناؤ۔

کون سی مشکل بات تھی۔ قسط وار فلمیں بننے لگیں۔ اور اب چلی بھیڑ چال یعنی اتنا آسان ہے پروڈیوسر بننا۔ دس پندرہ ہزار ادھر ادھر سے گھیر لاؤ اور جس کا جی چاہے پروڈیوسر بن جائے۔ سب کمپنیوں کا اسٹاف الگ الگ پروڈیوسر بن گیا۔

کمپنیوں میں اُلّو بولنے لگے۔ مجبوراً کہیں تو تالے پڑ گئے اور باقی نے ان قسط وار پروڈیوسروں کو اسٹوڈیو کرائے پر دینے شروع کر دیئے۔ اب اتنے پروڈیوسر بن گئے کہ اسٹوڈیو کم پڑ گئے۔ اسٹوڈیو کی کمی کو آؤٹ ڈور شوٹنگ کر کے کام چلایا۔ فلم اسٹار کم پڑ گئے نئے اسٹار بنانے میں قسطوں پر فلم بنانے والوں کے دیوانے نکل گئے۔ پھر یہ ہوا کہ جس پروڈیوسر نے کسی بڑے اسٹار کر لیا اُس کی فلم قسطوں پر بکنے لگی۔ باقی لوگ فلم بنانے سے زیادہ قسطیں وصول کرنے کی

تنگ ودو میں گھس گئے۔

فلم بنانے کے لئے ضروری نہیں تھا کہ کوئی مشہور اور کامیاب ڈائرکٹر ہی ہو۔ پرانے ڈائرکٹر جو کمپنیوں سے توڑ کر خود مختار بنا دیئے گئے تھے ان میں سے اکثر لڑھک گئے۔ کہاں ٹھاٹ سے اسٹوڈیو میں فلم بناتے تھے جہاں دنیا بھر کی آسائش مُیسر تھیں نہ فلم اسٹار سے ڈیٹ لینا نہ اسٹوڈیو بُک کرانا، نہ فلم خام کے لئے دوڑ بھاگ، نہ شوٹنگ کے لئے آج یہاں کل وہاں سارا بستر بوریا لے کر جانا۔ کچھ کی بدھیا بیٹھ گئی اور اُن کے مقابلے میں بالکل نئے لونڈے نے دھر کے فلم ٹھوک دی جو ہٹ ہو گئی۔

جیسے دھرم دیو نے!

اس کے بعد تو ڈسٹری بیوٹر کو یقین ہو گیا کہ اگر بڑے اسٹار ہوں، اچھا میوزک ہو تو ایگزبیٹر فلم لے لیتا ہے اور قسطوں میں شریک ہو کر بوجھ بانٹ لیتا ہے۔ لہٰذا اُس نے کہہ دیا بس کچھ نہیں چاہیئے۔ فلم اسٹار اور میوزک۔ اور ان کی مانگ بڑھی تو انہوں نے دام بڑھائے کسی کی جیب سے تو جاتے نہیں۔ پیسہ تو آخر میں پبلک کی جیب سے آتا ہے تو کیوں نہ جو مانگے وہ دیتے جاؤ۔ ایک ایک اسٹار بیس بیس فلموں میں جُٹ گیا اور اُن میں پروڈیوسروں کو جتنے دن مہینے میں اُن کے حصّے میں آئے اُن کو دے دیئے۔ جن کی قسطیں نہیں آئی تھیں وہ رہ گئے منہ دیکھتے۔

اب بیچارے اسٹار پر ایک اور مصیبت پڑی۔ اتنی فلموں سے اتنا روپیہ آنے لگا کہ اگر سب انکم ٹیکس والوں کے سامنے ظاہر کر دے تو ٹیکس در ٹیکس لگ کر سب نکل جائے گا اس لئے کالا روپیہ یعنی بغیر رسید کے روپیہ کا لین دین چل پڑا۔ اب خود مختار ڈائرکٹر پروڈیوسر کو پروڈکشن کے دوسرے جنجالوں کے ساتھ جھوٹی رسیدیں بنانے کی ذمّہ داری اور لینی پڑ گئی۔

"بالی کی کامیابی کا جشن منانے میں وہ عہد و پیمان جو املی کے پیڑ کے نیچے بیٹھ کر کئے تھے۔ انھیں نبھانے کی فرصت ہی نہ ملی۔

"بالی کی کامیابی میں کچھ منگلا کا بھی دخل تھا۔ فلم کے گانے ہی اُس کی جان

تھے جو منگلا نے گائے تھے اور ان میں نتیجہ نکال کر رکھ دیا تھا۔
بالی بناتے وقت دھرم دیو ایک گمنام اسسٹنٹ تھا۔ وہ سال کا کامیاب ترین ڈائرکٹر بنا تھا اور اب اس کا نام سارے ملک کے گلی کوچوں میں پوسٹروں پر لکھا تھا۔ فلم انڈسٹری میں اس کا نام گونج رہا تھا۔ کچھ لوگ حسد کی آگ میں سلگ رہے تھے۔ ڈسٹری بیوٹر اس کے نام کی مالا جپ رہے تھے اور منگلا؟

منگلا نے دو دن سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ ٹیلی فون کر کے ہار گئی۔
دھرم جی کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ کہانی پر بیٹھے ہیں۔
ایسی تیسی کہانی کی، جاؤ بیٹھو کہانی پر یا چاہے میری سمادھی پر بیٹھو۔ اور جب دھرم کو پتہ لگا تو وہ ننگے پیر بھاگا آیا۔
"منگلی ——— میری جان ——— میری روح ..... میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔" اس نے آتے ہی اپنا سر منگلا کی گود میں رکھ دیا۔ اپنا فاقہ بھول کر وہ اس کی کنپٹیوں پر بام ملنے لگی۔
"اوہ۔ یہ لوگ مجھے پاگل کر دیں گے۔"
"وہ تو تم پہلے ہی ہو چکے ہو۔"
"ریتا کہتی ہے کہانی لڑکی کی ہونا چاہیئے۔"
"تو پھر اڑچن کیسی؟"
"پرکاش کہتا ہے ریتا کو مارو گولی، کوئی نئی چھوکری ڈال دو اور سیکس اپیل پر کیش کرو۔"
"واہ۔ اور چھوکری کے کپڑے تو کیا کھال بھی اتروا لو، چوں نہ کرے گی، بلکہ احسان مانے گی۔" منگلا نے تیر مارا۔ "کپڑا کم ہیروئن زیادہ۔ فائدہ ہی فائدہ!"
"اور سنسر کو جا کر تم سمجھاؤ گی؟"
"تمھیں کتنا سمجھا لیا جو اب سنسر کو بھی سمجھاؤں گی۔"
"منگلی خفا ہو؟"
"اگر کہوں ہاں، تو؟"

"منگلی...... ناگپور کے پاس تپاجی کی ساٹھ بگیھہ زمین ہے۔ چل وہاں املی کے پیڑ بہت ہیں۔ بس چھاؤں میں لیٹیں گے......" دھرم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جیسے اسی دم چل پڑے گا۔

"اور املی کے پتے پر ڈنڈ پیلیں گے۔" منگلا نے جملہ پورا کر دیا۔

"اوہ!" منگلا کی موسی دروازے پر کھڑی تھی۔

"نمسکار موسی۔" دھرم نے اس کے پیر چھونے کی دھمکی دی

"مجھے یہ منہ دیکھے کی باتیں نہیں بھاتیں۔ تین دن سے مورکھ نے ایک چاول کا دانہ نہیں ڈالا منہ میں۔ اب ہی نمٹیں چھٹی۔"

"موسی، کام کر رہا تھا کہ ٹھالو بیٹھا تھا؟" مگر موسی کے ڈانٹنے پر اسے پیار آنے لگا۔ کوئی تو اسے اپنا سمجھے۔ پیار سے بام ملے۔ بس شکوہ شکایت بھول جائے۔ چاہے اس کی موسی ڈانٹ بھی بتائے۔

کتنا پیار تھا موسی کی پھٹکار میں!

اور بالی کے ڈائرکشن کا موقعہ ملنے سے پہلے ہی موسی اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرتی تھی، میٹھی میٹھی گولیاں، اندر کو مین! منگلا کو اس سے ملنے پر پھٹکار پڑتی تھی! بھائی اس کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے، تپاجی آتم ہتیا کی دھمکیاں دے رہے تھے۔

آج اسے اپنوں جیسے طعنے دیئے جا رہے ہیں۔ جس کے غارت ہونے کی دعائیں مانگی جاتی تھیں اس سے نہ آنے کی شکایت ہو رہی ہے۔ کیونکہ اب وہ مشکوک انڈا نہیں، چاق وچوبند جوڑا ہے! اب اس سے شادی کے لئے تقاضے ہو رہے ہیں۔ منگلا کا بھائی پروڈیوسر بننے کی سوچ رہا ہے۔ کئی دفعہ کہہ چکا ہے کہانی سن کر پاس کر دو تو آرٹسٹ سائن کروں۔

وہ دیر سے آتا ہے تو منگلا سے زیادہ اب اس کا کنبہ دھرم دیو کے فراق میں بے حال ہوتا ہے۔ کبھی اس سے ملنے پر چار چوٹ کی دھمکیاں دی جاتی تھیں۔ آج اسے چوگنی ملامتیں اس بات پر سننی پڑتی ہیں کہ وہ اسے پھانس کیوں نہیں سکتی۔ دھرم دیو ہاتھ سے نکل جائے گا۔ بھولی بھالی معصوم لڑکی سے بازاری ہوں

جیسے ہاتھ کھلوائے جا رہے تھے۔ جیسے پیار اور دوستی نہیں کبوتر پھانسنا ہو۔ کہنے سُننے سے منگلا کے دِل میں بھی پھانس کھٹکنے لگی تھی۔ وہ طبیعت کا ہرجائی تو تھا ہی۔ منگلا کے بعد اگر کسی پر اس کا دل ٹھہرا تھا تو وہ ریتا ہی تھی۔ ویسے املی کے پیڑ کے نیچے بیٹھنے والوں میں منگلا کی سب سے بے تکلف سہیلی بھی ریتا ہی تھی۔

مگر یہ فلم لائن ہے۔ یہاں کوئی کسی کا دوست نہیں۔ موقع سب سے بڑا دوست ہوتا ہے۔ دھرم دیو کی پوزیشن اب اور تھی۔ وہ چڑھتا سورج تھا۔ اور ورما جی ڈھل رہے تھے۔ ریتا جب بمبئی آئی تھی تو کوئی اُسے کوڑی کی تین نہیں پوچھتا تھا۔ کمسن تو تھی۔ مگر حسین نہ تھی۔

"ناک طوطے جیسی ہے۔" کہیں سے جواب مِلتا۔

"ٹھوڑی سپاٹ!"

مگر اداکاری اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ ہیروئن کو اداکاری کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے پاس تو بس صورت ہو اور بھرا ہوا جسم جسے توڑ مروڑ کر فلم بنالو۔ پبلک کا دِل گرم!

ریتا کسی بے وقوف سے لڑکے کے ساتھ فلم کے شوق میں بھاگ لی تھی۔ وہ ٹھوکریں نہ برداشت کر سکا اور واپس چلا گیا۔ فلم لائن کا راستہ یک طرفہ ہوتا ہے۔ واپسی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جب وہ ہر طرف سے ناامید ہوگئی۔ اُس نے شیر کے منہ میں سر دے ہی دیا۔

"وہ بڑا سور ہے۔ داشتہ بنا کے رکھے گا۔" سب نے ریتا کو سمجھایا، ڈرایا مگر اور پھر راستہ ہی کون سا رہ گیا تھا۔ اتفاق سے انھیں دنوں ورما جی خالی ہوئے تھے، ان کی تراشی ہوئی ہیروئن ہٹ ہوگئی اور ان کے کندھے پر پاؤں رکھ کے آسمان کا تارہ بن گئی۔ زخم تازہ تھا اور مرہم کی سخت ضرورت تھی۔ انھوں نے ریزہ ریزہ ریتا کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹا۔ بار بار چوٹیں کھا کر انہیں کچھ زخموں سے پیار ہو چلا تھا۔ مستقبل کی ایسی تیسی، انھوں نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ریتا میرا ہے فلم انڈسٹری گدھوں کی بستی ہے۔ اُسے بامِ عروج پر پہنچانے کے لیے گھٹنے ٹیک

دیے۔ گڑیا کی طرح اس سے کھیل کر ایسی فلم بنا ڈالی کہ ریتا فضاؤں میں تیرنے لگی۔ وھڑا دھڑ معاہدے ہونے لگے۔ ورما جی سے کوئی لکھا پڑھی نہیں ہوتی تھی۔ نہ کبھی انہوں نے اور ریتا نے کوئی ضرورت محسوس کی تھی۔ وہی اس کی تنی گرما گرم نبض سنبھالے ہوئے تھے۔ کہانی سن کر فیصلہ کرتے، روپیہ وصول کرتے۔ غرض کہ پردوں میں چھپائے رہتے۔ ورما جی کی بیوی کو بھی زیادہ اعتراض نہ رہا میاں بیوی کا رشتہ تو ورما جی کی پہلی فلم ہٹ ہوتے ہی ختم ہو گیا تھا۔ اور اب تو بس وہ چیک بک کی حیثیت رکھتے تھے۔ گو وہ اس کی کمائی کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے پھر بھی بوئی کھیتی کاٹ رہے تھے۔ مدتیا ان کی نئی فلم میں فل کو آپریشن دے رہی تھی۔ جس فلیٹ میں وہ بیوی سے الگ ہو کر ریتا کے ساتھ رہتے تھے اس کا کرایہ بھی خود ہی دیتے تھے۔

ریتا کے فلم اسٹار بنتے ہی اس کے خاندان کو ایک دم اس پر پیار آ گیا۔ پہلے تو بہن اور بہنوئی ملنے آئے۔ ریتا کی خاک میں رُلی ہوئی عزت کو سہارا مل گیا۔ وہ ان کے قدموں میں بچھ گئی کہ پیاری بہن کو راندۂ درگاہ بہن کا خیال تو آیا۔ اس نے صندوق بھر بھر کے سارے گہنے کو تحفے بھیجے۔ بہن دو ماہ بعد پھر لوٹ آئیں۔ بمبئی میں ان کا بے طرح جی لگ گیا۔ ان کے ساتھ ماں بھی بیٹی کی جدائی نہ برداشت کر کے آ گئیں۔ دو چار ماما چاچے بھی آ گئے اور رہ پڑے اب وہاں گاؤں میں بھلا کس کا جی لگتا۔

ورما جی اپنے ہی فلیٹ میں اجنبی ہو گئے۔ بہنوئی نے ہوکے میں آ کے اُلٹے سیدھے سب کانٹریکٹ لے لئے بغیر ورما جی کی رائے لئے۔ وہ بہت چیخے چلائے مگر کچھ نہ کر سکے۔ انہیں ریتا کے ساتھ سونے کا شوق تھوڑی تھا۔ وہ تو اس کے ساتھ گڑیا کی طرح کھیلا کرتے تھے۔ کاروبار کی الجھنیں، بیوی کی زیادتیاں، دوستوں کی بے وفائیاں وہ ریتا کے قہقہوں میں ڈبو دیا کرتے تھے، اب جو گھر میں تو گرگی بھرتی جمع ہوئی تو خون کا سا گھونٹ پی کر کچھ دن تو جھیلتے رہے پھر ریتا سے کہا "ان کا پتہ کاٹو۔ تھوڑے دے دلا کے دفعان کرو۔"

ریتا کا کلیجہ پھٹ گیا۔ ہائے کس جتن سے تو روٹھا کنبہ منایا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ادھر خاندان والوں کا تقاضا تھا کہ یہ کیوں جان کو لگا ہوا ہے؟ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ کی بدنامی ہوتی رہتی ہے سو الگ، ویسے ہی کمروں کی کمی ہے۔ اوپر سے یہ ڈٹا ہوا ہے۔

اور تو ریتا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ایک دن بابی کی شوٹنگ کے زمانے میں دھرم دیو کے کندھے پر سر رکھ کے خوب پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ دھرم دیو دل کا کچا پل کے رہ گیا۔

تم دوسرا فلیٹ لے لو بس ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے ساری رو داد سن کر فیصلہ کیا۔ اور شام سے پہلے پہلے نئے فلیٹ کی چابی ریتا کو پکڑا دی۔

مگر ورما جی بری طرح پھیل پڑے۔

وہ تو سمجھتی کیا ہے۔ مٹھی بھر دھول آج میری بدولت آکاش پر چھا رہی ہے۔ تو کہتی ہے میں طوفان ہوں۔ میں بنانا جانتا ہوں تو بگاڑنا بھی جانتا ہوں۔ ایسی کی تیسی کر کے رکھ دوں گا۔ سارے کانٹریکٹ نہ کٹوا دیئے تو اندر جیت ورما نہیں بھنگی ابڑی آئی خاندان والی۔"

ریتا تھر تھر کانپنے لگی۔ ورما جی کو وہ دیوتا سمان سمجھتی تھی۔ واقعی وہ ان کے ہاتھوں کا مٹی تھی۔ تب نئی نئی تھی نا۔ سمجھتی تھی واقعی ورما جی اسے خاک میں ملا دیں گے۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ ورما جی خالی ڈھول تھے۔ یہ اسے انڈسٹری میں رہ بس کے معلوم ہوا، اس لئے اس وقت تو اس نے وعدہ کر لیا کہ صرف دکھاوے کو وہ نئے فلیٹ میں رہے گی ویسے اس کا تمام خالی وقت ویں

گزرے گا۔ یوں بھی گاڑی چلتی رہی۔

مگر ایک اُفتاد آن پڑی۔ فلیٹ اور ورما جی سے جھگڑے کی خبریں نمک مرچ لگا کر لوگوں نے منگلا تک پہنچائیں۔ کچھ اخباروں میں بھی دونوں کے نام بہت ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔ ورما جی دھرم دیو کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

صبح سے منگلا جلے پاؤں کی بلی کی طرح بے کل گھر کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے کا چکر کاٹ رہی تھی۔ ماں کے اور بھیا کے اصرار پر اس نے دو تین بار دھرم دیو کو فون پر یاد دہانی کی تھی کہ آج رات درگا پوجا ہے جس میں اس کی شرکت از بس لازمی ہے۔ اگر آج وہ سب کام چھوڑ کر نہ آیا تو پھر منگلا سے ہاتھ دھو بیٹھے، ساری

عمر صورت نہ دکھائے گی۔

بڑی مشکل سے وہ ہلا اور دیر تک پیار کی باتیں کرتا رہا۔ منگلا کا انگ انگ ہمک اُٹھا۔ سارے شک شبہے دل سے دُور ہو گئے۔ وہ اُس کا ہے اور دُنیا کی کوئی طاقت انہیں جُدا نہیں کر سکتی۔ آج کی پوجا میں وہ بحیثیت منگلا کے منگیتر کے سارے خاندان کے ساتھ شریک ہوگا۔ اب بات بکھرنے کی حدوں کو پار کر چکی ہے۔ وہ تو اُسے اپنا مان ہی چکی تھی، خاندان والے بھی سوئیکار کر لیں گے۔ اور دُرگا میّا کا آشیرواد مل جائے گا۔ بس دکھاوے کے سات پھیرے رہ جائیں گے۔

"بھئی اب دھرم جی بڑے آدمی ہو گئے ہیں۔ ایر کنڈیشنڈ آفس میں دن بھر چھوکریوں کے انٹرویو لیتے ہیں، مجھے تو لگتا ہے اُن کی نیت ڈانوا ڈول ہو رہی ہے۔ اور پھر ریتا لاکھ کی ہیرو تو ٹھہری۔"

ابھی تو ٹیلی فون پر کانوں میں رس گھول رہا تھا، اور بھیا کی باتیں سن کر پھر کڑوے کسیلے شبہات بس گھولنے لگے، آدھ گھنٹے تک ٹیلی فون کھٹکھٹاتی رہی۔ معلوم ہوا اینگیج ہے! گھر میں مہمان آنے لگے۔ مٹھائی اور پھل پھول کی تالیاں سجنے لگیں۔ بچے سیڑھیوں پر دھما چوکڑی مچا رہے تھے۔ بڑی سر ماری کے بعد دفتر کا نمبر ملا۔ معلوم ہوا کہ ابھی ریتا دیوی کو موٹر تک پہنچانے گئے ہیں۔

پندرہ منٹ بعد پھر فون کیا۔ معلوم ہوا ابھی نہیں لوٹے۔

پھر فون کیا۔ ہاتھ بُری طرح لرز رہے تھے۔ اب کے دھرم دیو کی میٹھی آواز کان میں پڑی تو منگلا کی زبان تالو سے چمٹ گئی۔ اپنے شکّی دل پر بہت غصّہ آیا۔

"کیا ہے منگو یار؟"

"آرہے ہونا پوجا میں؟"

"پوجا؟"

"ہاں..... دُرگا پوجا ہے نا"

"اوہ!" دھرم دیو کی آواز بجھ گئی۔ "وہ بات یہ ہے منگلا تھوڑا سا کام نکل آیا۔"

"تو تم نہیں آؤ گے!"

وہ آویں گا تو، پر شاید دیر ہو جائے گی۔"

"وہ پوجا کا سمے بیت جائے گا تب؟"

"وہ مگر منگلا بات یہ ہے.... سنو...... تو منگلا۔"

مگر منگلا نے ٹیلی فون پٹخ دیا اور کہنی میں سر دے کر میز پر جھک گئی۔

"وہ نہیں آرہے ہیں؟" بھیا نے تیر مارا۔

"وہ کہتے ہیں شاید دیر ہو جائے گی۔ آئیں گے تو سہی۔"

"وہ دیر تو ہوگی ہی۔ کبھی جلدی بھی ہوتی ہے۔ ایک پکچر ہٹ ہوئی تو دماغ ساتویں آسمان پر چڑھ گیا۔"

"وہ تو فون ملا، میں بات کروں گی۔" ماں پلو سے ہاتھ پونچھتی لپکیں۔

"وہ نہیں، کسی کی بنتی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ماں، آتے ہیں آئیں نہیں آتے نہ آئیں۔ وہ تو بس خوشامد کی لت پڑ گئی ہے انہیں۔ شیلا کا سیٹ لینے کو کہا تو ٹال گئے۔ 'وہ شریف لڑکیوں کے لئے یہ لائن اچھی نہیں۔'" شیلا پر بھیا بری طرح ریجھے ہوئے تھے۔

پوجا کا وقت ہو گیا ہے۔ سب کو دھرم دیو کا انتظار ہے، بار بار سب کی نظریں منگلا کی طرف اٹھتی ہیں۔ وہ چور سی بیٹھی ہے۔ کاش وہ سمے کو مٹھیوں میں بھینچ سکتی۔

سات، ساڑھے سات، آٹھ پھر نو! کوئی نہ آیا۔

گیارہ بج گئے، مہمان جا چکے تھے مگر منگلا دروازے سے پیٹھ لگائے چوکھٹ پر بیٹھی تھی۔ جیسے ہر پتی ورتا عورت اپنے لاابالی پتی کے لئے انتظار میں بیٹھا کرتی ہے۔ پر ابھی تو وہ کنواری ہے۔ شادی کے بعد کیا ہوگا؟

اگر کیشو بھی ناکام لوٹا تو؟

مگر کیشو ناکام نہیں لوٹ سکتا۔

کیشو دھرم دیو کا سب سے اہم چمچہ تھا۔ وہ بستی ٹاکیز میں کانٹین میں تھا اور اپنے کھاتے میں دھرم دیو کا ادھار لکھوالیا کرتا تھا۔ کتنے سگریٹ پلاتے تھے، پان کھلاتے تھے، آملیٹ ٹھنساتے تھے، یہ دھرم دیو نہیں بھولا تھا جب اس

کا پہلا کانٹریکٹ ہوا تو کیشو اس کے ساتھ آگیا۔ کوئی خاص کام اس کے ذمّہ نہیں تھا۔ وہی سگریٹیں پلانا، آملیٹ تلوانا، وررلی ناکہ سے بڑے لگوا کر لانا، مگر اب پیسے دھرم کی جیب سے آتے تھے۔ وہ سائے کی طرح اس کے گرد منڈلاتا رہتا۔ باتھ روم میں بھی جاتا تو وہ باہر پہرا دیا کرتا۔ اگر منگلا اُسے ناپسند ہوتی تو دھرم دیو کی مجال نہیں تھی کہ اس سے راہ ورسم بڑھاتا مگر اُس نے منگلا کو بہن بنایا ہوا تھا۔ اس سے بہتر گھر والی دھرم دیو کے لئے نہیں مل سکتی۔ کوئی تو منہ اور گھوڑے کی لگامیں تھا مے رہے۔ دھرم دیو ہی نہیں بہت سے اس کے دوست پروڈیوسر بھی کیشو سے مرعوب تھے۔ اگر کوئی ذرا بھی اس سے اکڑ فوں کرتا وہ فوراً اس کا پتا کٹوا دیتا۔ ایمان دار ہی نہیں تھا بلکہ دوسرے چمچوں کی ساکھ بگاڑنے کے لئے وہسکی کی بوتلیں جیب سے دام بھر کے سستی لاتا۔

لوگوں نے دو گنی تگنی تنخواہ دے کر اسے دھرم دیو سے توڑنا چاہا مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔

"دھرم جی تو مجھے کوڑی نہ دیں اور جوتے مار کے نکالیں تب بھی نہیں چھوڑنے کا" جب دھرم جی یہ باتیں سنتے تو پھول کر غبارہ ہو جاتے۔ نہ جانے کتنے سال انڈسٹری میں گزارے کبھی چھوکری لوکری کے پھندے میں نہیں پھنسا۔ اپنی نہایت گھریلو سی بیوی اور تین بچوں کے ساتھ اسی پرانے دادر کے گھر میں رہتا تھا کبھی شراب کی ایک بوند بھی نہ چکھی۔ حالانکہ ھر وقت بوتل پاس رہتی تھی، نہ جانے کون کب مانگ بیٹھے۔ اس کی واحد کمزوری بس دھرم دیو تھا۔ نہ جانے ایسا عجوبہ انڈسٹری میں کیوں اور کیسے زندہ تھا۔ منگلا جانتی تھی کہ وہ دھرم دیو کے لئے جھوٹ بولنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ چاہے وہ پینے پلانے کی پارٹی میں ہو حق کر رہا ہو جب اس سے پوچھو یہی کہتا ہے۔ کہانی پر بیٹھے ہیں۔ ٹرائیل ہو رہا ہے، ٹونیں سن رہے ہیں۔ بعد میں دھرم دیو خود قبول دیتا تو وہ بات بنانے لگتا کہ دھرم جی تو بس بیٹھے تھے ایک بوند بھی نہیں پی۔"

بالکل شکی بیوی کی طرح وہ دھرم دیو کی دیکھ بھال کیا کرتا۔ کہیں وہ کسی لفڑے میں نہ پڑ جائے۔ اُبھرتے سورج پر ادھر اُدھر کے بادل منڈلانے لگتے ہیں۔ سیاہ گھنگھور بادل۔ رندھیر اس کی نئی سکرپٹ پر کام کر رہا تھا بڑا اول جلول آدمی

تھا۔ اس کی باتوں میں دھرم دیو آجاتا تو کیشو کو بتانا بھول جاتا۔ تب وہ شکّی بیوی کی طرح تمام میں بولایا پھرتا۔ جب وہ لوٹتے اور پتہ چلتا کسی خطرناک جگہ نہیں صرف ناریل کا پانی پینے یا نکڑ کی دکان پر پان کھانے گئے تھے تو اس کی جان میں جان آتی۔

کوئی بارہ بجے کیشو لوٹا۔ منگلا اُسے دیکھ کر بے تعلق سی ہو بیٹھی

"کل دس بجے برمن صاحب موہن اسٹوڈیو میں پہنچ جائیں گے رہیرسل کے لیئے گاڑی لے آؤں؟"

منگلا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھنے لگی۔ اس نے تو کمبخت کو دھرم دیو کی کھوج میں بھیجا تھا۔ یہ کیا بے پر کی اُڑا رہا ہے "وہ کہاں ہیں؟" اس نے چڑ کر پوچھا

"اُنہوں نے مجھ سے کہا ہم جا رہے ہیں تم برمن صاحب سے رہیرسل کا ٹائم پوچھ کر دیدی کو بول دو۔ میرے سامنے وہ اور رندھیر صاحب موٹر میں بیٹھے۔ اور ...

... وہ .... وہ کوئی بہانہ ڈھونڈنے لگا "وہ شاید گھر جاکر سو گئے۔"

"وہاں نہیں پہنچے۔ فون کیا تھا۔" منگلا جرح کرنے لگی۔

"تو ... تو .... پھر ...." وہ مجرموں کی طرح قائل ہو گیا۔

"وہ کہاں ملے تھے؟"

"وہ رندھیر صاحب کے ساتھ ..... رتیا دیوی کو کہانی سنانا تھی۔"

"رندھیر خود آٹھ بجے سے فون کر رہا ہے۔"

"تو .... دیدی میں ابھی جا کے دیکھتا ہوں ...."

"کوئی ضرورت نہیں۔"

"ٹیکسی کیئے لیتا ہوں، فون کر دوں گا۔"

"کہا نا تم سے، کوئی ضرورت نہیں۔" منگلا نے ڈپٹ بتائی اور کیشو گردن جھکائے کھسک لیا۔

وہ خاموش بیٹھی سپاٹ دیوار کو گھورتی رہی۔ پھر دبے پاؤں پنجوں کے بل چلتی گئی۔ ٹیلی فون اُٹھایا۔ ایک بار اور قسمت آزمانے میں کیا ہرج ہے؟

"ہلو" اُدھر سے کوئی بولا .... "بدکس کو مانگتا" لڑکھڑاتی ہوئی آواز آئی۔ پھر ایک نقرئی ہنسی کی جھنکار گونجی اور ٹیلی فون کا سلسلہ کٹ گیا۔

چند لمحوں تک وہ احمقوں کی طرح رسیور پکڑے بیٹھی رہی۔

کتنا سناٹا تھا ہیتی پچھلے پہر کیسا غافل سوجاتا ہے۔ پڑوس میں کسی بیوقوف نے کسی کا نل بند نہیں کیا تھا۔ کے گھنٹے سے یہ آواز اس کے کانوں میں برپا کر رہی تھی۔ اُس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا پہلی منزل سے زمین کوئی آٹھ دس فٹ ہوگی۔

دور کہیں املی کے پتے سسکیوں کی طرح چبوترے کی ٹھنڈی اینٹوں پر گر رہے تھے اور کوّوں کی چیخیں اُس کے دماغ میں بھر گئیں۔

۲

"دھرم جی..... اُٹھئے..... اُٹھئے تو۔" کوئی اس کا شانہ مسلسل پکڑ کر ہلائے جا رہا تھا۔ بڑی مشکل سے وہ کنوئیں کی تہہ سے اُبھر کر اوپر آیا۔ وہ ویسے ہی کپڑے پہنے صوفے پر آڑا پڑا ہوا تھا۔ درد کی ایک سلاخ دماغ میں گہری اور گہری اترتی جا رہی تھی۔

"دیدی..... ہسپتال....." کیشو کہے جا رہا تھا..... وہ ہڑبڑا کر ایک دم بالکل جاگ گیا۔

"کیوں کیا ہوا؟..... کیوں ہسپتال۔"

"ٹیلیفون کی گھنٹی پر..... ماں جی کی آنکھ اتفاق سے کھل گئی....."

دھرم نے اس کی پوری بات بھی نہیں سنی اور بھاگا۔

شام کو کہیں جا کے یقین ہوا کہ منگلا کی جان خطرے میں نہیں رہی۔ دھرم دیو ایک منٹ کے لئے بھی ہسپتال کے برآمدے میں پڑی ہوئی بنچ سے نہیں ہلا۔ اگر منگلا کو کچھ ہو جاتا تو وہ چپکے سے اُٹھ کر باہر چلا جاتا اور کسی موٹر کے سامنے آ جاتا۔ وہ اس کے بغیر ایک پل بھی جینے کو تیار نہیں۔ وہ خودکشی کے سینریو لکھتا۔ بناتا رہا۔ بڑی مشکل سے لوگ اُسے گھسیٹ کر گھر لے گئے۔

دوسرے دن منگلا کو گھر لے آئے۔ مگر ابھی اُسے ملنے کی اجازت نہ تھی سارا کام کاج، ایک طرف پھینک کے وہ منگلا کے برآمدے میں دھرنا دے کر بیٹھ گیا بھک

پیاسا اور گم سم۔ صبر و شکر کا مجسمہ۔ یہاں تک کہ دشمنوں کے دِل بھی پسیج گئے۔

جوں ہی منگلا کی طبیعت ٹھیک ہوئی دونوں کی شادی ہو گئی۔

ہوٹل کی ہزار بار اوندھی ہوئی چائے پینے والے کو اگر بڑے ہی نفیس نیلگیری کی پتیاں کیتلی میں دم کر کے ملیں تو اس چائے میں وسکی جیسا نشہ ہوتا ہے۔

دھرم دیو کی کہانی پر کام کرتے بیسیوں بار جہاں بلیتو آ پہنچا تھا۔ وہاں اوندھی ہوئی چائے سے بھی زیادہ اوندھی ہوئی چھوکریوں کا لنگر بھی بٹا کرتا تھا۔ مگر دھرم دیو کبھی اس لنگر سے سمجھوتہ نہ کر پایا۔ اس نے بہت اپنے دِل کو دھوکہ دینے کی کوشش کی بدمذاق آبرو باختہ لڑکیوں پر ایک رات کے لئے عاشق بھی ہونا چاہا۔ گرم اور بھنی ہوئی مرغی کے بل بوتے پر گرودیو کی گیتانجلی اور شرت بابو کی منجھلی دیدی پر تبادلۂ خیال بھی کیا۔ مگر اُن کی کھردری پھیکی ہوئی ہنسی نے ہمیشہ آنکھوں میں آنسو بھر دیئے۔

دیس دیو ہوٹل کی پُرسکون فضا میں منگلا کا پیار اور عبادت کا سا تقدس لئے ہوئے تھا۔ اِن حسین لمحوں کے بغیر وہ اب تک کیسے زندہ تھا۔ کیا حماقت ہے انسان اپنا کتنا وقت شہرت اور دولت کے پیچھے بھاگنے میں ضائع کر دیتا ہے۔ دھرم دیو نے بڑی سنجیدگی سے فیصلہ کیا کہ آئندہ وہ صرف ہنی مون ہی منائے گا ایک مسلسل کبھی نہ ختم ہونے والا ہنی مون۔

لیکن پانچویں روز سے ہی لوگوں نے اِن خلا میں کھوئے پریمیوں پر کمندیں پھینکنا شروع کر دیں۔ ہوشیار اور چابک دست ڈائرکٹر چھ دن کی شوٹنگ چار دن میں ختم کر سکتا ہے۔ کیا ہنی مون کے آٹھ دن کچھ تھوڑی سی ایڈیٹنگ سے سکیڑے نہیں جا سکتے۔ ساری عمر ہی پڑی ہے چومتے چاٹنے کو کوئی بھاڑے کا مال تو ہے نہیں کہ خان اُسے ایک نشست میں نمٹا گئے۔ دہلی۔ یو۔پی کے ڈسٹری بیوٹر انتظار کر رہے ہیں۔ جنوبی ہند سے جو چیک آیا ہے اُس کے بل بوتے پر خام فلم کا آرڈر بک کرنا ہے۔ اسٹوڈیو کی تاریخ طے کرنا ہے۔ اوّل نمبر اسٹیج بھر گھر جانے کا خطرہ ہے۔ وہاں ٹریفک جام ہو رہا ہے اور آپ ہنی مون منا رہے ہیں۔ آٹھ دن میں تو بادشاہتیں لوٹ پوٹ ہو سکتی ہیں۔ روز قمقمے محل ڈھے جاتے ہیں۔ زبانی نظمیں بنتی ہیں۔ اور بگڑ جاتی ہیں۔ یہ لائن ایسی نہیں کہ اسے کلیئر چھوڑ دیا جائے۔ ذرا سی غفلت سے پھنسی چڑیا اُڑ بھی سکتی ہے۔ کیا خبر کسی دوسرے کے جال میں جا پھنسے۔ آخر

کیتنی ہنی مون باقی رہ گئی ہے۔ایک سیٹ پر تھوڑا سا کام رہ جاتے تو پھر کٹ لگوا کر پورا کر لیتے ہیں۔ہنی مون ہی تو ہوا موت اور زندگی کا سوال تو ہیں۔

"میری مانو تو یہاں سے سیدھے ناگ پور چلیں۔بس وہاں املی کے پیڑ کے نیچے پیار کریں۔" دھرم دیو نے منگلا کو مشورہ دیا۔اس کی وجہ سے کیتنی فلموں کے گانوں کی ریکارڈنگ رکی پڑی تھی،چھٹے روز کچھ منچلے فوٹو گرافر اور جرنلسٹ دولہا۔دلہن کی تازہ ترین تصویریں لینے پہنچ گئے۔ان سے جان چھوٹی تو کیشو ڈاک کا تھیلہ اور پھلوں کا ٹوکرا لے کر آن دھمکا۔وہ دفعان ہوا تو ہنی مون کچھ کر کرا سا ہو گیا۔

شادی دھرم دیو کو راس آئی اور اس کا شمار فلم انڈسٹری کی قسمت بنانے والوں میں ہونے لگا۔پہلے بیٹے کی پیدائش پر جو فلم ریلیز ہوئی وہ سپر ہٹ ثابت ہوئی۔لوگ اس کے نام کی قسمیں کھانے لگے۔دھرم دیو کی پوجا شروع ہو گئی۔

دھرم دیو ٹیکنک

دھرم دیو ٹچ

دھرم دیو اسٹائل۔

"دھرم دیو مگھئی پان کا دلدادہ ہے۔" ورلی ناکہ کے پان والے کی دوکان ہٹ ہو گئی۔

"دھرم دیو جوہو ہوٹل میں بیٹھ کر اسکرین پلے تیار کرواتا ہے۔" جوہو ہوٹل میں کمرہ ملنا مشکل!

دھرم دیو کا درزی،آم والا،ناریل پانی والا،چاٹ والا،منگلا کا سنار،بنارسی ساڑیوں والا،چوڑی والا،اگر دھرم دیو کی ہٹ فلم کی ریلیز سے پہلے وہ اتفاق سے کہیں کیچڑ میں پھسل پڑتا تو تمام ہوشیار پروڈیوسر کیو بنا کر اس کیچڑ میں پھسلنے لگتے اور اس کی مٹی تبرک بن جاتی۔

شادی اور بچوں میں ڈوب کر منگلا نے کام چھوڑ دیا۔صرف دھرم دیو کی فلم میں گانے گاتی۔دوسرے بیٹے کی دفعہ منگلا کچھ بیمار ہو گئی۔اس لئے فلم کی ریلیز پر دھرم دیو اکیلا ہی دلی،کلکتہ،مدراس اور حیدرآباد کے ٹور پر گیا۔جہاں وہ جاتا ڈسٹری بیوٹر اس کے اعزاز میں ہنگامہ کھڑا کر دیتے۔فلمسٹار سے بھی کچھ بڑھ چڑھ کے پبلسٹی کی جاتی،لوگ اس کو گھیر لیتے۔شوقین لڑکے اور لڑکیاں شوہروں سے اکتائی ہوئی حسینائیں،بگڑے نواب۔

راجاؤں کی بگڑے دل لڑکیاں، اسکولوں کالجوں میں فیل ہونے والے طلبا، پیشے سے تنگ آئی ہوئی رنڈیاں سب یہی چاہتے تھے کہ جادو کی چھڑی سے وہ اُنہیں بھی آسمان پر پہنچا دے بمبئی ٹاکیز کے احاطے میں لگے املی کے پیڑ والے چبوترے پر بیٹھا ہوا وہ جھینپا اُتھرا یا کمسن لڑکا کب تک اپنا مقام نہ پہچانتا۔ اُس کی پسند اور ناپسند انڈسٹری کا ایمان بن گئی تھی۔ اُس نے جسے ہاتھ لگا دیا وہ سونا بن گیا۔

وہ ابھی تک وہ دن نہیں بھولا تھا جب وہ کامیاب نہیں ہوا تھا۔ ایک نازاشیدہ ہیرا تھا جو منوں مٹی کے بوجھ تلے دبا پڑا تھا۔ اُسے محنتی اور شوقین نوجوانوں سے ہمدردی تھی۔ اُس نے اپنے کئی اسسٹنٹ اوّل درجہ کے ڈائرکٹر بنا دیئے۔ گمنام لوگوں کو چمکا دیا۔ اگر اُس نے کسی کو اس قابل نہ سمجھا تو اس کا فیصلہ نصیب بن گیا۔ وہ کبھی نہ اُبھر پایا۔ اُس کے انتخاب پر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ اُس کا نشانہ اچوک تھا۔

دھرم دیو نے کچھ یوں ہی سا پڑھ پڑھا کر تعلیم چھوڑ دی تھی اور فلم کے چکر میں گھر سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ اُس کے دل میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے بڑی عزت تھی، مگر ایک عجیب قسم کی چڑ بھی تھی وہ ان کی بڑی بڑی ڈگریاں اور ادب کے میدان میں قدر و منزلت دیکھ کر بے حد مرعوب ہوتا تھا، لیکن فلمی سچویشن گڑھنے میں خود اس کی جیسی مہارت نہیں رکھتے تھے تو اس کی انا کو بڑی تقویت ملتی۔

وہ فلم کا اسکرپٹ لکھنے کے لے کسی بہت بڑی توپ کی ضرورت نہیں، بڑھی کا کام ہے۔ جو بھی ذرا سیدھی کیل ٹھونکنا جانتا ہے۔ بہترین کہانی بنا سکتا ہے؟" اور پھر وہ تو پارس پتھر تھا۔ سدھیر بڑی سیدھی کیل اُتار لیتا تھا۔ اُس کی کئی ہٹ فلمیں لکھ چکا تھا ہر وقت کا ساتھ اُٹھنا بیٹھنا۔ دوستی بھی تھی اور کام بھی مرضی کے مطابق ہو جاتا تھا، مگر دھرم دیو مشکل پسند تھا۔ ایک دن ویسے ہی کچھ چڑا ہوا سا بیٹھا تھا۔ بڑے بیہودہ بات میں دخل دینے کی پوزیشن پر پہنچے ہوئے تھے۔ اور دخل اندازی سے دھرم دیو کی شان کو بٹہ لگتا تھا کہ خود اس کی پوزیشن کوئی معمولی نہ تھی۔ حالانکہ ڈائرکٹر کی اہمیت دن بدن کم ہو رہی تھی، وہ ان گنے چنے ڈائرکٹروں میں سے تھا جن کی اب کی ساکھ بندھی ہوئی تھی۔ سدھیر ایک ایک سین دس دس مرتبہ لکھ چکا تھا، مگر دھرم دیو منہ بِسکار رہا تھا۔

"کچھ بات نہیں بنی مزہ نہیں آرہا ہے۔" وہ ہر سین سُن کر کہہ دیتا۔ وہ دن پہلے دو

بنگال کے ایک مشہور اسکرپٹ رائٹر سے ملا تھا، دماغ کچھ بلندیوں کی طرف پرواز کر رہا تھا۔

"آپ میری مجبوری پر غور نہیں کرتے۔ اصل میں یہ رول انڈسٹری کا کوئی ہیرو نہیں کر سکتا۔ میں ٹھوک پیٹ کر اس کے قد پر لباس فٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کوئی ڈھنگ کا ہیرو دیجئے۔ پھر آپ سین سن کر پھڑک نہ اٹھیں تو چوہڑ کی شہزادہ میری" ڈائریکٹر نے چکر دیا۔

"اب انڈسٹری کے باہر سے کسے لایا جائے۔ نیا لڑکا......"

"آپ خود یہ رول کیوں نہیں کرتے"

"اماں گھاس کھا گئے ہو"

"کیوں؟ آپ جتنا اس رول کو سمجھتے ہیں نہ کسی بڑے ہیرو کو اتنی دلچسپی اور نہ ہی کچھ زیادہ فٹ ہوتا ہے۔ یہ "ہی مین" (HE MAN) کا رول ہے۔ کسی ڈھیلے ڈھالے ہیرو کے بس کی بات نہیں۔ اور پھر ناک نقشے میں بھی رئیسانہ رعب داب ہونا چاہیے۔ ہیرو ہے تو راج کمار...... اور آپ کو کوئی پکچر بیچنے کے لئے ہیرو لینا نہیں، آپ کی پکچر ویسے ہی ہاتھوں ہاتھ جاتی ہے۔ پھر ان کی اوندھی سیدھی کیوں جھیلیں۔ ہیروئن تو آپ ہمیشہ معمولی ہی لیتے ہیں بس ساری مصیبت ہیرو کی رہ جاتی ہے"

"مگر......" مسکا کچھ کام کرنے لگا۔

"خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ دیکھئے راج کپور کس ٹھاٹ سے فلم بناتا ہے کیا بات ہے اس میں؟ کون سا بھفری لوگارڈ ہے۔ مگر دنیا دیوانی ہے۔ پوچھیے کیوں؟"

"اچھا ڈائرکٹر ہے اور......"

"اور رول اپنے اوپر فٹ کرواتا ہے۔ اسے سمجھتا ہے، پسند کرتا ہے اور نبھاتا ہے"

دھرم دیو اب ویسا نازک اندام تو نہیں تھا جیسے ہوا کرتا تھا جسم بھر گیا تھا۔ دیکھنے میں ذرا گول مٹول سا ہو گیا تھا۔ پھر بھی سمندری ڈاکو کے لباس میں کچھ مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ چہرے کی قدرتی ملاحت اور نرمی گل مچھوں اور مونچھوں سے بھی نہ دبی۔

فلم دھڑ سے گری، لیکن جو ڈسٹری بیوٹر اس کی اگلی فلمیں پہلے ہی سے خرید چکے تھے اور بھاری ایڈوانس بھر چکے تھے، انہوں نے اس فلم کو چپکے سے ہی دفن کر دیا۔

او ۔ ۔ ۔ تھی ایسی گاڑی کہ کچھ پتہ ہی نہ چلا اور جلدی سے دُوسری فلم کی دھوم دھام شروع کردی ۔ اس کا ہیرو بھی دھرم دیو تھا ۔ نہایت لچر سی بھونڈی کامیڈی تھی ۔ مگر گانے ایسے ہٹ ہوئے کہ شاید لوگوں نے آنکھ بند کر کے دیکھ لی اور ہٹ ہو گئی ۔ اور جو چیز ہٹ ہو جائے وہ جائز بلکہ لازمی ۔ ان دو تین غل غپاڑے کی فلموں سے وہ ہیرو تو بن گیا مگر صرف اپنی کمپنی کا ۔ باہر کوئی جوا کھیلنے کو تیار نہ ہوا ۔

بجائے باہر کے ہیرو کو پیسہ دینے اور اُس کے نخرے سہنے کے دھرم دیو نے فلموں میں سیکس اپیل بڑھا دی ۔ گانے ناچ ، مار دھاڑ اور چھوکریاں بھر دیں ۔ پبلسٹی چوگنی کردی ۔ پھر فلم کو خوب دھوم دھام سے اُٹھایا جاتا ۔ سینما میں گانوں پر پیسے پھنکوائے جاتے ۔ تالی مارنے والے بٹھائے جاتے ۔ یہی تالی باز جب کسی اور کی فلم ریلیز ہوتی تو وہاں ہوٹ کرنے پہنچ جاتے ۔

اس انڈر ہینڈ پبلسٹی کا انچارج کیشو بغیر پوچھے گچھے خود بن گیا تھا ۔ دھرم دیو کو تفصیل نہیں معلوم تھی ، کبھی تو اپنی لچر سی فلم کے ہٹ ہونے پر بڑی ناامیدی اور کوفت ہوتی ۔ پبلک کا مذاق کتنا بھونڈا ہے ۔ ہاں جہاں فلم ریلیز ہوتی وہ پبلسٹی کے لئے جانے میں کوئی عیب نہیں سمجھتا تھا ۔ اور ضرور جاتا تھا ۔ ڈسٹری بیوٹر وہاں بڑی شاندار دعوتیں اس کے اعزاز میں کرتے ۔

حیدرآباد میں اس کی نئی فلم کی ریلیز پر اُسے ایرپورٹ سے پھولوں سے سجی موٹر میں لایا گیا ۔ رقص و سرود کی محفلیں جمیں ، شراب پانی کی طرح لنڈھائی گئی ۔ اس نے ایک یتیم خانہ کا معائنہ کیا اور دس ہزار روپیہ کا عطیہ بھی دیا ۔ ایک حسن کے مقابلہ کی صدارت کی جس میں عین وقت پر عوام کے احتجاج پر شریف گھرانوں کی لڑکیاں غائب ہو گئیں ۔ صرف پیشہ ور خواتین آئیں ۔ ایک نئے سنیما ہاؤس کا افتتاح بھی بڑی شان و شوکت سے ہوا ۔ کوئی تیلگو فلم تھی ۔ ربن کاٹنے کے لئے ایک چاندی کی قینچی پیش کی گئی ۔ تیلگو فلم بے انتہا طویل تھی ، بیچ میں وہ اونگھ بھی گیا مگر ناچ لاجواب تھے ۔

خاص طور پر وہ ایک دُبلی پتلی لڑکی کو دیکھ کر تو وہ قطعی جاگ پڑا ۔

"یہ کون ہے ؟" اس نے کیشو کو مخبری کے لئے دوڑایا ۔

"مدراس کی کوئی لونڈیا ہے ۔ پہلے اسٹیج پر شو دیا کرتی تھی ۔ رتی بھر کام کی نہیں

ایک دم لکڑی کی طرح سوکھی" کیشو جانتا تھا دھرم دیو کو لا اُبالی قسم کی چھپکریاں پسند ہیں۔ اپنے گھر جیسی سوکھی ماری لڑکیوں کو کون دیکھنے آتا ہے؟ کھاتی پیتی ہیرو تن تھمتی ہے۔ بس مقدار میں ڈھیروں ہونا چاہیے۔ پھر دھرم دیو کو یاد آیا کہ ایک سانولی سوکھی سی لڑکی کو کسی نے انٹرویل میں ملایا تھا مگر اس نے نوٹس نہیں لیا تھا آگے بڑھ گیا تھا۔

"معلوم کرو ہے یا گئی؟" اُس نے کیشو سے کہا "ابھی تو یہیں تھی۔ فلم کے پریمیر پہ آئی ہوگی؟"

شو کے بعد جب ڈنر پر وہی لڑکی ایک کونے میں سہمی ڈری نظر آئی تو وہ اچھل پڑا۔

"وہ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ دیکھو، وہی ہے نا؟" اُس نے کیشو کی پسلی میں کہنی ماری۔

"کدھر؟" وہ چھاتی سہلانے لگا۔

"وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ موٹا سیٹھ ہے نا؟"

"یہاں تو ہر تیسرا آدمی موٹا سیٹھ ہے بوس!"

"ابے۔ وہ شوکیش کے پاس کچھ دیکھ رہی ہے۔ وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ارے وہ تو باہر جارہی ہے۔"

"ارے ہٹاؤ بوس، چھپکلی جیسی۔ ایک دم سوکھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" کیشو منہ بنانے لگا۔

لڑکی باہر نہیں گئی صرف جھانک کر لوٹ آئی۔ ہرنی جیسی ترسی ہوئی نظروں سے کسی کو مجمع میں ڈھونڈ رہی تھی۔ بادامی رنگ کی سبز کورہ کی ساڑی۔ بسنر میچنگ بلاؤز۔ ہیں وہ کچھ تھکی ہوئی اور بیمار سی لگ رہی تھی جیسے ابھی یرقان سے اُٹھ کر آئی ہو۔ وہ جسے ڈھونڈ رہی تھی وہ اب تک نہیں ملا تھا۔ اُس کی آنکھیں بڑے بڑے بھٹکتی ہوئی پل بھر کے لئے دھرم دیو کی آنکھوں سے جڑیں پھر جھپک گئیں اور وہ منہ موڑے سر جھکائے دوسرے کمرے کی طرف ٹھک گئی۔

مہمان خصوصی سے سب کا تعارف کرایا گیا۔

"یہ زرینہ جمال ۔ ۔ ۔ ۔" زرینہ جمال اپنے ہی جیسی مریل سی سفید ساڑی میں ملبوس ایک عورت کا بازو تھامے کھڑی تھی۔ شاید وہ اُس کی ماں تھی۔

"آپ کا ڈانس بہت اچھا تھا۔"

"ہی —" اس نے بچوں کی طرح دانت نکوس دیئے۔

"دانت ہموار ہیں۔" دھرم دیو نے اپنے موتی جیسے دانتوں پر زبان پھیر کر سوچا
"آپ کو ہندی آتی ہے؟" دھرم نے پوچھا۔
"جی نہیں۔"
"مگر ہندی بول جو رہی ہیں۔"
"جی یہ تو اردو ہے۔"
"اوہ!" دھرم دیو اس کی سیک ناک اور ہونٹوں کی بے ساختہ بناوٹ پر نظریں جما کر بولا۔ "وہ ایک ہی بات ہے۔"
"یہ میری والدہ ہیں۔"
"آداب عرض۔" دھرم دیو نے لکھنوی سلام جھاڑا۔
"نمستے!" ماں نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔
"آپ بمبئی کی فلموں میں کام کریں گی؟"
"کیوں؟" زرینہ نے احمقوں کی طرح کہا۔
اور دھرم دیو کچھ لاجواب ہو کر بے ساختہ ہنس پڑا۔ دوسرے مداحوں نے

اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی اور وہ ان کی طرف مڑ گیا۔
"آج کیا ہو گیا ہے بوس کو؟" کشو آپ ہی آپ کھول رہا تھا۔
دھرم دیو نے دوسرے دن صبح آنکھ کھلتے ہی زرینہ جمال کی ماں کے پاس پیغام بھیجا۔ فی الحال پانچ سو روپیہ مہینہ جب فلم شروع ہو گی تو ایک ہزار۔ دھرم دیو پروڈکشن سے پانچ سال کا کانٹریکٹ۔ بغیر اجازت باہر کام نہیں کرے گی۔ اور اگر کرے گی تو معاوضہ کا پچاس فی صدی کمپنی کو دینا ہو گا۔
"پانچ سو!" زرینہ جمال نے کالی کالی آنکھیں موندلیں اور کھن کھن ہنس پڑی۔
شام کو کانٹریکٹ ہو گیا۔ ماں بیٹیاں خاک نہ سمجھیں۔
"آپ جو مناسب سمجھیں۔" ماں نے روئی ہوئی آواز میں کہا "یہ بن باپ کی بچی ہے۔ ریڈی صاحب تیلگو فلم کے پروڈیوسر خاندانی دوست ہیں اپنی بچی سمجھتے ہیں۔"
دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ زرینہ اکتائی ہوئی ٹکٹکی چھت پر لٹکے فانوس کو تکنے لگتی کبھی قالین کے پھول گننے لگتی۔

"وہ کیا نام ہے اُس چڑیا کا؟" اُن کے جانے کے بعد دھرم دیو نے کیشو سے پوچھا۔

"چڑیا؟ کیسی چڑیا؟"

"وہ .... وہ ہوتی ہے نا ...... فاختہ!"

فاختہ؟" سنا ہے خلیل خاں فاختہ اُڑایا کرتے تھے۔ اس سے زیادہ کیشو نہیں جانتا تھا۔

"اس چھوکری کو دیکھ کر فاختہ یاد آتی ہے" دھرم دیو نے خود سے کہا۔ اور چاندی کی قینچی سے ناخن کترنے کی کوشش کرنے لگا۔

ویسی پرسانتا کروز ایرپورٹ پر پورا اشٹاف موجود تھا۔ دو چار ڈسٹری بیوٹرز بھی موجود تھے۔

"یار ایک رائے لینا ہے تم سے" سی۔پی کے ڈسٹری بیوٹر اگروال جی بڑی رازداری سے الگ لے جاکر بولے۔ ان کے ساتھ ایک بھڑکتی ہوئی چھوکری لگی ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے؟"

"کیسی رہے گی۔" انہوں نے بھڑک دار چھوکری کی طرف آنکھ ماری۔

"کون؟"

"تربینی ...... دھرم دیو"

تربینی نے نہایت شیرینی میں ڈوبی ہوئی آواز میں آداب کیا اور ڈھیروں کاجل لگی چھوٹی چھوٹی اندر کو گھسی آنکھیں پٹپٹانے لگی۔

"دیو کے ساتھ پردیپ کی پکچر میں ڈال رہا ہوں۔ یار تمہاری رائے ضروری ہے۔ تم لونڈیوں کو تولنے ناپنے میں ماہر ہو۔ کیسی رہے گی؟"

"اچھی رہے گی۔ کیمرہ مین سے پوچھو۔ میں کیسے بتا سکتا ہوں؟"

"اماں یار تم نہ بتاؤ گے تو سالا کیمرہ مین کیا بتائے گا" پھر قریب جھک کر کان میں بولے۔ "سیکس اپیل کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

دھرم دیو ہوں ہاں کر کے ٹالنے لگا۔ بھلا سیکس اپیل کے بارے میں کیا پتہ چل سکتا ہے۔ نہ جانے کتنی اصلی ہے کتنی نقلی!

"سو فی صدی جینوین مال ہے! اگروال جی نے چشم دید گواہ کی حیثیت سے یقین دلایا۔ وہ لیتے ہوا پنی نئی فلم کے لئے۔ سی پی کے حقوق تقسیم میرے......"

"دیکھیں گے۔" دھرم نے ٹالا۔

"تو چلو درسودا...... رندھیر کو بھی بلوائے لیتے ہیں۔ ذرا ہے ہے گی بار۔"

اگروال ٹھہرے تو رٹرز میں تھے۔ ایک کاٹج ترلنس کے لئے درسودا میں لے لی تھی۔

"یار بچے کی طبیعت نہیں اچھی...."

"اماں ہمیں سکھا رہے ہو۔ دانت نکل رہے ہیں بچے کے۔ ایک گلاس میں میں کون سی دیر ہو جائے گی؟"

مگر کبھی ایک گلاس شیطان کی آنت ہو جاتا ہے۔ ترمینی سمندر میں ڈبکی لگا کر آئی تھی۔ اگروال جی جھوٹ نہیں بول رہے تھے۔ ترمینی سر سے پیر تک جینوین تھی۔ بلکہ ڈگڈگی کی طرح اوپر سے نیچے اقراط۔ بیچ میں کمر ایسی کہ چھلے میں پرو تو۔ ایک فوٹوگرافر بھی ٹھبکتا ٹھبکتا آنکلا۔ وہ فوراً پوز دینے لگی۔ اُس کی اُنگلیوں کے بیچ میں ریت بھر گئی تھی جو بُری طرح کھٹک رہی تھی۔ اُس نے پیر دھرم دیو کی گود میں رکھ کر حکم دیا۔

"یہ دیکھو..... کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ دیکھو نا"

دھرم دیو دیکھنے لگا تو کیرے نے آنکھ ماری۔

کبھی ایک پیگ بھی شیطان کی آنت کی طرح لمبا ہو جاتا ہے اور دو چار لوگ آ گئے۔ جب صبح وہ گھر پہنچا تو صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ سوچا شاید منگلا روٹھ کر میکے چلی گئی ہوگی۔

"بے بی سک ہو گیا۔ اس کو اسپتال لے کر گیا۔" گورکھے نے بتایا۔

ہنی مون کے آٹھ دن کی رنگ رلیوں کے بعد کبھی اتفاق سے ہی میاں بیوی کا ملن ہو جایا کرتا تھا۔ دن رات کی شوٹنگ، ایڈیٹنگ، ادھر جگہ جگہ ریلیز —— اس کے باوجود منگلا پھر امید سے تھی۔ ابھی بلو دس مہینے کا تھا۔ کبھی وہ بھی مشغول تھی۔ روز ہی کوئی نہ کوئی رہبر سل یا ریکارڈنگ چلتی رہتی تھی۔ نیا دن نت نیا کرتا تھا۔ پر شادی کے بعد اُس کی حیثیت ایک شوپیس کی سی رہ گئی تھی۔

وہ دھرم دیو کی سجاوٹ کی چیز کی طرح اس کے پہلو میں رکھ دی گئی تھی۔

"ایرپورٹ سے کہاں چلے گئے تھے؟" جرح شروع ہوئی۔

"ایک ڈسٹری بیوٹر سے چیک لینا تھا۔ پےمنٹ رکا ہوا ہے۔ ریکارڈنگ کا۔" وہ بہانے بنانے لگا۔

"ورسوا میں کون سا ڈسٹی بیوٹر رہتا ہے۔"

"رہتا نہیں..... وہ اگروال جی نے..... کاٹیج لی ہے۔"

"تم سے منع کیا اُس اگروال سے نہ ملا کرو۔ دلال ہے مُوا! کون تھی آج اُس کے سنگ؟"

"کیسی باتیں کرتی ہو؟"

"پدما ہوگی۔"

"نہیں پدما نہیں۔"

"تو سبینا ہوگی۔"

"اُفوہ..... تم تو پیچھے پڑ جاتی ہو..... سبینا مدراس گئی ہے۔"

"مگر تھی تو کوئی ضرور..... کون تھی..... آخر بتاتے کیوں نہیں۔"

"وہ تھی..... کوئی کمبخت..... نام نہیں یاد آتا....."

"وہ جو دلی سے بھگا کر لایا ہے وہی موئی پھتیس۔"

"مجھے کیا معلوم کہاں سے بھگا کر لایا ہے۔ میں تو حیدرآباد......."

پیٹ کے بچے نے اُسے بے حد چڑچڑا بنا دیا تھا۔

"وہاں بھی ہوگی کوئی۔"

"ارے وہاں کوئی بھی نہیں تھی۔ تمہاری جان کی قسم۔"

"ہاں کھاؤ میری جان کی قسم کہ مروں تو عیش کی چھوٹ ملے۔"

"اچھا پوچھ لو کیشو سے۔"

"پوچھ لیا۔"

"ایں!..... تو......"

"ہاں، کہاں ٹھہرایا ہے۔"

"دماغ خراب ہوا ہے۔ وہ..... وہ تو......"

"کانٹریکٹ کیا تو سنگ لاتے ہیں۔"

"کیا اُوٹ پٹانگ باتیں لگا رکھی ہیں۔ کہاں ہے یہ حرام زادہ کیشو۔ آنے دو سالے کو۔" دھرم دیو لا جواب ہو کر بڑبڑانے لگا۔

"ہر بات میں شک کرتی ہو۔ ایک حد ہوتی ہے۔ بے کار کو غصّہ دلاتی ہو" "کیشو کو کیوں گالیاں دیتے ہو۔ اُس نے تو بلکہ یہ کہا کہ بالکل تھرڈ کلاس لڑکی ہے۔ سوکھی پیچکی۔" منگلا ذرا نرم پڑی

"نہیں جی تو ٹال دیں گے۔ بڑی بے وقوف سی لڑکی ہے۔ ماں بیمار ہے۔ باپ ہے نہیں۔" دھرم نے منگلا کو نرم پڑتے دیکھ کر حیدر آباد سے لائی ہوئی چیزیں سوٹ کیس سے نکال کر دیں۔ رہا سہا غصّہ بھی رفو چکر ہو گیا۔ وہ جھکا ہوا سامان نکال نکال کر اُس کے آگے ڈالتا جا رہا تھا۔ اور حیدر آباد ریلیز کی رپورٹ بھی دیتا جا رہا تھا۔

"منگلا نے تو ایک سپر ہٹ۔" سوٹ کیس کی تہہ میں وہ چاندی کی قینچی بھی پڑی تھی جو سینما ہال کی رسمِ افتتاح کے موقع پر اُسے پیش کی گئی تھی، وہ کچھ دیر اس کے دودھ جیسے سفید پھل دیکھتا رہا۔ پھر منگلا کی گود میں ڈال دی۔

ایک چیخ مار کر منگلا قینچی جھٹک کر کھڑی ہو گئی جیسے وہ چاندی کی کھُلی قینچی نہیں پھنپھناتا ہوا سانپ تھا جس نے اُس کے وجود کو ڈس لیا۔

"تم نے میری ہری بھری گود میں قینچی ڈال دی، یہ کوئی اچھا شگن ہے!" بڑی مشکل سے بہلانے پھسلانے کے بعد وہ قابو میں آئی۔

"ارے اس سے کچھ نہیں ہوتا پگلی۔" ایسی حالت میں عورتیں کیسی توہم پرست ہو جاتی ہیں!

"ہوتا کیوں نہیں ہے۔ قینچی کا شگن ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔ پتی پتنی کے بیچ قینچی چل جاتی ہے۔"

"تو اُٹھا کر پھینک دو۔"

"نہیں نہیں .... اصلی چاندی کی ہے۔"

"اچھا تو ایسا کرو۔ پوجا کے لئے اس سے پھول کاٹ کے لایا کرو سارا پاپ جل جائے گا، ہاں۔"

جب منگلا اُس کے بازو پہ سر رکھ کے سو رہی تھی تو اس پہ بے انتہا پیار آیا۔

واقعی اتنی لڑکیاں دن رات اُس کے گرد منڈلاتی رہتی ہیں، مگر کوئی بھی تو نہیں جچتی۔ جیسے منگلا نے اُس کے دل میں گھس کے اندر سے دروازے بند کر لئے ہوں اور اُوپر سے کنڈی چڑھا دی ہو۔

اور وہ احمق سی یرقان زدہ لڑکی بار بار کیوں کانٹے کی طرح دماغ میں چبھتی ہے۔ شاید اس کا نشانہ اس بار غلط بیٹھا۔ اُس نے غلط معاہدہ کر لیا ہے۔ تبھی اس کے بھیتر کا مکمل انسان اپنی حماقت پر پچھتا رہا ہے۔

مگر ایسا کیا اندھیر ہے۔ معاہدے سے غلط فہمی کوئی ایسی ناممکن بات تو نہیں۔

زرینہ جمال اپنی ماں کے ساتھ وعدے سے کچھ پہلے ہی آگئی۔ دھرم تو بھول بھی چکا تھا کہ وہ لوگ کب آنے والے ہیں۔ منگلا کو تار ملا اُس نے بہت چاہا کہ دھرم کو اطلاع دے مگر وہ کلکتہ ریلیز پہ گیا ہوا تھا۔ ماں بیٹی کو دیکھ کر اُسے ترس آیا۔ جو اس بافتہ ہانپتی کانپتی بڑھی بی اور اُجاڑ صورت ایکسٹراؤں سے بدتر کپڑے پہنے گم سم سی لڑکی۔ اُوپر کا کمرہ اب تک دھرم دیو کی کتابوں اور ریرا نے نامعلوم سے اٹا پڑا تھا۔ زرینہ نے تو بہت کہا۔ وہ زمین پر ہی سو جائے گی مگر اُس نے ایک پلنگ اور ڈلوا دیا اور فائیل وغیرہ بکس میں بھر کر مچان پر ڈلوا دیئے۔

"یہ جو پہا کیا فلم لائن میں ٹک سکے گی۔ پہلے ہی شاٹ پر رو کر بھاگ کھڑی ہوگی۔" منگلا نے اُسے دیکھ کر سوچا۔ بات چیت سے معلوم ہوا اُس کی کوئی رائے نہیں، فقط سب کچھ کراتی ہے۔ سو کرنا پڑے گا۔ تیلگو فلم میں کام کر چکی ہے۔ مگر تیلگو فلموں کا کیا۔ دوسری زبانوں کے فلم کچھ فضول سی مد لگتے ہیں۔

مگر یہ ان زہر کی پڑیوں سے ہزار درجہ بہتر رہے گی۔ دھرم اس کے چکر میں خاک پھنسے گا۔ اچھا ہے کوئی بھس بھسی ہیروئن مستقل ہو جائے تو دھرم کا جو جی ہر دم لگا رہتا ہے اُس سے نہ نجات ملے گی۔ منگلا نے دونوں کی بے انتہا خبر گیری کی۔ کمپنی کے خرچ پر ڈاکٹر بلوایا ورنہ تو وہ لرز رہی تھیں بیچاریاں۔ زرینہ تو مصر تھی کہ ماں کے لئے جو کھچڑی یا شوربہ پکے گا وہی کھائے گی۔ مگر منگلا اُسے زبردستی کھلاتی کہ زندہ تو رہو بیٹی۔ دھرم مصنوعی بھولے پن سے سخت نفرت کرتا تھا کبھی سیٹ

پر کوئی منچلی سیکس اپیل بڑھالاتی تو وہ فوراً اُسے میک اپ روم واپس بھجوا کر کوڑا کرکٹ نکلوا دیتا۔

ویسے سوکھی ماری ہے مگر چال میں ایک عجب رچاؤ ہے۔ گردن کیسی مورنی جیسی اُٹھاتی ہے۔ پُشت میں ذرا بھی کُبڑا پن نہیں۔ کمان کی طرح کھنچی رہتی ہے۔ ماتھا بڑا پیچ پیچ ہے۔ دھرم بال نوچنے کا قائل نہیں۔ مگر فلم سٹار بننے کے کوئی آثار نہیں۔ اگر ہوتے تو شاید خود منگلا کو اتنی پیاری نہ لگتی۔

وہ بڑی دیر تک اُسے بناؤ سنگھار رکھ رکھاؤ سکھاتی۔ کپڑے پیسج کر کے پہنتا۔ خود اپنے ہاتھ سے اس کے طرح طرح کے بال بناتی۔ پھر بڑے سلیقے سے ہلکا ہلکا میک اپ کر کے دیکھتی کہ واقعی وہ تو کچھ سے کچھ نکل آئی۔ اپنی ساڑھی بلاوز پہنایا۔ ذرا ٹانکے لگانے پڑے۔

"چلو کچھ تھوڑے سے کپڑے خرید لو...... میں تیار ہو کے تمھیں پکار لوں گی۔"

وہ جھٹ پٹ تیار ہوئی۔ زرینہ جب نیچے آئی تو منہ دھلا ہوا تھا۔ بال سپاٹ اور کپڑے سلیقے سے تہہ کرلائی تھی۔

"کپڑے پہنے ہی رہتیں ما اور میک اپ کیوں دھو ڈالا" اُس نے ٹوکا۔

"وضو کرنا تھا۔ اور کپڑے یہ کیا بُرے ہیں" اُس نے وضو کے معنی سمجھائے۔

"تو بھئی یہ آئی ہیں ہیروئن بننے اور ساتھ میں مالا جپتی چلی آرہی ہیں۔ منگلا کا جی اُداس ہو گیا۔ محفوظ قسم کی ہیروئن اُس کے نصیب میں نہیں۔ یہ تو ایکسٹرا ہی بن جائے تو بہت ہے۔"

"اماں نے کہا ہے کپڑے بہت ہیں۔ دو تولیاں لے آؤ" اُس نے دس روپے کا نوٹ نچا کر کہا۔

"تم پیسے کی فکر نہ کرو۔ میں نے تمھارے پیسے میں سے ایڈوانس لے لیا ہے۔"

"میرے پیسے؟" زرینہ جمال نے آنکھیں جھپکائیں۔

"تمھاری تنخواہ مہینہ کی پہلی تاریخ سے شروع ہو گئی ہے۔"

"مگر میں تو اٹھارہ کو آئی ہوں...... پہلی تاریخ تو بہت دور ہے۔"

"بڑبڑ بہت کرتی ہو تمھیں اُس سے کیا۔ میں جو کہتی ہوں...... چلو۔" منگلا نے ڈانٹا۔

دھرم دیو آیا تو منگلا نے زرینہ جمال کا ذکر کر کے اس کا دماغ چاٹ لیا۔

"اس کا ایک ڈانس ڈال دو۔"

"اپنے سر میں ڈال دوں۔ فلم تیار ہو گئی۔"

"تو کیا ایک ڈانس نہیں ڈال سکتے؟"

"کہاں ڈال دوں؟" دھرم چیخ پڑا۔ ڈسٹری بیوٹر بھی دبی زبان سے کہہ رہا تھا۔ کچھ تھوڑا سا مسالہ ہو جاتے۔

"اور گانا بھی تو چاہیے۔"

"وہ میری ٹھمری تمھیں بہت پسند ہے نا۔" پھول گیندوا"...... بس اسی پر بول لکھے جائیں گے۔ دادا کو فون کروں۔"

"ادھر آؤ....."

"کیا؟"

"پہلے ایک پیار دو۔" دھرم نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"دھت۔" وہ دہری ہو گئی۔

"تو پھول گیندوا کینسل....."

"رشوت دے کر راتوں رات گانے کے بول چپکائے گئے۔ ریہرسل ہوئی اور تیسرے دن ریکارڈنگ ہو گی۔ نواں مہینہ لگ چکا تھا۔ ساتھ ڈاکٹر بیٹھا تھا، مگر وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔ بہت دنوں بعد اُسے یوں کچھ کرنے کا موقع ملا تھا۔ اس کی ریہرسنگ پر دیسے بھی بڑی بھاگ دوڑ مچا کرتی تھی۔ اب تو معلوم ہوتا تھا امرجنسی آگئی ہے دادا منھ بنا رہے تھے کہ ایسے پورے دنوں میں سانس پھول جائے گی۔ مگر ریکارڈنگ کے بعد جب گیت سنا گیا تو اس میں اُس پھبتی نے اپنا سارا رس نچوڑ دیا تھا۔ بوجھل سانس سے دادا نے وہ کام لیا کہ معلوم ہوتا تھا کوئی رس بھتی جذبات کی شدت سے ہانپ رہی ہے۔

جب اُس نے زرینہ کو یہ خوش خبری سنائی تو وہ ایسے ہکا بکا رہ گئی جیسے اُس کے ساتھ انتہائی ظلم ہوا ہے۔ منگلا کچھ پھیکی سی رہ گئی، مگر ریہرسل میں اُس نے جان نکال کر رکھ دی۔

شوٹ تیار تھا۔ زرینہ جمال کا پہلا شوٹ۔ اس کی قسمت کا فیصلہ اسی پہلے شوٹ پر تھا کہ اس کی قسمت میں فلم سٹار بننا ہے یا پھر گمنامی کے غار میں اُترنا ہے۔ اگر یہ ڈائرکٹر کو ڈا ہو گیا تو؟

"ارے بھئی آخر دیر کا ہے کو ہو رہی ہے؟"

"وہ نہیں پہنتی" میک اپ مین بھنّایا ہوا آیا۔

"کیا نہیں پہنتی؟"

"ڈریس!"

"کیا؟" سارا اسٹوڈیو مجسم سوال بن کر رہ گیا۔ دھرم دیو کے سیٹ پر کسی کی اتنی مجال کہ عدول حکمی کرے۔ اور وہ بھی ایک گمنام سوکھی سی چھوکری۔

"اس سے کہو پانچ منٹ کے اندر ڈریس پہن کر سیٹ پر آجائے"

دھرم نے بڑے ضبط سے کہا۔

دس منٹ بعد میک اپ مین غصّے سے بھرا ہوا لوٹا۔

دھرم دیو جب میک اپ روم میں داخل ہوا تو زرینہ میک اپ کے اسٹول پر بیٹھی تھی۔

"یہ........ڈریس ٹھیک نہیں!" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اس کا فیصلہ تم نہیں کرو گی"

"پھر کون کرے گا فیصلہ؟...."

"جو بھی کرے تم...."

"تو وہی یہ ڈریس پہنے" اُس نے نہایت ڈھٹائی سے کہا۔

جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"جی....کہ......یہ ڈریس"

"تم نہیں پہنو گی"

"نہیں" اُس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

پھر شوٹنگ نہیں ہو گی"

"نہیں"

"جانتی ہو پھر تم کبھی فلم میں کام نہیں کر سکو گی۔ کم از کم بمبئی میں تو نہیں کر سکو گی۔"

"جانتی ہوں۔"

"مگر یہ ڈریس نہیں پہنو گی۔"

"نہیں۔"

پتہ نہیں اگر کوئی اور ہوتا تو دھرم دیو نے اُسے لات مار کر نکال باہر کیا ہوتا۔ اُسے اپنے تحمل پر تعجب ہو رہا تھا۔

"بتاؤ گی، کہ کیوں نہیں پہنو گی۔"

"یہ..... یہ بہت ننگا ڈریس ہے اور ڈریس مین کہتا ہے اس کے ساتھ دوپٹہ نہیں اوڑھنا ہے۔" اس کے آنسو بہنے لگے۔ "میں نے تو سُنا تھا دھرم جی کی فلمیں ان باتوں سے پاک ہوتی ہیں۔" اس نے ڈریس اُٹھا کر دکھایا "دو کتنی روئی ٹھونسی ہے۔"

"ہوں۔" وہ کھسیانہ رہ گیا "اچھا دوپٹہ ہو تو کام چلے گا۔" اس نے انسانیت سے پوچھا۔

"جی ہاں..... اور..... روئی؟"

"وہ بھی نکل جائے گی۔"

زرینہ جمال نے دانت نکوس دیئے اور میک اَپ درست کرنے لگی۔

دھرم دیو نے شوٹنگ اپنے اسسٹنٹ پر چھوڑ دی اور خود رندھیر کے ساتھ پیڈر روڈ والے فلیٹ میں نئی کہانی پر کام کرنے چلا گیا۔

۳

زرینہ جمال کے رقص نے فلم انڈسٹری میں دھوم مچا دی۔ دھرم دیو کے سب سے منہ چڑھے اسسٹنٹ ترویدی نے کچھ اس چابکدستی سے فلمایا کہ وہی سوکھی ماری چھپکلی جیسی چھوکری قیامت بن گئی۔ لوگ فوراً انگریزی کے چڑھ دوڑے مگر دھرم دیو نے سب کو ٹال دیا۔ وہ فلم جو ترویدی ڈائرکٹ کرنے والا تھا۔ فوراً سیٹ پر چلی گئی۔ اس میں ریتا کے ساتھ ایک لڑکے ایل کو سائن کیا تھا، مگر ریتا کے پاس اتنی ڈھیر ساری فلمیں ہو گئی تھیں کہ وہ ٹال مٹول کر رہی تھی۔ ویسے بھی ریتا ان دنوں بوکھلائی سی پھر رہی تھی۔ ورما جی نے اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ خاندان کے آنے کے بعد وہ پرانا رشتہ دم توڑ چکا تھا، مگر انہیں اس کی صورت دیکھے بغیر چین نہ پڑتا۔ ان کی اپنی فلم جس میں ریتا کے ساتھ انہوں نے رمی کو ہیرو لیا تھا کھٹائی میں پڑ گئی تھی۔ اور پروڈیوسر اُسے مفت چھونے کو تیار نہ تھے۔ ورما جی ریتا کو قابو میں رکھنے کے لئے اس کا رول بڑھاتے گئے۔ بس ہر وقت کیمرہ ریتا پر منڈلائے چلا جا رہا ہے۔ رمی بیچارہ کچھ دن تو ٹکر ٹکر دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں نے اُسے اونچ نیچ سمجھائی اور وہ سمجھ گیا۔ اب ہوا یہ ورما جی تو ریتا کا رول بڑھاتے اور ریتا رمی کا رول بڑھانے پر مُصر ہوتی۔ یہ وہی ریتا تھی جو کبھی ایک ایک کلوز اپ کا ڈبل معاوضہ پیشگی ادا کرنے پر مُصر رہا کرتی تھی۔ اب رمی کے کلوز اپ کے لئے ضد کرنے لگی۔ ورما جی تھک چکے تھے اور وہ جوان پٹھا تھا۔ ریتا سے سال دو سال چھوٹا ہوگا۔ بے انتہا طرار اور دلچسپ۔ ہمیشہ تو ریتا ورما جی کے بغل ہی میں بیٹھی ہلکارتی تھی۔ شانے دبا اور آ کر قدموں کے پاس بیٹھ گئی۔

"کیسا رہا شوٹ!" وہ ضرور پوچھتی۔

"جواب نہیں!"

"جھوٹ! میرا دل رکھنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔" وہ ان کے گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھ دیتی۔

مگر اب ٹھاٹ ختم ہو جاتا تو وہ رمّی کے ساتھ ویسے ہی کٹّی مٹّی کئے جاتی یا دونوں نہ جانے کدھر غائب ہو جاتے۔ ورماجی کا موڈ خراب ہو جاتا اور وہ اسٹاف کی ٹانگ لینے لگتے۔ شروع شروع میں انہیں شبہ بھی نہ ہوا مگر لو سین حد سے زیادہ طویل اور سنسر ہونے لگے تو ایک دم بدک گئے۔ یہ فلم انڈسٹری کا دستور ہے کہ اگر کسی ہیرو ہیروئن کی کنٹی نیوٹی مل جائے تو سب اسی جوڑے کو لے کر فلم بنانے لگتے ہیں۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کچھ ان کی عشق محبت پردۂ سیمیں پر بھی جھلک دکھائے گی۔ ایسے جوڑے بڑے ڈوب کر لو سین کرتے ہیں۔ دوسرے دونوں زیادہ سے زیادہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ہمارے سیٹ پر انہیں اس کا اچھا موقع ملے گا۔ زیادہ وقت دے سکیں گے۔ پریمیوں کا جوڑا بھی ساتھ ہی کام پر زور دیتا ہے۔ کبھی ایک دم بیچ میں دونوں کی کٹّی ہو جاتی ہے۔ اور لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔ ورماجی کو بھی باہر ریتا کے ساتھ دو تین فلمیں مل گئی تھیں، دو کی تو مہورت بھی ہو گئی تھی مگر جب ان کے کھچاؤ کی افواہیں اڑنے لگیں تو وہ بھی کھٹائی میں پڑ گئیں۔ بیوی پہلے ہی انہیں صرف بینک بیلنس کے سوا اور کچھ نہ سمجھتی تھی۔ بڑی بیٹی کے ہاتھ پیلے کرنے کا وقت آ رہا تھا۔ جب تک چیک کیش ہوتے رہے جھیلتی رہیں کہ مشرقی عورت کیا کچھ جھیلنے کی عادی نہیں۔ مگر جب اس حد کو بات پہنچ گئی کہ ایک ایک کر کے سب دروازے بند ہونے لگے تو وہ دو دھاری تلوار بن گئی۔ ریتا تو اپنے نئے بنگلے میں اٹھ گئی تھی اور ورماجی والے فلیٹ کا کرایہ دینے لگی تھی۔ جب حساب کتاب بیوی کے ہاتھ میں آیا تو اس نے فضول مدیں بند کر دیں۔ ریتا سے کہا بھی نہیں۔ ورماجی پر مکان دار نے دعویٰ کر دیا۔ ان کی حمیت نے گوارا نہ کیا کہ ریتا سے التجا کریں کہ نیک بخت تیرے کارن گھر بار چھوڑ کر آیا ہوں۔ اب واپس اسی گھر میں کس منہ سے جاؤں۔ کچھ مہینے دوستوں کے یہاں پڑے رہے۔ مگر بمبئی میں کسی کے ہاں کب گنجائش ہوتی ہے۔ اور ورماجی کے سارے گنجائش والے یار دوست کب کے کٹ چکے تھے۔ انہیں ریتا کی دیکھ بھال کے بعد فرصت ہی کہاں ملتی تھی اور پھر فلوپ فلمیں بنانے والوں کا ہٹ فلمیں بنانے

والوں کے ساتھ کیا رشتہ؟

ریتا کھیر، آرٹ فلم کی شوٹنگ پر گئی ہوئی تھی۔ ویسے بھی وہ کئی کئی دن نہیں ملتی تھی، نہ جانے کس ہوٹل میں باسی تباسی کھالیا۔ ورماجی کو شدید بدہضمی کا حملہ ہوا نبضیں چھوٹ گئیں۔ ہوی بحوتی کو خبر ہوئی تو وہ آکر انہیں سمیٹ لے گئے۔

بلو امنگل میں آغا حشر کاشمیری کا بڑے معرکہ کا سین ہے۔ جب سوروداس کی بیتی رچپتا سنی نائیکہ سے اپنے سہاگ کی بھیک مانگنے کے لئے آنچل پھیلاتی ہے۔ مسز ورما نے آنچل تو نہ پھیلایا اور وہ بھیک مانگنے کے موڈ میں تھیں۔ موقع پاکر انہوں نے ریتا کو گھیرا اور ورماجی کو یوں بیچ منجھدار میں چھوڑ دینے پر خوب آڑے ہاتھوں لیا۔

"دیدی ورماجی میرے گرو ہیں، وہ میرے بتا سمان ہیں۔ وہ جب شوٹنگ کے لئے حکم دیں میں حاضر ہونے کو تیار ہوں۔ مگر ان کی زبان تالو میں نہیں۔ فلم نہیں بکتی تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں اپنی ساری فلموں کا سودا انہیں سے کرواتی ہوں۔ میں نے ایک کوڑی بھی مانگی ہے؟"

"مانگنے کا منہ بھی ہے۔ منہ"۔ مسز ورما غرائیں۔

"نہیں دیدی۔ بھوکوں مرتی ہوں گی، تب بھی نہ مانگوں گی۔ میں ایسی احسان فراموش نہیں۔ چاہے بازار میں میری کچھ بھی قیمت ہو، میں آپ کی فلم میں مفت ہی کام کرتی رہوں گی۔ مگر دیدی آپ ہی انصاف کیجئے۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ساری انڈسٹری میرے بارے میں نہ جانے کیا الٹی سیدھی باتیں اڑائی ہیں:"

ایک دن شوٹنگ کے سلسلہ میں کچھ پانی میں ریتا اور رمی کو اترنا تھا۔ شوٹ کے بعد دونوں حسب معمول غائب ہوگئے۔ ریتا کے کپڑے اس قابل نہ تھے کہ جوان لڑکے کے ساتھ غائب ہونے پر پابندی نہ تھیں۔ ورماجی بوکھلا گئے اور جب وہ دونوں ایک دوسرے کے کپڑے نچوڑتے ہوئے جھاڑیوں میں پائے گئے تو انہوں نے وہ دُندمچا دیا کہ یہ چٹکلا انڈسٹری میں عرصے تک نمک مرچ لگا کر اڑایا گیا۔

"اچھا جی تو وہ بول انہوں نے کہہ دیئے تو تمہاری عزت پر بٹہ لگ گیا۔ جب سنگ فلیٹ میں رہتی تھیں تو کچھ نہیں تھا۔" لاجواب ہو کر مسز ورما اوچھے واروں پر اتر آئیں۔

"آپ نے گھر سے نکال دیا تھا تو پھر کہاں جاتی۔ کیا سڑک پر جا بیٹھتی۔"

وہ بڑے ضبط سے مسلسل اداکاری کر رہی تھی۔ دوسرے دن شوٹنگ کے وقفہ میں مسز ورما کو رگیدنے کا قصہ خاصہ پُرلطف رہے گا۔

ورما جی کو جب پتہ چلا کہ بیوی اُس فاحشہ کے گھر گئی تھی تو بہت برافروختہ ہوئے۔ "وہ کیا سمجھتی ہے حرام زادی۔ میں بنانا جانتا ہوں تو بگاڑنا بھی جانتا ہوں۔ اگر آج چاہوں تو انڈسٹری سے نکال باہر کردوں۔ ایکوں ایک کلوز اپ نہ کاٹ دوں تو بات نہیں۔"

ان دھمکیوں کو سُن کر رتنا ہنس ہنس کر زمیں پر ڈھے پڑی۔ وہ مزے لے لے کر ان بوڑھے جوخیلوں کا بڑی بے حیائی سے ذکر کرتی تو سب بے انتہا ٹھٹھے لگاتے۔

عجب اتفاق ہوا جس دن دھرم دیو کی فلم بمبئی میں ریلیز ہوئی اُسی دن منگلا کو اسپتال جانا پڑا۔ وہ ساری رات پرنٹ بھجوا رہا تھا۔ ریلیز کے بعد پتہ چلا سخت ہوٹنگ ہو رہی ہے۔ ہونٹوں کی جنبش اور الفاظ کا تال میل نہیں۔ دوسرے دن دہلی میں ریلیز تھی۔ دھرم دیو کا ایک پیر لیبارٹری میں دوسرا اڈیٹنگ روم میں۔ کئی دن سے پلک نہیں جھپکائی تھی۔ وسکی کے بل بوتے پر انجن چل رہا تھا۔ بار بار آنکھوں تلے اندھیرا آ کر دنیا گم سی ہو جاتی۔ دھرم دیو پاگلوں کی طرح ہر ایک پر برس رہا تھا۔ کسی جرنلسٹ سے جھڑپ ہو گئی۔ مارپیٹ تک نوبت آگئی۔ منگلا کے ہسپتال جانے کی اطلاع مل چکی تھی۔

وہ لیبارٹری سے نکل کر ہسپتال جا رہا تھا کہ رتنا کا ڈرائیور ہانپتا کانپتا آیا۔ رتنا شری ساؤنڈ اسٹوڈیو سے میک اپ کر کے نکل رہی تھی کہ ورما جی نے اس پر تیزاب پھینک دیا۔

"کون سے ہسپتال میں ہے؟"

"زیادہ نہیں پڑا۔ وہ ڈر کے مارے بنگلے میں نہیں گئیں۔ آپ کے یہاں اتر گئیں۔ مجھ سے کہا آپ سے کہہ دوں۔ بنگلے پر بھی فون کر دیا ہے۔"

گھر راستے میں ہی پڑتا تھا۔ دھرم نے سوچا دس منٹ کے لئے ہوتا چلے۔ اُسے دیکھ کر رتنا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دل پر دہشت بیٹھ گئی تھی۔ ذرا سی چھینٹ گردن پر پڑی تھی۔ دھرم نے فوراً پڑوس کے ڈاکٹر کو فون کیا۔ اُس نے کچھ دوا لگا دی اور آرام کرنے کو کہا۔

"پریمیئر پر جو جاتا ہے" رتیا نے سسکی بھری۔
"کیا ضرورت ہے۔ میں بھی تھوڑی دیر کو جاؤں گا"
"آپ جا سکتی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ خیر ہوگئی کہ نشانہ چوک گیا۔
ورنہ الیڈ بڑی خطرناک چیز ہے۔
"کون پاگل تھا؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔
"آ۔۔۔۔۔۔ کوئی۔۔۔۔۔۔۔۔ نامعلوم"
"یہ فلمی بھی دیوانے ہوتے ہیں"
ڈاکٹر کے جانے کے بعد دھرم دیو نے پوچھا۔
"کیا قصہ تھا؟"
"کچھ نہیں بس۔۔۔۔۔ پاگل کمینہ کتا۔۔۔۔۔۔" رتیا پھر پھوٹ پڑی۔
"میری زندگی اجیرن کر دی ہے۔ اپنی ناکامی کا بدلہ مجھ سے لے رہا ہے۔ کہتا ہے کسی کرم کا نہ چھوڑوں گا"

دھرم نے جو ذرا تسلی دینے کا تھپتھپایا تو وہ بالکل ہی بکھر گئی۔ جلدی سے اُسے تھوڑی سی برانڈی پلائی۔ تھوڑی سی خود بھی گلاس میں ڈال کر اُوپر سے برف کے ٹکڑے بھر دیئے۔ رتیا کی طبیعت کچھ سنبھلی اور وہ اپنی دکھ بھری کہانی سناتی رہی۔ اُدھر درما جی نے ناطقہ بند کر رکھا ہے ادھر رمی بکھرا جاتا ہے۔ بہت پینے لگا ہے اور پی کر ہاتھ پیر چلانے لگتا ہے۔ درما جی کے طعنے دے دے کر پنہ حسکینی کئے دیتا ہے۔

پیگ ختم ہو گیا تو دھرم نے ایک اُس کے لئے اور ایک اپنے لئے بھی بنا لیا۔ وہ اُسے سمجھاتا رہا۔ بیٹے کے پیدا ہونے کی خبر ہر جگہ اُسے ڈھونڈتی پھری۔ کسی کو خیال بھی نہ آیا کہ وہ گھر پر ہوگا۔ اُسے منگلا کا خیال ستانے لگا۔ کتنے ظالم ہوتے ہیں یہ بچے۔ کتنا دکھ دیتے ہیں۔ اُس کی ہدایت کے مطابق ڈاکٹر درد کے حملے کو سہنے کے لئے وقفہ سے کلورا فارم دے رہے ہوں گے۔۔۔۔۔ جب اینڈ صامیٹس کا اپریشن ہوا تھا تو اُسے بھی دیا گیا تھا۔ درد کے آرے کیسے آہستہ آہستہ ڈوب گئے تھے۔ پلکیں آپس میں ملیں، ماکئی دن کی بھری جھلائی نیند بھوکی شیرنی کی طرح حملہ آور ہوئی اور اُسے سدھ نہ رہی۔

اس کی بھابی کملا کمرے میں قدم رکھتے ہی ٹھٹھک کر رہ گئی۔ پھر جلدی سے

واسو کا بازو پکڑ کر اسے گھسیٹتی ہوئی ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ پھر "ہائے رام" کہہ کر لرزتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا؟" واسو پوچھ اُٹھا۔

"سو رہے ہیں۔"

"تو کیا ہو... ارے تو بھیا سے اب تک ڈرتی ہے۔ ارے بھئی بیٹیا ہوا ہے یہ وقت کوئی سونے کا ہے؟" وہ کمرے کی طرف چلا۔

"نہیں نہیں... سنو تو۔ جی" اس نے بڑی رازداری سے کہا "وہ... ...وہ بھی ہے۔ رتیا۔"

"رتیا؟" واسو سناٹے میں رہ گیا۔ کچھ آہٹ ہوئی دونوں چوروں کی طرح بھاگ کر بالکنی میں چھپے گئے۔ رتیا دبے پیر کمرے سے نکلی، وہ منگلا کا ڈریسنگ گاؤن پہنے تھی۔ جلدی سے واپس پلٹ گئی۔ واسو دیو کا چہرہ سرخ انگارہ ہو گیا۔ وہ تیزی سے فلیٹ سے باہر نکل گیا۔

"سنو جی...." کملا پیچھے دوڑی۔ وہ اس پاپ سے بھرے گھر میں ایک پل تنہا نہیں رہ سکتی تھی۔ جب وہ موٹر میں واپس جا رہے تھے تو رتیا نے انھیں کھڑکی میں سے دیکھا اور گم سم رہ گئی۔ ہائے یہ سب ہوا کیسے؟

دھرم دیو کرسی سے لڑھک کر اس کے اوپر کب ڈھے پڑا جب رتیا کی آنکھ کھلی تو وہ آدھا پلنگ پر تھا اور آدھا فرش پر۔ سوتے میں منہ کھل گیا تھا۔ اور رال بہہ رہی تھی۔ اسے بڑی زور سے گھن آئی۔ در باجی کی سوتے میں ہمیشہ رال بہا کرتی تھی۔ اتنے میں ڈرائنگ روم میں واسو اور کملا کے بولنے کی آواز آئی۔ وہ اسے آہستہ سے دھکیل کر اٹھی۔ اس کی ساڑی بری طرح مسل گئی تھی، اس نے منگلا کی ساڑی نکالنے کے لئے الماری کھولی۔ تب ہی اسے معلوم ہوا کہ واسو آ رہا تھا۔ اس نے کرسی پر پڑا ہوا منگلا کا ڈریسنگ گاؤن پہن لیا۔ جب واسو نہ آیا تو اس نے جا کر ڈرائنگ روم میں جھانکا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے اطمینان سے ساڑی نکالی، باندھ ہی رہی تھی کہ کھڑکی میں سے واسو اور اس کے پیچھے کملا بھاگتی ہوئی دکھائی دی۔

سارا ڈرامہ اُس کی سمجھ میں آگیا۔ ان لوگوں نے اُسے اور دھرم کو دیکھا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اُف زندگی میں ویسے ہی کیا کم اُلجھنیں تھیں۔ ورماجی.... ..... رمی اور اب یہ اِس لائن میں تو لوگ ہر بات پر یقین کر لیتے ہیں۔ اور اب رمی اور بھی خون تھکوائے گا۔ رمی جس کے بغیر زندگی خار خار تھی۔ اور سب سے بڑا کانٹا تو یہ ورما کا بچہ اُس کے حلق میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ کتنی بے وقوف تھی: بچپن ہی تو تھی ورماجی تو دیوتا سمان معلوم ہوتے تھے۔ محلہ کے چھچھورے لونڈوں کی طرح نہیں۔ نہ اس پاجی کیدار کی طرح جو ہمیشہ اُسے ترساتا ہی رہتا تھا اور چھوڑ کر بھاگ گیا۔ پھر ورما جی نے ہی اُس پر رحم کھایا۔ کہ ان سے پہلے تو وہ دھول پھانک رہی تھی۔ ورماجی تو چند دن تھے چند دن، اُس کا روم روم کھل اُٹھا...... واقعی؟

بہت سی باتوں میں انسان خود اپنے سے بھی سچ نہیں بولتا۔

نہیں اسے قطعی ان سے عشق نہیں تھا۔ اُس نے سُنا اور دیکھا تھا کہ وہ مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں۔ اور وہ سونا بننے کے لئے سب کچھ کر سکتی تھی۔ اسی لئے اُس نے مسز ورما کی موت کی دعائیں مانگی تھیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ مسز ورما بننا چاہتی تھی۔ بلکہ اس لئے کہ پھر وہ ان پر حکومت کر سکے گی۔ تب انھیں اسے فلم سٹار بنانا ہی پڑے گا۔ اس نے یہ بھی سُنا تھا کہ ورماجی نے بھونرے کی سی طبیعت پائی ہے۔ جب جی بھر جاتا ہے تو وہ دوسری نوخیز کلی پر جھک جاتے ہیں۔ کبھی وہ بے شک ڈرتی تھی کہ ورماجی کا اس سے جی بھر گیا تو وہ کسی دوسری کو چانس دے دیں گے۔ ...... مگر...... اس کے حلق میں تو وہ بھونرا نہیں جونک ثابت ہوئے۔ ایسے چمٹے کہ چھڑائے نہیں چھوٹتے۔

رتنا نے سوتے ہوئے دھرم دیو کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے ساری پہنی اور اپنی ایک سہیلی کے ہاں چلی گئی۔

جب دھرم دیو کی آنکھ کھلی تو ٹیلی فون کی گھنٹی بری طرح چیخ رہی تھی۔

"وہ بیٹا!" تھوڑی دیر تک تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کس کے بیٹے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس نے رندھیر کی پوری بات بھی نہیں سنی۔ ٹیلی فون پٹخ کر بھاگا۔

وہ بڑے زور کا مقابلہ ہے منگو... تم بیٹے پیدا کرو ہم ہٹ بنائیں۔"

"ناجی، ہمیں تو بیٹا چاہیے۔"

"اچھا اب کے بیٹا سہی، پھر ہم سپر ہٹ ہی بنائیں گے۔"
"بنا تے جاؤ ہٹ۔" اس نے رکھائی سے کہا اور منہ پھیر لیا۔
"کیا ہے منگلا...... ڈارلنگ۔"
"جاؤ پریمیر میں دیر ہو گئی ہے ویسے ہی۔" اس نے آنکھیں موند لیں۔
"منگلا کچھ خفا ہے۔" دل ہی دل میں سوچتا ہوا وہ تھیٹر پہنچا۔ لوگ پاگل ہو کر اس کی موٹر پر ٹوٹ پڑے اور پولیس کو لاٹھی چارج کرنا پڑا۔ پیٹھ پیچھے انڈسٹری کے لوگ اس کی ایکٹنگ کا مذاق اڑاتے تھے، مگر ہٹ کے بعد کون بول سکتا تھا۔ ویسے تو کرن دیوان اور پردیپ کمار ایکٹنگ کے نام لٹھ نہیں جانتے، مگر تاریخی ہٹ فلموں کے ہیرو ہیں۔

واسودیو اور کملا کچھ بجھے بجھے سے نظر آرہے تھے، دھرم کے فرشتوں کو بھی وہ سین یاد نہ تھا۔ جوان دونوں کے دماغوں کو داغ چکا تھا۔ ضرور کملا اور واسو میں جھگڑا ہوا ہے۔ اس کی کامیابی سے دونوں کے منہ اترے ہوئے ہیں۔ کملا نے طعنہ دیا ہوگا وہی کہ ایک بھائی آتا اور دوسرا اس کے ٹکڑوں پر پڑا ہے۔ ان رشتہ داروں کو کتنا بھی ساتھ گھسیٹو دماغ ہی نہیں ملتے۔ دھرم تو ئے بھائی ہیں، بس لوگ اسی سے مرعوب رہتے ہیں۔

"بیٹا مبارک ہو بھائی جی" کملا نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ شاید جل رہے ہیں دونوں کہ اس کے ہاں پھر بیٹا ہوا ہے۔ واسو کی پہلوٹھی کی لڑکی ہوئی۔ دھرم دیو کی طبیعت مکدر ہو گئی۔ اتنے میں زرینہ جمال اپنی ماں کے ساتھ دکھائی پڑی۔ وہ ایک دم چڑھ گیا۔ کیا تام جھام بن کے آئی ہے۔ اس لڑکی کو بھی بمبئی کی ہوا لگ گئی۔ بنارسی ساڑی اور اوپر سے لپ اسٹک! ایک ڈانس کیا دے دیا کہ پوری ہیروئن بن بیٹھیں۔ جی چاہا ابھی جاکر لپ اسٹک پونچھ دے۔

"آج سب مجھے جلانے پر تلے ہوئے ہیں۔" اس نے کبیدہ خاطر ہو کر سوچا۔ اتنے میں ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ ساری کوفت دور ہو گئی۔ ان تالیوں میں تو ایک فن کار کی جان ہوتی ہے۔ ان تالیوں کے عدم اور وجود سے وہ مرتا اور جیتا ہے۔ ان تالیوں سے تو من پرستا ہے۔ تجوریاں بھرتی ہیں۔ شاید یہ تالیاں کیشئر کے کرایہ کے ہاتھ بجا رہے ہیں۔ اور اگر یہ تالیاں نہیں بجتیں تو پروڈیوسر کے

بار، بج جاتے ہیں۔

ریتا اپنے چہیتے رمی کے ساتھ تھی۔ اس نے دھرم دیو کو کئی بار کنکھیوں سے دیکھا۔ سمجھ گئی ابھی بم نہیں پھٹا۔ فلم لائن میں کوئی راز ایسا نہیں جو طشت از بام نہیں ہوتا۔ اور اخباروں میں اُس کے پرزے نہیں اڑائے جاتے۔ پرزے اڑیں گے تب رمی اس کے پرزے اڑائے گا۔ کمسن محبوب کتنا ظالم اور نخرے باز ہوتا ہے۔ گھٹنے ٹکوا کر ہی دم لیتا ہے۔

جیسے وہ درباجی کو......

پریمیئر کے بعد وہ باہر نکلا تو دیکھا زرینہ جمال اور اس کی ماں ایک طرف کھڑی تھیں۔ کسی نے اُسے پہچانا تک نہیں۔ ایک دن پہچان جائیں گے تو اسے دیکھ کر باولے کتوں کی طرح زبانیں لٹکائے اس پر حملہ کر دیں گے۔

اس نے کیشو سے کہا انھیں اسٹیشن ویگن میں ان کے گھر چھوڑ دینا۔

۴

صبح اس کی آنکھ کھلی تو دِل دھک سے رہ گیا۔ اُس نے ساڑھے نو بجے تک منگلا سے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور نو بج چکے تھے، اب آدھ گھنٹے میں ضروریات سے فارغ ہو کر شیو کرے یا اخباروں کے ڈھیر میں فلم کے ریویو پڑھے۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وقت بچانے کے لئے اس نے ایک ہاتھ میں الیکٹرک شیور تھا، اور دوسرے میں اخبار اور کموڈ پر بیٹھ گیا۔ پھر اُسے اپنی حماقت پر غصّہ آیا۔ وہ اپنی بیوی بچے سے ملنے جا رہا ہے، اس کی بیوی، نصف بہتر اور اس کا پیارا بچہ۔ منگلو جانتی ہے وہ کس قدر تھکا ہوا ہے۔

ہسپتال میں مبارک باد دینے والوں کا جمگھٹا تھا۔ زندگی ایک مستقل مبارکباد بن کر اس پر سے نچھاور ہو رہی تھی۔

لوٹتے وقت اس نے ہیرے کا سیٹ منگلا کے لئے نانو بھائی جوہری کے ہاں سے لیا کہ شام کو دے گا۔ کلکتہ ریلیز پر جانے سے پہلے وہ منگلا کے پاس گیا تو ہار گھر ہی بھول آیا تھا۔ منگلا سے ذکر بھی نہ کیا۔

ریتا بھی کلکتہ جا رہی تھی۔ رتی سے اس کا پریمیر کے دن خوب جھگڑا ہوا تھا۔ ساری رات جنگ برپا رہی۔ ورما جی کی حرکت پر اس سے ہمدردی کرنے کے بجائے وہ گڑے مُردے اکھیڑ رہا تھا۔ ہاتھ پیر جوڑ کر اُسے کلکتہ چلنے پر راضی کیا۔ وہ کھسیانہ ویسے ہی ہو رہا تھا۔ لوگ ریتا کو دیکھ کر دیوانے ہوئے جا رہے

تھے۔ اُس کے آٹوگراف لے رہے تھے۔ اس کے ساتھ تصویریں کھنچوا۔ بے تھے۔ اُسے کوئی نہیں پہچان رہا تھا۔ وہ کیا بھنا شراب کے نشے میں دھت بور ہو رہا تھا۔

ہوٹل میں رمّی نے شراب پی کر اینگلو انڈین لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ کرنا شروع کردیا۔ اس پر ریتا کا موڈ بالکل آف ہو گیا۔ وہ دکھاوے کے لئے الگ کمرے میں ٹھہرا تھا مگر ریتا کے کمرے سے ملا ہوا اُس کا کمرہ تھا۔ پریمیر پر جانے کے سلسلے میں اور بھی تو تو میں میں ہوئی۔ دھرم نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا تو اُسے بھی دو چار سُنا دیں۔ مگر پھر فوراً معافی مانگی اور پیر پکڑنے لگا۔ خیر دونوں گلے ملے اور آئندہ فلم میں کام کرنے کے وعدے ہوئے۔ مگر سب نشے میں۔ موٹر میں پھر دونوں اُلجھنے لگے اور رمّی موٹر سے اتر کر چل دیا۔ ریتا کو بھی غصہ آگیا اور وہ چلا چلا کر اُسے ماں بہن کی گالیاں دینے لگی۔

انٹرول میں پھر نہ جانے کدھر سے آن پہنچا۔ اور بھی پئے ہوئے تھا۔ اس کی سیٹ پر کوئی ریتا کے مداح آن کر ڈٹ گئے تھے۔ رمّی بے توجہ ہو کر مڑ گیا۔ ریتا جلی بیٹھی تھی۔ اُس نے بھی خوب دھرم دیو سے چپٹ کر اِٹھلاتی ہوئی تصویریں کھنچوائیں۔ رمّی نے دال گلتے نہ دیکھی تو نہ جانے کدھر کھسک گیا۔ رات کو پریمیر سے واپسی پر ریتا دھرم دیو کے کمرے میں آکر چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اُس نے بمبئی ٹرنک کال بُک کر رکھی تھی۔ چلتے وقت منگلا چپ چپ سی تھی۔ کیا کچھ گڑبڑ تو نہیں ڈاکٹر اس سے چھپا رہے ہوں۔

ایک دم ریتا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ارے..... کیا ہوا؟"

"ہائے دھرم جی....." وہ اُس کے شانے سے لگ کر سسکیاں لینے لگی۔

ناحق اُس لونڈے کے پیچھے پریشان ہو رہی ہو۔ گولی مارو کمبخت کو" اُس نے سمجھایا۔

"گولی مارنے سے کام نہیں چلے گا..... آئی ام پریگننٹ!"

"یو..... یو آر واٹ؟" دھرم دیو اچھل پڑا۔ "اوہ ... مائی گوڈ"

دھرم نے اُٹھ کر دو گلاسوں کے تگڑے پیگ بناتے۔

"پرتم کیوں مرے جا رہے ہو، تمہاری فلم تو پوری ہو گی" رتیا نے طعنہ دیا۔

"دوسری جو سیٹ پر جا رہی ہے" دھرم دیو نے جھوٹ بولا۔ اس کا ارادہ قطعی رتیا کے ساتھ فلم بنانے کا نہیں تھا۔ ساتھ میں رتی کو لازمی طور پر لینا پڑے گا۔ وہ اتنا احمق نہیں جو ان گھسوں میں آجاتے۔ آج ملاپ کل لڑائی۔ پکچر کا ڈبہ گول۔

"دوسری کو ڈالو چولہے میں۔ یہاں جان پر بنی ہے اور تمہیں پکچروں کی پڑی ہے۔ مجھ سے کسی کو دلچسپی نہیں۔ میں مرجاؤں، خاک میں مل جاؤں بس ہٹ فلمیں بنتی رہیں۔"

"مگر وہ الو کا پٹھا گیا کہاں؟"

"گیا ہو گا کہیں اپنی اماں بہنا کے ساتھ" اچھے گھرانے کی لڑکی ایسے مزے سے بازارو گالیاں بک دیتی تھی کہ لوگ ہکا بکا رہ جاتے تھے۔

"لوگو کوئی حل سوچو میری مصیبت کا۔"

اتنے میں بمبئی سے کال مل گئی۔

"ہلو...... کیسی ہو منگل......" اس کا جل جاہ رہا تھا رتیا ھتیں غارت ہو تو وہ منگلا سے کوئی بہت پیاری سی بات کہے۔ اس نے رسیور پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔ "پلیز رتیا۔"

"تمہاری بلا سے میں چاہے مر جاؤں۔"

"کب آ رہے ہو؟" منگلا نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"تم لگی ہو نا بس تم...... تمہاری چہیتی بیوی...... بچے......" رتیا نے لمبی سی آہ بھری......

"صبح کے پلین سے دہلی...... پھر...... اوہ رتیا پلیز......

ہلو......"

"دہلی نہ جاؤ گے تو کیا دیوالہ نکل جائے گا" منگلا نے کہا۔

"سیٹیں بک ہو گئی ہیں۔ وہاں انتظار ہو رہا ہو گا۔ پریمیر ہے آخر......"

"بس پریمیر...... مہورت شوٹنگ...... ایڈیٹنگ...... اسی میں زندگی بیت جائے گی۔ تمہیں شادی کی کیا ضرورت تھی......"

اوہ مرمر کے تو یہ لڑکیاں شادی کرتی ہیں۔ پھر اُلٹے طعنے دیتی ہیں۔

"بھگوان...... میں ماں بننے والی ہوں!" رتیا نے اپنی کسی پرانی فلم کا مکالمہ

دہرایا اور ایک سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

"شٹ اپ رتیا۔"

"شٹ اپ حرام زادے..... کمینے۔" رتیا چنگھاڑی۔

"تم کس سے باتیں کر رہے ہو" منگلا نے پوچھا۔ "کون ہے تمھارے کمرے میں؟"

"رتیا ہے۔"

"رتیا..... تمھارے کمرے میں..... کیا کر رہی ہے۔"

"رو رہی ہے۔" دھرم دیو نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں..... میں..... مشہور فلم اسٹار رتیا دیوی..... نصیب کو رو رہی ہوں۔" رتیا پر خوب چڑھی ہوئی تھی۔ وہ رسیور پر جھک کر چیخی۔ "میں جنم جلی ابھاگن..... میں ماں بننے والی ہوں۔" اس نے رسیور چھننے کی کوشش کی۔

"ہو..... ہلو..... منگلا..... ہلو۔" مگر لائن کٹ چکی تھی۔ اس نے رتیا کو دور جھٹکا دیا اور پھر سے کال بک کرنے لگا۔ دھرم دیو کا دم گھٹنے لگا۔ منگلا کی خفگی کے خیال سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ جی چاہا رتیا کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے۔ خواہ مخواہ کڑھ رہی ہو گی منگلا۔ پچھلی دفعہ کی طرح دودھ خشک ہو گیا تو بڑی مصیبت ہو گی۔ مگر ایسی بات ہی کیا ہے۔ منگلا ایسی تو نہیں کہ اس پر کوئی ایسا ویسا شبہ کر بیٹھے۔

وہ تھوڑی دیر سر پکڑے بیٹھا رہا۔ صبح نو بجے ایرپورٹ پہنچنا تھا۔ جی چاہ رہا تھا بجائے دہلی جانے کے سیدھا بمبئی ہی چل دے، مگر پروگرام لوٹ پوٹ ہونے کا ڈر تھا۔ بڑے زور کے ریسپشن کی تیاریاں ہوں گی۔

"چلو رتیا اپنے کمرے میں۔"

مگر رتیا اڑ گئی۔

"ام تھو بھی رمی آگیا ہو گا۔"

"نہیں وہ نہیں آئے گا..... کبھی نہیں آئے گا۔ وہ چار لڑکیوں کے ساتھ گیا ہے۔" اس نے چار انگلیاں پھیلائیں اور گندی گندی تفصیلیں بیان کرنے لگی۔

"رات کے دو بجے ہیں......"

"ابھی تو دو لڑکیاں باقی ہوں گی۔" وہ دھرم کے گلے میں باہیں ڈال کر چلّھاڑنے لگی۔

"گھبراؤ نہیں ریتو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا ٹھیک ہو جائے گا۔ میرے پیٹ میں کلبلاتے کیڑے کا کیا ہو گا بس ایک ہی راستہ ہے۔ موت!" وہ پھر کسی فلم کے سیٹ پر پہنچ گئی۔

"پاگل نہ بنو......" وہ اُسے گھسیٹتا کمرے کی طرف لے چلا۔

"صبح سے پہلے اسے چھٹی نہیں ملے گی۔ بڑی لمبی ڈیوٹی ہے......

چھوڑ دو مجھے حرام زادے......" اُس نے دھرم کو دور جھٹکا اور کھڑکی کی چوکھٹ پر چڑھ گئی۔

کیا کرتی ہے پگلی؟" اُس نے ریتا کو پکڑ کر بیڈ پر بٹھا دیا۔ اتنے میں ٹرنک کال مل گئی۔

"میں جینا نہیں چاہتی......" وہ پھر کھڑکی کی طرف لپکی اور چوکھٹ پر چڑھ گئی۔

"ہلو......منگلا......ارے" وہ ٹیلی فون پھینک کر لپکا۔

"مجھے مرنے کیوں نہیں دیتا حرام زادے" وہ چنگھاڑی۔ "مجھے چھوڑ دے ظالم......"

ایک ایک کر کے ہوٹل کے کمروں میں بجلیاں جلنے لگیں۔ کوئی دھرم دیو کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔ ریتا جنگلی بلی کی طرح اُس کا منہ نوچ رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اُس نے ریتا کو زمین پر گرایا۔ لپک کر دروازہ کھولا اور لپک کر واپس اسے دبوچ لیا۔

جب کیشو، رندھیر، ہوٹل کا مینجر اور چند ادھر اُدھر کے تماش بین داخل ہوتے تو انہوں نے دیکھا ریتا اور دھرم ایک دوسرے میں اُلجھے ہوئے قلابازیاں لگا رہے تھے۔ سب نے ریتا کو دھرم دیو سے بھیڑ میں لپٹتے چپٹتے دیکھا ہی تھا۔ رتی سے بھی اُس کے جھگڑے کی بات سب پر عیاں ہو چکی تھی۔ سوائے کیشو کے کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ دھرم کی حیثیت اُس ڈرامے میں در و دیوار سے زیادہ نہیں

جن سے یہ بخت ریتا اپنا منہ پھوڑ رہی ہے۔

جب لوگ تڑپتی بلبلاتی ابلا کو لے گئے تو دھرم کی نظر پھانسی پر لٹکے ہوئے رسیور پر گئی۔ لائن ابھی تک کٹی نہیں تھی۔

"ہلو.... ہلو منگلو...." وہ ہانپا

ادھر سے صرف ایک ادھوری سی سسکی ابھری اور لائن کٹ گئی۔

وہ بڑی دیر تک رسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ پھر اس نے مردہ رسیور رکھ دیا۔ بوڑھوں کی طرح گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اٹھا۔ وہسکی کا گلاس بھرا اور غٹ غٹ گیا۔ پھر قالین پر بیٹھ گیا۔ دونوں ہاتھوں سے پیر پکڑ کر آگے پیچھے جھوم جھوم کر سسکیاں بھرنے لگا۔

بچپن میں جب اس کی ماں غصہ ہو کر اسے اکیلے کمرے میں بند کر کے باہر سے کنڈی چڑھا دیا کرتی تھی تو وہ اسی طرح زمین پر پھسکڑا مار کر بسورنے لگتا تھا۔

صبح جب وہ ایرپورٹ جا رہا تھا۔ تو اس نے دیکھا ریتا بجی سجائی لاونج میں بیٹھی ہے۔ رمی اسے نارنگی کی پھانکیں چھیل چھیل کر کھلا رہا تھا اور وہ تتلا تتلا کر اس سے پیار کی باتیں کر رہی تھی۔

رات ضرور اس نے کوئی ڈراونا خواب دیکھا تھا

بمبئی پہنچ کر اس نے سب یار دوستوں کو ٹال دیا۔ سیدھا گھر پہنچا۔ سامنے برآمدے میں کیشو اگروں بیٹھا تنکے سے زمین کرید رہا تھا۔ وہ اور رندھیر رات کے پلین سے پہنچ گئے تھے۔ اسے دیکھ کر وہ لپکا۔ دھرم دیوا ترنے لگا تو وہ دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

"منگلا اسپتال سے تو آگئی نا کیسی ہے؟"

"اچھی ہیں۔ دفتر چلو" اس نے ڈرائیور سے کہا۔

"ارے کیا بات ہے؟" دھرم دیو ٹھٹھک گیا "ٹھہرو" اس نے ڈرائیور سے کہا۔

"کچھ نہیں.... چلو تو دفتر۔"

"کیوں؟"

"گھر میں تالا پڑا ہوا ہے!" اس نے چپکے سے کہا۔ حالانکہ ڈرائیور کو سب معلوم تھا۔

"خیریت تو ہے؟" اس نے ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کیا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔"

"کیشو!"

"اب میں کہتا ہوں ایسی گھبراہٹ کی کیا بات ہے۔ مدراس کے ڈسٹری بیوٹر کا صبح فون آیا تھا۔ میں نے اُنھیں دو بجے کا ٹائم دے دیا ہے۔ بس آتے ہی ہوں گے"
کیشو ادھر اُدھر کی ہانکنے لگا۔

"یہ کیا..... اُمحد" وہ ضبط کرکے ناخون کاٹنے لگا۔ اسے کیشو کی اس لیپاپوتی سے بڑی چڑ تھی۔

"کہاں گئی ہیں؟" اس نے دفتر میں پہنچ کر بے تابی سے پوچھا۔

"مائیکے، اور کہاں جاویں گی"

"مگر....."

"میں نے بہت سمجھایا مگر وہ تو مجھے آپ کا چمچہ سمجھتی ہیں۔ واسو اور کملا نے انہیں سب بتا دیا۔ پھر اس روز ٹرنک کال پر تو غضب ہی ہو گیا۔ دیدی کو نٹ پڑ گیا۔ تمام میں کھلبلی مچی ہوئی ہے"

"کملا اور واسو نے کیا بتا دیا؟"

"اس دن.... جب ورما جی نے ایسڈ پھینکا تھا تو آپ اُسے ساتھ لے آئے تھے۔ کمرے میں اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا"

"ایں؟"

"جی؟"

"مگر..... بڑا گدھا ہے یہ واسو کا بچہ....."

"اب دیکھو زیادہ گڑبڑ مت کرو۔ خود ہی تو کہتے ہو کہ بزنس اور رومینس کو گڈمڈ نہیں کرنا چاہیے"

"ابے سالے کیا بک رہا ہے۔ تو جانتا ہے میرا اور ریتا کا کوئی گھپلا آج تک نہیں ہوا"

"میں تو جانتا ہوں بابا۔ پر میں تمھاری بیوی تو نہیں ہوں۔ وہ تو عورت ذات ہے اور سچویشن ایسی بگڑ گئی ہے کہ بنتہ پانی ہو جائے گا ثبوت دیتے دیتے"

"میں کوئی ثبوت دبوت نہیں دوں گا۔

"مگر دیدی کا بھی دوش نہیں۔ واسو اور کملا نے انھیں کیوں تپایا کر رتیا بیڈ پر لیٹی تھی۔"

"تو اس میں کون سا غضب ہو گیا۔"

"اور آپ...... اور...... "کیشو بد ذاتی سے مسکرایا۔ "کملا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ میری کون سنتا ہے۔ مجھے تو دیدی نے باہر نکال دیا۔"

"تو رتیا تپا دے گی۔"

"وہ تو اس نے ٹرنک کال پر کلکتہ میں ہی تپا دیا تھا۔"

"کیشو بلو کی سوگند...... میں"

"میں جانتا ہوں جی، مگر بچے کو اس گند میں نہ گھسیٹو۔ بابو یہ فلم لائن ہے۔ یہاں سب چلتا ہے۔ سب فلم لائن کے مٹے سے ناپے جاتے ہیں۔" اتنے میں اسٹاف کے لوگ آ گئے اور بات وہیں گھٹ گئی۔

دھرم دیو سسرال پہنچا وہاں ہر شخص کا منہ پھولا گیا۔ منگلا کیا رو ٹھی سارا کنبہ روٹھ گیا۔ اپنا سگا بھائی کتر اکر نکلا جا رہا ہے۔

منگلا تھی بھی بے انتہا شکی مزاج۔ کبھی بات ادھر کی ادھر ہو جاتی تو جان کو آ جاتی۔ اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔

"تم تو کہتے تھے ایڈیٹنگ کرنا ہے پھر جوہو کیوں چل دیئے۔"

"اور سنز والے ڈسٹری بیوٹر سے ملنا تھا۔"

"بس ہوٹلوں ہی میں ملنا ہوتا ہے۔ یہ کمبخت دفتر کی پھر کیا ضرورت ہے، ہاں وہاں ننگی چھوکریاں جو نہیں ناچتیں۔ جونہی وہ گھر سے روانہ ہوتا وہ اس کا پیچھا شروع کر دیتی۔ آفس پہنچا کہ نہیں۔ جگہ جگہ فون کرتی۔ جب وہ واقعی کام میں مشغول مل جاتا تو چور سی رہ جاتی۔

"کیا قصہ ہے؟ جگہ جگہ فون کر رہی ہو۔ کیا سمجھتی ہو کسی رنڈی کے ہاں مجرا سن رہا ہوں۔" وہ چڑ جاتا۔

"ارے واہ، بلو یاد کیے جا رہا تھا۔ گھنٹہ بھر سے ڈیڈی ڈیڈی کی رٹ لگا رکھی ہے۔" وہ فوراً بچوں کی آڑ میں دبک جاتی۔ دھرم پگھل جاتا۔ کیسی بدنصیبی تھی اُسے بچوں کو پیار کرنے کے لئے بھی چھٹی نہ ملتی تھی۔ کئی کئی دن تو صورت بھی دیکھنے کو

نہ ملتی۔ صبح وہ اُٹھتا تو بچے ہوا خوری کو چلے جاتے۔ رات کو واپس لوٹتا تو سوتے ہوتے۔ اُسے کتنا ارمان تھا اپنے بیٹے کو دودھ پلانے کا اُسے اپنے ساتھ سُلانے کا۔ واسو چھوٹا تھا تو دھرم اور وہ ساتھ سویا کرتے تھے۔ کبھی وہ ضِد کرنے لگتا۔

"بلو کو میرے پاس لٹا دو۔"

"ابھی سویا ہے جاگ گیا تو رونے لگے گا۔" منگلا ٹال دیتی۔ وہ خود اس کی بھوکی ہوتی تھی۔

"کچھ دن یہاں رہ لے گی تو کیا اندھیر ہو جائے گا؟" منگلا کی اماں بولیں۔

"آپ ہی وہاں چلی چلیں۔"

"میں کہاں سارا گھر بار چھوڑ کے جاؤں؟"

"تو وہاں بھی تو گھر بار ہے۔" اُسے ڈھنڈ بار گھر کے خیال سے وحشت ہونے لگی۔ "دوسرے جانا ہے نا۔"

"کہاں جانا ہے۔"

"کل رسیپشن ہے۔ رتیا اور رمیّ کی شادی کا۔" اُس نے گپ ماری۔ منگلا کان لگا کے سُننے لگی۔

"شادی ہو گئی۔ کب؟ کہاں؟"

"شادی تو دہلی میں چُپ چپاتے ہو گئی۔" وہ دلیری سے جھوٹ بولتا گیا۔

گھر جاتے وقت وہ موٹر ہی میں جرح کرنے لگی۔

"رات گئے اُس دن تمہارے کمرے میں کیا کر رہی تھی؟"

"میرے کندھے پر آنسو بہانے آئی تھی۔ رمیّ سے جھگڑا ہو گیا تھا۔"

"پھر؟...... کیسے راضی ہُوا؟"

"تو نے مجھے بہت ستایا بھوتنی۔" دھرم نے منگلا کو گھسیٹ کر اُس کے ہونٹ چوم لئے۔ "جی چاہتا ہے تیرا مُنہ توڑ دوں۔"

"ہوں ہوں۔" منگلا نے ڈرائیور کی طرف اشارہ کیا

"آخر پھانس ہی لیا رتیا نے اُسے۔" اور دھرم ، یہ دل میں ہنسنے لگا کہ اگر بھوٹ کھل گیا تو؟

"پیٹ سے ہے رتیا؟"

"وہ کہتی تو ہے۔"

"پری پیچھو، بچّہ ہو گا۔" منگلا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

گھر پہنچ کر سب سے پہلا کام دھرم دیو نے یہ کیا کہ کیشو اور رندھیر کو طلب کیا اور تینوں رتیا کے سر پر جا سوار ہوئے۔

"وہ شادی ہو گی اور آج رات ہی ہو گی۔" اُس نے الٹی میٹم دیدیا "ورنہ لاشیں پڑ جائیں گی۔"

"ارے واہ کیا گھاس کھا گئے ہو، کوئی گڑیا گڈے کا بیاہ ہے جو آج ہی ہو جائے۔ انتظام کرنا ہے۔ کوئی مذاق ہے۔"

کل تک رتیا شادی کے لئے بلبلا رہی تھی آج نخرے ہونے لگے۔ کیشو اور رندھیر نے منگلا کو سمجھایا کہ یہ دکھاوے کی شادی ہے۔ اصلی دہلی میں ہو چکی۔

کیا دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ نہایت شاندار ریشمی رقعے چھپے۔ ڈلہن سب شوٹنگ وغیرہ چھٹک کر مایوں بیٹھ گئی۔ ساری انڈسٹری کی بہو بیٹیاں جمع ہوئیں۔ اُبٹن لگا، مہندی رچی۔ بنگلا قمقموں اور رنگین جھنڈیوں سے جگمگا اُٹھا۔ پھاٹک پر نوبت بج رہی تھی۔ لگن منڈپ زرتار لڑیوں اور پھولوں سے لدا ہوا تھا۔ پھیرے پڑے۔ وہی پروڈیوسر ڈائرکٹر اور آرٹسٹ جو برات میں آئے تھے دُلہن والے بھی تھے۔ دُولھا پھولوں سے لدا پھندا گھوڑے پر سوار ہو کر بینڈ باجے کے ساتھ بارات لے کر چڑھا۔ حیدرآباد سے خاص طور پر نظام کے توشہ خانہ سے جھلا جھل کرتی پینس منگوائی گئی تھی۔

جب دھرم دیو نے کنیا دان کیا تو منگلا کے آنسو چھلک پڑے۔ شاید جی بھر آیا ہو گا۔ مگر بعض لوگوں کا یقین تھا کہ اپنی زندگی کی راہ سے خطرہ ٹل جانے کی خوشی میں آنسو چھلک آتے۔ رخصتی کے وقت جب "کاہے کو بیاہی بدیس" نلم لائن کی بہترین آوازوں سے اُٹھایا تو دُلھن کی چیخیں نکل گئیں اور کوئی آنکھ ایسی تک نہ تھی جو چھلک نہ اُٹھی ہو۔ رتیا اپنے پرائے سے ایسے گلے مل مل کر دہاڑی جیسے وہ واقعی ہزاروں کوس بیاہ کر جا رہی ہو۔ سب نے اُسے تحفوں سے لاد کر رخصت کیا۔ ان میں ڈسٹری بیوٹر اور پروڈیوسر بھی تھے۔ میک اپ

مین اور ڈریس انچارج بھی تھے۔ وہ جنہوں نے اس سے لاکھوں بنائے تھے اور وہ بھی جنہوں نے برے دنوں میں اُس کی ناک بھی رگڑی تھی۔ آج سب براتی تھے۔ برات گشت کر کے واپس لوٹ آئی کہ اب یہ بنگلہ ہی دُولھا کا تھا۔ دُلہن دُولھا کے لیے ایک کمرہ لڑکی بالیوں نے سجا کر تیار کر رکھا تھا۔ میرحکر آرٹ ڈائرکٹر نے اس میں دھرم دیو کے اسٹور میں سے لاکر کانچ کے قمقمے اس چابک دستی سے سجائے تھے کہ پرستان کے کسی حجلۂ عروسی کا گمان ہوتا تھا۔

جب لڑکیاں قہقہے مارتی رمّی کو لائیں اور کمرے میں بند کر کے چٹخنی چڑھا دی تو وہ ریتا کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ وہ شرمائی لجائی گٹھڑی بنی مسہری پر بیٹھی تھی۔ ایسی ریتا کو تو اس نے خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ تو اُس کے حملوں کو وصول کرنے کا عادی تھا۔

ڈرتے ڈرتے اُس نے گھونگھٹ اُٹھایا۔ ریتا مہندی لگے ہاتھوں سے منہ چھپا کر اور جھک گئی۔ بڑی مشکل سے اُس نے ہاتھ ہٹائے تو ریتا کی نرگسی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ اُس کے معصوم چہرے پر کس بلا کا کنوارپن تھا کہ رمّی کو پھریری آگئی۔

۵

منگلا، دیجوں کے بعد بھی کئی ہیروئنوں سے زیادہ لچک دار اور نازک تھی۔ اس کی آواز کا جادو تو ملک بھر میں چھایا ہوا تھا، مگر ایکٹنگ سے وہ بہت خائف تھی۔ نہ جانے کس نے یہ تجویز پیش کی کہ بنگالی کہانی کے لیئے اس سے بہتر لڑکی نہیں مل سکتی۔ اس کی باوقار شخصیت رول کو چار چاند لگا دے گی۔ منگلا نے صاف انکار کر دیا اور دھرم نے بھی زور نہ دیا۔

زرینہ کی فلم کے سوا اور سیٹ پر کوئی فلم نہ تھی۔ اتنی چھوٹی سی فلم کے بل بوتے پر کیسے گاڑی چلے گی۔ سب نے بہت کہا مدھو بالا یا نمی کو لے کر فوراً فلم شروع کر دی جائے، مگر نہ جانے دھرم کو کیا ہو گیا تھا۔ حال ہی میں کہانی کے سلسلے میں اتنی بنگالی اور مراٹھی فلمیں دیکھی تھیں کہ کوئی چیز جمتی ہی نہیں رہی تھی۔ انھیں دنوں بمبئی میں بیرونی فلموں کا ایک میلہ ہو رہا ہے۔ دھرم نے کچھ اٹلی اور فرانس کی شاہکار فلمیں دیکھیں اور انھیں دل دے بیٹھا۔ ایک دم اسے محسوس ہوا وہ اب جو بھی فلم بنا چکا ہے، سوشل اور اسٹنٹ فلموں کا مجموعہ تھے۔ کوئی فلم اس قابل نہ تھی کہ کسی مہذب ملک میں ہندوستانی فلم انڈسٹری کا نمائندہ بنا کر بھیجی جا سکے۔ اس نے بڑی تندہی سے ایک واقعی اچھی کہانی کی تلاش شروع کر دی۔

بڑی دلچسپ ہوتی ہے یہ کہانیوں کی تلاش! ہر چہار طرف ہرکارے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ پھر وقت مقرر کیا جاتا ہے، کہانی سنی جاتی ہے،

مین اور ڈریس انچارج بھی تھے۔ وہ جنہوں نے اس سے لاکھوں بنائے تھے اور وہ بھی جنہوں نے برے دنوں میں اُس کی ناک بھی رگڑی تھی۔ آج سب براتی تھے۔ برات گشت کر کے واپس لوٹ آئی کہ اب یہ بنگلہ ہی دُولہا کا تھا۔ دُلہن دُولہا کے لیے ایک کمرہ لڑکی بالیوں نے سجا کر تیار کر رکھا تھا۔ میرجکر آرٹ ڈائرکٹر نے اس میں دھرم دیو کے اسٹور میں سے لاکر کانچ کے قمقمے اس چابک دستی سے سجائے تھے کہ پرستان کے کسی حجلۂ عروسی کا گمان ہوتا تھا۔

جب لڑکیاں قہقہے مارتی رمی کو لائیں اور کمرے میں بند کر کے چٹخنی چڑھا دی تو وہ ریتا کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ وہ شرمائی لجائی گٹھری بنی مسہری پر بیٹھی تھی۔ ایسی ریتا کو تو اس نے خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ تو اُس کے حملوں کو وصول کرنے کا عادی تھا۔

ڈرتے ڈرتے اُس نے گھونگٹ اُٹھایا۔ ریتا مہندی لگے ہاتھوں سے منہ چھپا کر اور جھک گئی۔ بڑی مشکل سے اُس نے ہاتھ ہٹائے تو ریتا کی نرگسی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ اس کے معصوم چہرے پر کس بلا کا کنوارپن تھا کہ رمی کو پھریری آگئی۔

۵

منگلا، دیجوں کے بعد بھی کئی ہیروئنوں سے زیادہ لچک دار اور نازک تھی۔ اس کی آواز کا جادو تو ملک بھر میں چھایا ہوا تھا، مگر ایکٹنگ سے وہ بہت خائف تھی۔ نہ جانے کس نے یہ تجویز پیش کی کہ بنگالی کہانی کے لیے اس سے بہتر لڑکی نہیں مل سکتی۔ اس کی باوقار شخصیت رول کو چار چاند لگا دے گی۔ منگلا نے صاف انکار کر دیا اور دھرم نے بھی زور نہ دیا۔

زرینہ کی فلم کے سوا اور سیٹ پر کوئی فلم نہ تھی۔ اتنی چھوٹی سی فلم کے بل بوتے پر کیسے گاڑی چلے گی۔ سب نے بہت کہا مدھوبالا یا نمی کو لے کر فوراً فلم شروع کر دی جائے، مگر نہ جانے دھرم کو کیا ہو گیا تھا۔ حال ہی میں کہانی کے سلسلے میں اتنی بنگالی اور مراہٹی فلمیں دیکھی تھیں کہ کوئی چیز جچ ہی نہیں رہی تھی۔ انھیں دنوں بمبئی میں بیرونی فلموں کا ایک میلہ ہو رہا ہے۔ دھرم نے کچھ اٹلی اور فرانس کی شاہکار فلمیں دیکھیں اور انھیں دل دے بیٹھا۔ ایک دم اسے محسوس ہوا وہ اب جو بھی فلم بنا چکا ہے، سوشل اور اسٹنٹ فلموں کا کچومر تھے۔ کوئی فلم اس قابل نہ تھی کہ کسی مہذب ملک میں ہندوستانی فلم انڈسٹری کا نمائندہ بنا کر بھیجی جا سکے۔ اس نے بڑی تندہی سے ایک واقعی اچھی کہانی کی تلاش شروع کر دی۔

بڑی دلچسپ ہوتی ہے یہ کہانیوں کی تلاش! ھر چہار طرف ہر کارے بھیجے دیے جاتے ہیں۔ پھر وقت مقرر کیا جاتا ہے، کہانی سنی جاتی ہے،

دور بھی چلتا جاتا ہے۔ گپیں ہوتی رہتی ہیں۔ انڈسٹری کے سارے اسکینڈلوں پر تبصرہ ہوتا ہے۔ پھر کہانی چلتی ہے۔ وہی پٹے پٹائے موضوع۔

جب ایک چیز مل جاتی ہے تو انسان دوسری کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ جب روٹیوں کی محتاجی تھی تو بس دولت کمانے کی ترکیبیں سوچی جاتی تھیں۔ پھر دولت قدموں کی لونڈی بن گئی تو شہرت کی ہوس بڑھی۔ وہ ڈسٹری بیوٹر اور ایکزیبٹر کی بخشی ہوئی شہرت نہیں۔ انٹیلکچوئل طبقے کی تعریف۔ خواہ اس سودے میں دولت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ کالی اور سفید دولت اپنی جاذبیت کھو چکی تھی۔ ہر چیز سے جی بھر گیا تھا۔ جیسے لمبے سفر کے بعد گاڑی اطمینان سے شیڈ میں کھڑی تھی۔ عجیب اکتاہٹ سی ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔

اگر کوئی کہانی جی کو لگتی تھی تو وہ بنگالی کہانی تھی جو نکہ خرید لی گئی تھی۔ اور اس پر کچھ دنوں کام بھی ہو چکا تھا۔ اس لیے جب بہت اکتاہٹ چھا جاتی تو اسی کو لے بیٹھتے۔ کیشو جو صرف دھوم دھڑکے والی فلموں میں یقین رکھتا تھا۔ نہ جانے کیا مصلحت دیکھ کر وہ بھی اسی کے حق میں ہو گیا۔ اس نے منگلا کو پٹانے کا دل ہی دل میں بیڑا اٹھا لیا۔

"دیدی رول تمھارے سوا کسی پر نہیں سجتا۔"

"کیوں جی تم تو شریف گھرانے کی لڑکیوں کا فلم میں کام کرنا عیب سمجھتے ہو۔"

"ارے تو میں فلم میں کام کرنے کو تھوڑی کہتا ہوں۔ دھرم جی یہ فلم کوئی مارکیٹ کی مانگ پوری کرنے کو تھوڑا ہی بنا رہے ہیں۔ ایک اونچی پکچر بنا رہے ہیں۔ اور دیدی۔ ان سالی ہیروئنوں سے تو پیچھا چھوٹے گا۔ آخر کو جوان ہیں سندر ہیں۔ پوزیشن ہے۔ مکھیوں کی طرح لڑکیاں ٹوٹتی ہیں۔ وہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ آپ کے آگے وہ ھر کسی کو دھول سمجھتے ہیں۔ کیوں ان کا دل توڑتی ہیں؟"

منگلا بھی کچھ گھرداری سے اوب چلی تھی۔ گھر کی سجاوٹ بن کر رہ گئی تھی۔ اور اس سجاوٹ کو دیکھنے کی گھر والے کو مہلت بھی نہ تھی۔ کم سے کم ساتھ ہی رہے گا۔ صرف گانے گا کر اور کبھی کبھار شوٹنگ میں غیروں کی طرح بیٹھنے سے ساتھ کہاں رہ

ہے۔ اگر کام کر لیا تو کہانی پر بھی ساتھ بیٹھنے کو ملے گا۔ اُچھل کُود تو نہیں کر لی ہو شرم آئے۔

جب شام کو دھرم آیا تو وہ بیٹھی اسکرپٹ پڑھ رہی تھی۔ بے ساختہ اس کے انتخاب کی داد دی۔

"مگر کیا فائدہ پیسے بھی ڈوبے گی کہاں"

"کیوں؟ ایسا بہت تو خرچ بھی نہیں آئے گا۔ کاسٹیوم اور سیٹ کا تو کچھ جھگڑا ہی نہیں۔ کیریکٹر بھی چار چھ ہی ہیں"

"مگر ہیروئن کا بڑا ٹیڑھا سوال ہے"

"نرگس کو لے لو"

"نہیں"

"آخر اس سے اچھا اس رول کو کون کر سکتا ہے؟"

"رول تو سارا ہیرو کا ہے۔ بڑی ہیروئن کیوں تیار ہو گی۔ اور شیاما شکیلہ کے بس کا یہ رول نہیں"

"ہوں"، منگلا سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اسکرپٹ کھول کر بولی۔ "یہ سین تو بڑا ہی دل کو پکڑتا ہے جہاں ہیرو پتنی کی کمر میں ہاتھ ڈالتا ہے تو وہ اس کی نیت کو سمجھ کر ہونٹوں پر پلّو رکھ لیتی ہے۔"

دھرم نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنی طرف کھینچا۔ بے اختیار منگلا نے ہونٹوں پر پلّو رکھ لیا۔ دونوں ہنس پڑے۔

منگلا کا ٹیسٹ ضرورت سے زیادہ قابلِ اطمینان ثابت ہوا۔ دھرم میں جیسے کسی نے جان ڈال دی۔ دونوں رات رات بھر بیٹھ کر سیٹ بنواتے، منگلا نے دھوتیاں اور بلاؤز دھول میں رگڑ کر عین اسکرپٹ کے مطابق خود بنیا کروائے۔ ایک ایک سین موتی کی طرح جڑا جانے لگا کسی طرح دونوں کی تسلّی ہی نہ ہوتی۔ بار بار سیٹ لگتے اکھڑتے اور پھر سے سین لئے جاتے۔ پہلی بار کلاس پکچر بن رہی تھی۔ شروع شروع میں تو خوب پبلسٹی ہو گئی پھر بات ٹھنڈی پڑ گئی۔ ڈسٹری بیوٹر نے فلم دیکھی تو تعریفوں کے پُل باندھ دیئے مگر جا کے "دو ا ..." اور ... ما لا کی فلم خرید لی۔ دھرم نے جل کر زرینہ والی فلم "ناز" بھی دے ...

انکار کر دیا۔ اس کی رپورٹ بری نہیں تھی، مگر بالکل نئی ہیروئن اور گمنام سے ہیرو انیل کی فلم سے کسی کو بہت زیادہ دلچسپی بھی نہیں تھی۔

فلم ردِ بیہ توڑنے کے لئے نہیں بنائی گئی تھی مگر خرچ بہت بڑھتا جا رہا تھا۔ کیونکہ دھرم اور منگلا دونوں ہی اپنی بات کو نبھانے پر تلے ہوئے تھے۔ پھر سے نیو تھیٹر کی روایت کو دہرانے کا قصد تھا۔ گانے بھی بے حد کلاسیکل رنگ میں تھے اور منگلا نے بڑی جان لگا کر گائے تھے۔ مگر چلتے ہوئے وقتی گانوں کی طرح لوگ ان پر سر نہیں دھنتے تھے۔ پھر ذرا چلتے گانے ریکارڈ ہوئے وہ اور بھی بجھ گئے۔ نہ ادھر کے نہ ادھر کے۔ اس ادھیڑ بن میں دونوں ہی کچھ چڑچڑے سے رہنے لگے۔ بات بات پر بحثیں چل نکلتیں۔ اسٹاف کا دم سوکھنے لگتا۔ پہلے کبھی ہیروئن سے کھٹک جاتی تھی تو پیک اپ کے بعد پچھتاوا تھا۔ یہاں تو دونوں موٹر میں روٹھے منتے جاتے۔ گھر جا کر پھر وہی سلسلہ چلنے لگتا۔

اسی موڈ میں ایک دن دھرم "ناز" کے سیٹ پر چلا گیا۔ وہاں زرینہ ایک بھڑک دار اودی ساڑھی اور لال بلاوز پہنے مصنوعی زیور میں سر سے پیر تک ڈوبی انیل کے ساتھ کوئی سین کر رہی تھی۔ اس کے تیور دیکھ کر لوگوں کی دیکھتے ہی جان سوکھ جاتی تھی۔ زرینہ تو دانت نکال کر ہنس دی مگر انیل کے پسینے چھوٹ گئے۔

"اس سے کہو یہ بیہودہ ڈریس جا کر بدلے۔" اس نے ترویدی کو بلا کر کہا۔

"مگر کنٹی نیوٹی؟" ترویدی یوں سیٹ پر پھٹکارے جانے سے نروس ہو گیا۔

"چولہے میں ڈالو کنٹی نیوٹی، بہت بیہودہ ہے ڈریس۔ اور انیل بالکل الو کا پٹھا لگ رہا ہے۔ یہ دو رنگ کی جیکٹ کیوں پہنا دی؟"

"مگر . . . ." ترویدی پسینہ پونچھنے لگا "پچھلے سین ری شوٹ کرنا پڑیں گے۔"

"تمہارے باپ کا پیسہ ڈوبے گا؟" اسٹوڈیو میں کھسر پھسر ہو رہی تھی۔ یہ فلم تو کلر اس وقت سیٹ پر گئی تھی جب دھرم دیو پر انٹلکچول فلم کا بھوت نہیں سوار ہوا تھا۔ بلیک اور وہائٹ فلم میں اودے اور لال میں کیا فرق پڑتا ہے۔ ترویدی کا منہ پھول گیا۔ دھرم ایک دم نرم پڑ گیا۔

"اچھا بابا جیسا تم ٹھیک سمجھو مگر یہ ڈریس تو . . . . . ."

"آپ ہی نے بنوایا تھا . . . . . اب آپ کہتے ہیں۔"

"اچھا چلو سین لو" وہ سیٹ چھوڑ کر دفتر میں جا بیٹھا۔ منگلا سے بڑے زور کی جھڑپ ہو گئی تھی۔

"ہاں اب تم بھی دوسری ہیروئنوں کی طرح رعب گانٹھنے لگیں" اُس نے جل کر کہہ دیا اور اسٹوڈیو چلا آیا۔

تردیدی تو اسی وقت سیٹ چھوڑ کر جانے والا تھا۔ مگر سب نے سمجھایا کہ دھرم جی بہت پریشان ہیں۔ آج کل تم ہی ان کا لحاظ نہ کرو گے تو کون کرے گا۔ کوئی نہیں چاہتا کہ فلم کھنڈت میں پڑ جائے۔

فلم اچھی چل رہی تھی۔ سب کی روزی اسی سے لگی ہوئی تھی۔ منگلا اور دھرم کی نیّا "نیّا" تو ڈوبتی ہی نظر آ رہی تھی، فلم ذرا ٹھنڈی ہونے لگے تو اسٹاف کی سٹی گم ہونے لگتی ہے کہیں فاضل اسٹاف کی چھٹی کی نوبت نہ آجائے۔

مگر دھرم نے خود ہی تردیدی کو بلا کر اپنی غلطی مان لی۔ اسی وقت ایک جرنلسٹ کو فون کیا کہ سیٹ پر آ کر کچھ ڈائرکٹر کی پبلسٹی کے لئے تصویریں لے لو۔ اور جب تردیدی نے ہدایت کاری کے پوز دے کر تصویریں اتروائیں تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

چار دن "نیّا" کے پرانے سیٹ کی پھر سے شوٹنگ ہوتی رہی۔ نتیجہ کچھ اطمینان بخش نہ نکلا، اس سے تو پرانی شوٹنگ ہی اچھی تھی، مگر نیا گانا جو ریکارڈ ہوا اُسے سن کر سارا اسٹوڈیو جھوم اٹھا۔ پتہ نہیں واقعی گانا لاجواب تھا یا مصلحت ہی کچھ ایسی تھی کہ ڈوبتی "نیّا" سنبھالا جائے۔

نہ جانے کیا ہو جاتا ہے کامیابی کی ایک سیڑھی پر پہنچ کر انسان بالکل تنہا رہ جاتا ہے۔ آس پاس اُس کے نوکر اور خوشامدی رہ جاتے ہیں۔ غرض کی تو یہ دنیا ہے۔ دوستوں کو نبھانے کے لئے نہ فرصت اور نہ فلمی زندگی اس کی مہلت دیتی ہے، ساتھ کام کرنے والے ہی دوست یا دشمن رہ جاتے ہیں۔ کبھی تو دوست بھی ماتحت بن کر غیر لگنے لگتے ہیں۔ خلوص کی جگہ مصلحت آڑے آجاتی ہے۔ وہ اپنے کچھ پرانے دوستوں کو اپنے ساتھ لایا کہ شاید ان کی صحبت میں پھر وہی املی کے درخت کے نیچے بتائے ہوئے دن واپس لوٹ آئیں گے۔ وہی ہنسی مذاق، دھول دھپّا، لونڈوں کے پرزے اڑانا، مگر بہت جلد نوکر اور آقا کا رشتہ آڑے آ گیا۔ اگر پھر بھی وہ دوست ہی بننے پر مصر ہوا تو سارے ماتحت اسٹاف کی نظر میں کھٹکنے لگا۔ لگائی بجھائی شروع ہو گئی اور اس

کا پتہ کٹ گیا کبھی تردیدی سے کیسی بے تکلف دوستی تھی ۔ اس کے گھر کھانا کھانے جانا تو ہمیشہ پیٹ خراب کر لیتا تھا ۔ اُس کے کپڑے برسوں پہنے اور احسان اُتار لے کے لئے اپنے ساتھ لے لیا ۔ تردیدی ہوشیار تھا اور ایسی حرکت کبھی نہ کی اسٹاف کو شکایت ہوتی ۔ وہ پیٹھ پیچھے سب کے ساتھ بیٹھ کر ہاں میں ہاں ملایا کرتا تھا ۔ اور دھرم کے بارے میں اُس نے بہت سے لطیفے ایجاد کئے تھے ۔

"تم دونوں کو چھٹی کی ضرورت ہے" "نار" کی آوٹ ڈور شوٹنگ کے لئے یونٹ نینی تال جا رہا تھا ۔ رندھیر نے دھرم کو بھی رائے دی کہ چلو ذرا تفریح رہے گی ۔ مگر منگلا کی حماقت دیکھئے کہ عین وقت پر ایک چیریٹی شو میں گانے کا وعدہ کر لیا ۔

"تم چلو میں تین چار دن میں آجاؤں گی"

دھرم واقعی تھک گیا تھا ۔ ویسے اس دن سیٹ پر تردیدی کو ٹوکنے کے بعد دھرم نے اپنی غلطی مان لی تھی ، مگر پھر بھی تردیدی یہ نہیں چاہتا تھا کہ انڈسٹری میں یہ بات اُڑ جائے کہ دھرم فلم کی طرف سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے ۔ کیونکہ تردیدی کو دخل در معقولات ناگوار گزرتی ہے ۔ اسٹوڈیو سے ہمیشہ بات توڑ مروڑ کر باہر پھیلائی جاتی ہے ۔ وہ دھرم دیو کو مانتا تھا بڑے کھلے دل سے اس کی رائے مانتا تھا ۔ دھرم کی رائے ہمیشہ مفید ثابت ہوتی تھی ۔ وہ دھرم ہی سے نہیں ، رندھیر سے ، کیمرہ مین سے اور دوسرے اسسٹنٹوں کی رائے سے بھی فائدہ اُٹھاتا تھا ۔ فلم اچھی بنی تو نام اسی کا ہوگا ۔ کوئی رائے دینے والوں کو نہیں گنے گا ۔

نینی تال پہنچ کر وہ دو دن مسلسل سونے کا پروگرام بنائے رہا کبھی بے تعلقی سے شوٹنگ کی طرف بھی نکل جاتا ۔ تردیدی اُسے دیکھ کر جھٹ ڈائرکٹر کی کرسی پیش کرتا ۔

"لو بس یہ سین بالکل قابو میں نہیں آ رہا ہے ۔ یہ تمھارے لینے کا ہے ۔" وہ مسکا لگاتا ۔

"نہیں بھئی تم ہی لو ..... "

"اچھا دیکھنے تو رہو ، غلطی کروں تو دینا ایک جھانپڑ"

"ایک نہیں دو ملیں گے" دھرم ہنستا ۔

سناٹ تیار تھا ۔ آخری ہرسل اور ٹیک ۔ تردیدی نے پوچھا ۔

"کیسا لگا؟"

"کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ ایک ری ہرسل اور۔" دھرم کا دھیان نہ جانے کدھر تھا۔ "وہ کون سا سین ہے؟"

"ہیرو برف پر چلتا ہوا آتا ہے کسی کے چھینکنے کی آواز آتی ہے۔" تردیدی نے سین کا فائل کھول کر بتایا۔

"اچھا اچھا، وہ سین۔ ہاں ایک ری ہرسل ہو جاتے۔"

ہیرو آیا۔ چھینک کی آواز آئی۔ مگر اس سے پہلے ہی ہیرو ٹھٹک گیا۔

"پھر سے پھر سے۔" تردیدی نے کیمرہ ٹرک بیک کروایا

آٹھ دفعہ ہیرو چل کر آیا اور آٹھوں دفعہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو گئی۔

"بالکل ہی بکس ہے۔" دھرم نے رندھیر کے کان میں کہا۔

نویں بار خدا خدا کر کے معاملہ فٹ بیٹھا۔ ہیرو ٹھیک وقت پر چھینک کی آواز پر ٹھٹکا جھک کر دیکھا برف کے تودے کے پیچھے ہیروئن بیٹھی تھی۔ وہی چھینک رہی تھی۔

"کون ہو تم؟" ہیرو پوچھتا ہے۔

"لڑکی!" ہیروئن پھر چھینک کر جواب دیتی ہے۔

"کیا کر رہی ہو؟" ہیرو پوچھتا ہے۔

"چھینک رہی ہوں۔" ہیروئن جواب دیتی ہے۔ زرینہ نے کچھ اس بھولپن سے کہا کہ دھرم زور سے ہنس پڑا۔ سارا اسٹاف ساتھ میں ہنسنے لگا۔ دھرم کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ رندھیر کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس کے لکھے ہوئے سین کی ایسی بے ساختہ داد

اور وہ بھی دھرم کے منہ سے! شورٹ ٹھیک تھا۔ قہقہے نے بگاڑ دیا۔

"سوری تردیدی.... میرا مسٹیک..... پھر سے لو......"

"بس ہو جانے دو یہ سین!" تردیدی مسکا لگانے لگا۔

"نہیں جی، ڈائرکٹر تم ہو میں کون؟" دھرم تکلف کرنے لگا۔

"دھرم جی، دیکھئے کتنی ہو جائے گی۔ یہ سین تو لینا ہی پڑے گا۔" وہ الگ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے..... دیکھو یوں ناک مسلو۔" وہ زرینہ کو بتانے لگا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ

دھرم بذاتِ خود اُسے ڈائرکٹ کر رہا تھا۔ عقیدت سے اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اور منہ دیکھتی رہ گئی۔

"منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ ہاں یوں ناک مسل کر پھر چھینکو!"

زرینہ نے بے ساختہ چھینک ماری۔

"اُفوہ ایسے نہیں...... پہلے ناک!" مگر زرینہ چھینکے جا رہی تھی۔

"میں تھوڑی چھینک رہی ہوں۔ آپ سے آپ آ رہی ہے چھینک!" وہ پھر چھینکی۔

"اِیں، اچھا جلدی کرو۔ ورنہ برف میں اکڑ کے مر جاؤ گی۔ ایک پیالی چائے دو۔"

"ارے بھئی تم بیٹھو!" ترویدی نے انیل سے کہا۔ وہ بڑی معترض نظروں سے کبھی ترویدی کو اور کبھی دھرم کو دیکھ رہا تھا۔

اتنے میں ایک بادل کا ٹکڑا آ گیا اور سب چائے پینے لگے۔

چائے کے بعد پھر کام شروع ہوا۔

"رندھیر یہ سین او۔کے ہوا تھا؟"

"ہاں...... یہ دیکھو تمہارے ہاتھ کا نوٹ لکھا ہوا ہے۔ کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں، کچھ جم نہیں رہا ہے۔ مزے دار سین ہے۔ ذرا کچھ اور ہونا چاہیے۔"

"ریڈی!" ترویدی نے دھرم سے کہا۔

"سنو، ایسا کرو تم دوسرا سین شروع کر دو...... آج ذرا اسے دیکھ لیں۔ کل شوٹ کریں گے۔ کیوں؟"

"بالکل بالکل!" ترویدی سین جمانے لگا۔

یہ سین بڑا ٹیڑھا تھا۔ ہیرو ٹہلتا جا رہا ہے۔ بازو سے ہیروئن اچانک نکل کر ٹکرا جاتی ہے۔ پہلے ریہرسل میں جب ہیروئن ٹکرائی تو ہیرو کا توازن بگڑ گیا۔

دوسری دفعہ زرینہ کی چپل کی ایڑی برف میں پھنس گئی۔ اور وہ لڑکھڑا گئی۔

اب کے جو زرینہ آئی تو انیل نے بے اختیار ہاتھ پھیلا کر اسے روک دیا۔ وہ بیوقوفوں کی طرح منہ تکنے لگی۔ جتنی زیادہ ریہرسل ہوئی اتنے ہی دونوں کے حواس گم ہوتے گئے۔

"تھوڑی دیر سستا لو۔" ترویدی نے اسے ایک طرف لے جا کر کہا۔ "سب

غریب ہیرو پر ترس آرہا تھا۔ یہی تو موقع ہے اس پہ ترس کھانے اور ہنسنے کا۔ دو چار فلمیں گوڑ کے پھر چوٹی پہ چڑھ جائے۔ پھر مرضی ہے جو کچھ کرے کسی کی مجال نہ ہو گی چوں بھی کرنے کی، ایسے وقت میں لوگ بڑے بے رحم ہو جاتے ہیں۔

انیل گم سُم سا ایک طرف بیٹھ گیا۔ سالا دھرم دیو جب سیٹ پہ آجائے گا ستیاناس مار دے گا۔ بڑا نازک وقت تھا۔ پرانا ہیرو پچاس ری ٹیک کروائے کوئی اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ دھرم دیو بڑا مشکل پسند ہے۔ چار پانچ ریلیں بن گئیں تو کیا ہُوا جی میں آگئی تو چھری گردن پہ پھیر دے گا۔

دھرم نے انیل کو خود ریہرسل کر کے بتایا۔

زرینہ بھاگتی آئی۔ ٹکرانے کی ہمت نہ پڑی۔ ایک دم جھجک گئی۔

"ارے!" دھرم مسکرایا۔

دُوسری بار آئی تو ایک دم لنگڑانے لگی۔ اس کے جُوتوں میں برف بھر گئی۔

تیسری بار بھاگتی آئی۔ قریب آکر چال سُست کی پھر ہولے سے ٹکرا گئی۔ بے حد نادم کھسیانی۔

"ایسے نہیں، یہ کیا۔ پہلے رُک گئیں پھر پھس سے ٹکرا گئیں۔ ایک دم بے خیالی میں بھاگتی آؤ زور سے ٹکراؤ۔ سمجھیں؟"

"جی" وہ پھر واپس گئی۔

اب کے وہ قلانچیں بھرتی تیر کی طرح آئی اور دھائیں سے دھرم دیو کی چھاتی پہ گولی کی طرح لگی۔ دھرم اس ٹکر کے لئے قطعی تیار نہ تھا۔ دونوں لڑھک کر گر پڑے۔ سارا اسٹاف ہنس پڑا۔ زرینہ اپنی ہنسی دباتے بیٹھے بیٹھے دور کھسکنے لگی جیسے دھرم اس کے تھپڑ ہی تو مار دے گا۔ پھر دھرم ہنس پڑا اور وہ بھی ہنسنے لگی۔

انیل خاموش بیٹھا سگریٹ کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا۔

ریہرسل پہ ریہرسل ہوتا رہا۔ زرینہ تھک کر چُور ہو چکی تھی۔ ہاتھ پیر برف ہو رہے تھے۔ کئی بار آنکھوں تلے اندھیرا آگیا۔ دھرم دیو ڈھٹائی سے کھڑا ریہرسل لئے جا رہا تھا۔

آخری بار زرینہ بھاگتی آئی - چھ انچ دور رُک گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا۔ بگڑتے سین کو کیسے سنبھالے۔ ایک دم سسکیاں لے کر سر دھرم دیو کی چھاتی پر ٹکا دیا۔

ایک لمحہ کے لیئے دھرم سناٹے میں رہ گیا پھر اُس نے زرینہ کو دونوں ہاتھوں سے ایسے دور پھینکا جیسے وہ کوئی سانپ یا بچھو تھی۔ وہ اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ مارے غصّے کے دھرم کا منہ لال ہو گیا اور اس سردی میں بھی روم روم سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ وہ ایک دم مڑا اور ترویدی کو سین بینے کے لیئے کہہ کر گیسٹ ہاؤس کی طرف چل دیا۔

زرینہ کو اپنی قسمت کا فیصلہ معلوم ہو گیا۔ وہ برف پہ ہاتھ ٹیکے ہوئے بیٹھی رہی۔

"کیا مرنے کا ارادہ ہے۔ اُٹھو" ترویدی نے ریہرسل لینا شروع کیا۔ دو چار دفعہ میں اچھا خاصہ سین جم گیا۔

"ٹیک کیجیئے نا" انیل نے کہا۔

"ابھی سے پیر نہ نکالو پیارے دو چار فلموں کے بعد حکم چلانا" ترویدی دھرم کے پاس پہنچا۔ وہ دراز سے بوتل نکال رہا تھا۔

"بوس شوٹ ریڈی ہے!"

"ٹیک کرو"

"ٹیک تو تمھیں ہی کرنا ہوگا"

"بس جی جیسا بھی ہو ٹھوک دو"

"ٹھوکوں گا نہیں"

"تو پیک اپ کرو" دھرم دیو بھی گرم ہو گیا۔

"بہت اچھا" وہ پیر پٹختا واپس لوٹ گیا۔

"پورا دن خاک میں مل گیا" کیشو اُس کے گلاس میں برف ڈال رہا تھا اور آپ ہی آپ بڑبڑا رہا تھا۔

"پہلے تو کچرا بھرتے ہو پھر جب گھوٹالا ہو جاتا ہے تو اپنا خون جلاتے

ہو۔ کیا فائدہ ان باتوں سے، کتنا کہا بے کار سارے نئے ہیرو پر پیسہ نہ بہاؤ
نہ باہر کام کرتے ہو نہ اپنی فلم میں۔ آخر سوچا کیا ہے؟"
دھرم منگلا کو کال بک کر رہا تھا اس نے کیشو کی بکواس سنی اَن سُنی
کردی۔
سارا دن مٹی میں مل گیا۔ ہوٹل میں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی موت ہوگئی ہو۔
روز شوٹنگ کے بعد برامدے قہقہوں سے گونجا کرتے تھے۔ پینے پلانے کا
سلسلہ شروع ہوجاتا۔ دو چار میزوں پر رمی یا فلیش ہونے لگتا۔ زند ھیر ترویدی
اور کیشو دھرم کے ساتھ گپ شپ یا دوسرے دن کے پروگرام کے بارے
میں باتیں کیا کرتے۔ زرینہ بہت جلدی سو جایا کرتی تھی۔ کبھی اپنی ہیر ڈریسر
کے ساتھ کیرم کھیلنے لگتی۔ پھر جا کے سو جاتی۔ آج وہ ماں کے پاس خاموش بیٹھی
ناریل کے تیل سے میک اپ اتار رہی تھی۔ ترویدی سب سے الگ منہ پھیر بیٹھا
تھا۔ انیل خط پوسٹ کرنے ذرا نیچے گیا تھا۔
دھرم دیو کو بمبئی کی کال مل گئی۔ وہ منگلا پر غصہ ہو رہا تھا۔
"خاک ڈالو جیسٹی شو پر۔ تم فوراً آؤ" اس نے حکم دیا۔
"مگر تم نے خود کہہ دیا تھا۔ رفیع برا مانیں گے۔"
"اور میں جو برا مانوں گا تو؟ تمہارے بغیر بھی تو شو ہو سکتا ہے۔"
"اوہ۔ . . . . دیکھو"
"کچھ نہیں دیکھنا ہے۔ منگلو، پلیز آجاؤ . . . . ورنہ میں شوٹنگ
بند کر کے آرہا ہوں۔"
"ایسا نہ کرنا . . . . . کتنا نقصان آگے ہی ہو چکا ہے۔"
"۔۔ ہو جائے گا۔"
"پوسٹر میں نام دے دیا ہے۔ نہ جاؤں گی تو لوگ بڑا دنگا مچائیں گے۔
تاجی سے تو رفیع صاحب کی اَن بن ہے۔ میرے ہی بھروسے پر ہیں۔"
"اور میں کس کے بھروسے پر رہوں؟"
"بات کیا ہے؟"
"بات کیا ہوتی" وہ چڑ گیا "تم نہیں آتیں تو نہ آؤ" اس نے فون

پٹخ دیا۔

اُسے خود نہیں معلوم تھا تو وہ کیا بتاتا کہ کیا بات ہے۔ بعض جانور اتنے حساس ہوتے ہیں کہ آنے والے خطرے کی بو دور ہی سے سونگھ کر چوکنے ہو جاتے ہیں۔ ایک ان جانی سی اُلجھن۔ بلا وجہ کی جھلاہٹ۔

زرینہ جمال کی ماں اپنے ہی خیالات میں گُم تھیں۔

چھوٹی چھوٹی بچیوں کو چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ پہلے موٹر بکی پھر فرنیچر نیلام ہوا۔ پھر گھر بھی چھوڑنا پڑا۔ ایک چھوٹے سے گھر میں بچیاں پھوٹ پھوٹ کر روتیں، ضد کرتیں۔ شوقیہ بچیوں کو ڈانس سکھوایا تھا وہی روزی کا ذریعہ بن گیا۔ اسٹیج پر مہینے میں دو چار پروگرام ہو جاتے تھے۔ بڑی کی چودھویں سال ہی شادی کر دی۔ تین سال بعد باقی کی دو بھی تھوپ دیں۔ زرینہ سب سے چھوٹی رہ گئی۔ جب دوستوں کے کہنے پر فلم میں کام کروایا تو کسی نے اعتراض تک نہ کیا۔ کسے اتنی پرواہ تھی کہ ان سے ناطہ جوڑتا۔ ڈیڑھ سال ہونے کو آیا اس مردار فلم لائن میں پیر نہیں جمنے پائے۔ ایک ڈانس کا سوا یہ بھی لوگ بھول بھال گئے۔ اب یہ فلم چل رہی تھی اُس کے بھی لالے نظر آ رہے ہیں۔ باہر سٹاف کے لوگ سرگوشیاں کر رہے تھے۔ دماغ خراب ہو گیا ہے، بان جان کر اپنا گلا اپنی چھُری سے کاٹتا ہے۔ یہ تو دھرم کی پرانی عادت ہے۔ بار بار ایک سین کو چبے جاتا یہاں تک کہ اس کا کچومر نکل جائے۔ پھر اُٹھا کر پھینک دینا۔ پوری پوری پکچر دوبارہ بن رہی ہے۔ مگر یہی نسخہ آخر میں کارگر ہو جاتا تو سارا نقصان نفع میں بدل جاتا۔

دھرم اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا وسکی پی رہا تھا۔ رندھیر اور کیتو آئے تھے۔ اُنہیں اس نے ٹرخا دیا کہ نیند آ رہی ہے۔

"آ سکتی ہوں!" ایک دھیمی سی آواز آئی۔

"کون؟"

"میں۔۔۔۔ جی میں زرینہ!" وہ دروازے میں سے سہمی ہوئی چوہیا کی طرح جھانک رہی تھی۔ سیٹ پر نہ ہو تو یہ لڑکی کس غضب کی ایکٹنگ کرتی ہے۔

"کیا ہے؟"

وہ آکر چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔

"ممی کی طبیعت تو ٹھیک ہے، بٹھو نا۔"

وہ کرسی کی ٹیک پر اکھڑی سی ٹک گئی۔

"کیا کچھ کہنا ہے؟"

"جی!"

"تو کہو۔" وہ اسی طرح بے توجہی سے ایک میگزین کے ورق الٹنے لگا۔

"اب رو دے گی یہ لڑکی۔" وہ ڈرا۔

"اماں کہتی ہیں۔ دہلی سے ٹرین پکڑ لیں گے۔"

"ٹرین..... پکڑ لو گی!"

"ہاں..... یہاں سے بس میں چلے جائیں گے۔"

"کیوں؟"

"ہوائی جہاز سے بہت خرچہ ہوتا ہے۔"

"ہوں۔ پھر؟"

"کل صبح ہم چلے جائیں گے بس سے اور پھر ٹرین پکڑ لیں گے۔"

"کل صبح چلی جاؤ گی؟"

"ہاں۔"

"کہاں؟"

"بمبئی..... پھر وہاں سے حیدرآباد۔"

"حیدرآباد! اور یہ جو پانچ سال کا معاہدہ کیا ہے؟"

"وہ تو ختم!"

"ختم؟"

"ہاں، آپ کو میرا کام پسند نہیں آیا..... تو۔"

"اچھا! کام نہیں پسند تو اس سے تمھیں مطلب؟"

"جی؟" وہ گھبرا گئی۔

"جی جی کیا لگائی ہے۔" وہ ایک دم بگڑ گیا۔ "لاکھوں کا معاملہ ہے۔ گڑیوں کا کھیل تو نہیں۔ سارا نقصان تم بھرنے کو تیار ہو۔"

"توبہ! میں کہاں سے بھروں گی" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
"تو پھر کیوں بک بک کر رہی ہو۔ جاؤ اب سو جاؤ۔ صبح جلدی اُٹھنا ہے"
"تو پکچر بند نہیں ہو گی" بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔
"کس نے کہا پکچر بند ہو رہی ہے؟"
"سب کہہ رہے ہیں، یہ فلم بھی ڈبہ میں بند ہو جائے گی"
"بکتے ہیں سب تو... تمہیں کل کے لئے ڈائیلاگ یاد ہیں نا؟"
"جی......"
"تو بولو.... کون ہو تم" اس نے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر جھک کے پوچھا۔
"لڑکی!" زرینہ نے سسکی لی۔
"یہاں اتنی سردی میں کیا کر رہی ہو"
"فی الحال تو...... چھینک رہی ہوں" مگر چھینک ہچکیوں میں اُلجھ گئی۔
"جھوٹ بالکل جھوٹ تم تو رو رہی ہو۔ ایسے کام نہیں چلے گا۔ محنت کرنا پڑے گی سمجھیں"
زرینہ نے سر ہلا دیا۔
"کھانا کھا لیا؟"
"نہیں۔ اماں نے کہا بھوک نہیں اس لئے میری بھی بھوک اُڑ گئی"
"اور کوئی گرم کپڑا کیوں نہیں پہنا؟ مر گئیں تو جانتی ہو کتنے لاکھ کا نقصان ہو جائے گا۔ پورے تین لاکھ ڈوب جائیں گے" نہ جانے کیوں ایک دم جی ہلکا ہو کے بڑبڑ کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ اتنے میں رندھیر جھانکا وہ پلٹ کر جانے لگا تو دھرم نے پکارا۔
"ارے رندھیر کھانا کھا لیا؟"
"نہیں وہی پوچھنے آ رہا تھا"
"اس بے وقوف لڑکی نے بھی نہیں کھایا اور اماں بھی بھوکی ہیں۔ ایسا کرو کیشو سے کہو ہم سب کا کھانا ادھر ہی بھجوا دے"
"کیوں، کیا مار پڑی؟" رندھیر نے زرینہ کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

"نہیں آج تو چھوڑ دیا ہے۔ کہتی ہے صبح گھر جائیں گے۔ میں نے کہا پکچر کا نقصان بھر دو۔ چلی جاؤ۔۔۔۔"

"ٹھیک تو ہے۔" دھرم اسے موڈ میں دیکھ کر کھل پڑا۔ "ابے او کیشو کے بچے۔۔۔" وہ چیختا ہوا باہر لپکا۔

اس کی آواز کی لہک سے ہی لوگ سمجھ گئے۔ مطلع صاف ہو گیا۔ زرینہ کو سکھا پڑھا کر بھیجنا کام آ گیا۔ کیمرہ مین مادھو کرنے جھٹ تکیے کے نیچے سے تاش نکالے اور بانٹنے لگا۔

دھرم دیو کو دیکھ کر ترودی منڈیر سے اتر آیا۔ دھرم نے یاروں کی طرح اس کی گردن میں ہاتھ ڈالا اور دھکیلتا ہوا سیڑھیوں سے اتر گیا۔

زرینہ کی اماں کو دیکھ کر بڑی پریشانی ہوئی۔ ممبئی کی آب و ہوا شاید انھیں راس نہیں آ رہی تھی۔ پہلے سے بہت ضعیف لگ رہی تھیں۔ انھیں دیکھ کر اپنی ماں یاد آگئی۔ ایک عمر کو پہنچ کر سب عورتیں ایک شکل کی لگنے لگتی ہیں۔

"ارے ارے اٹھئے نہیں۔" اسے دیکھ کر وہ اٹھنے لگیں تو دھرم نے روکا۔ انھیں وہیں سوپ وغیرہ دے دیا گیا۔ اور سب وہیں فرش پر پالتی مار کر بیٹھ گئے۔

"اپنی پکچر کب شروع کر رہے ہیں؟" زرینہ نے سب کو کھانا نکال کر دیا۔

"یہاں سے جا کر۔۔۔۔۔ کیوں کام کرنے کا ارادہ ہے؟"

زرینہ نے دانت نکال کر سر ہلا دیا۔

"پچھتاؤ گی۔"

"کیوں؟"

"سیٹ پر میرا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ بہت ڈانٹ پڑے گی۔"

"پرواہ نہیں۔" زرینہ نے سر جھٹک کر ایک لٹ رخسار پر گرا لی۔

"سوچ لو۔" دھرم کا جی چاہا وہ لٹ واپس بالوں میں اڑس دے۔

"سوچ لیا۔ ڈانٹ تو کیا مار بھی پڑے وہ بھی منظور۔" ایک لمحے کو دونوں کی آنکھیں الجھیں۔ دھرم کھانے پر جھک گیا۔

"نہ بھئی گواہ رہنا رندھیر۔ پھر رونے پیٹنے سے کام نہیں چلے گا۔"

"جی ہاں، ذرا کم روتی ہوں۔" زرینہ تنک کر بولی۔

"بھول گئیں آج کی رگید۔" رندھیر نے پھنیٹا کسا۔

"پہلے دن سب کو ہی ڈر لگتا ہے۔"

"اب ڈر نکل گیا۔"

"بالکل مار ڈالنے سے تو رہے۔"

"اور جو مار ہی ڈالا؟"

"تو پورے تین لاکھ کا پڑا۔" زرینہ نے ہاتھ سے تلوار چلائی۔ دھرم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"اب کی بچّہ پسپر ہٹ!" رندھیر نے سوچا اور تر بتر لقمہ مُنہ میں رکھ لیا۔ ایسا بے پناہ قہقہہ بہت دن بعد سنائی دیا۔ دھرم اپنے رنگ پر آرہا ہے۔ تریاق اثر دکھا رہا ہے۔ بس دو چار ہٹ لگ جائیں۔ پھر کوئی اور نقیبہ مل جائے گا طبیعت بھڑکانے کو۔ سچ تو ہے گرہستی کا جُوا ایک فن کار کے کندھے پر نہیں سجتا۔ پابندیوں میں دل کی اُمنگ نہیں پلتی اور جب اُمنگ ہی مر جائے تو فن کہاں جی سکتا ہے۔

۶

دھرم دیو جب اپنے کمرے میں آیا تو اتنی تنہائی نہیں تھی جیسی روز ہوا کرتی تھی۔ بات ہی کیا تھی۔ منگلا دو دن بعد آنے ہی والی تھی۔ آخر چیریٹی شو بھی تو ایک نیک کام ہے۔ بچہ بھی کمزور ہے سردی نہ پکڑ لے۔ اس سے جھگڑا بیکار ہی کیا۔

دوسرے دن ریہرسل بڑے زور شور سے شروع ہو گئے۔ انیل چہرے پر چھوٹی ہنسی چپکائے الگ مبیٹھا تھا۔ دھرم دیو کی یہ عادت تھی وہ چھوٹی سے چھوٹی بات آرٹسٹ کو خود کر کے دکھاتا تھا۔ زرینہ ایک پتلی سی قمچی کی پتیاں شوت کرلائی اور بڑے ادب سے دھرم کو پیش کی۔

"یہ کیا؟"

"غلطی کروں گی تو ضرورت پڑے گی سزا دینے کے لئے۔"

"اوہ!" دھرم ہنسنے لگا۔

"ذرا دیکھئے ٹھیک چلتی ہے کہ نہیں۔" زرینہ نے ہتھیلی پھیلا دی۔

"پہلے غلطی تو کرو۔"

"تو کیا ہے، اڈوانس چلے گا!"

دھرم نے ہلکے سے قمچی اس کی ہتھیلی پر چھوا دی۔

"ذرا کس کے ماریئے۔"

"ریڈی!" ترویدی بیچ میں آن ٹپکا۔
شوٹنگ کچھ یونہی اوٹ پٹانگ سی ہوئی۔ سین لئے گئے پھر بدل ڈالے گئے۔ دھرم کا موڈ حد سے زیادہ چونچال ہو رہا تھا۔ ریہرسل ہوتے پھر ڈسکشن ہونے لگتے۔ کبھی رندھیر کے ساتھ کبھی ترویدی کے ساتھ پھر طبیعت گھبرا گئی۔ ایک ہی جگہ سے دوسری جگہ زیادہ موزوں تھی۔ سارا تام جھام ادھر ڈھویا گیا اتنے میں سورج جھک گیا پیک اپ ہو گیا۔
سوائے انیل کے سب خوش تھے۔ خدا خدا کر کے پرانا دھرم دیو تو جاگا۔
"وہ کام اچھا کرتی ہے۔" جب سب پینے پلانے کے لئے جمع ہوئے تو رندھیر نے کہا۔
"ہاں۔ بری نہیں۔" دھرم نے اوپری دل سے کہا۔
"وہ سالا لمڈھینک بالکل مٹی کا مادھو ہے۔"
"محنت نہیں کرتے یہ لڑکے، بس فلم اسٹار بن بیٹھتے ہیں۔ تھرڈ کلاس کمپنیوں سے کانٹریکٹ مل جاتے ہیں۔ پھر ان کے دماغ نہیں ملتے۔"
انیل کو جیسے ہی دھرم نے سائن کیا پانچ نئی فلموں کا معاہدہ ہو گیا۔ مگر ابھی تین سٹارٹ بھی نہیں ہوئی تھیں۔ ڈسٹری بیوٹر دھرم کی فلم کے انتظار میں تھے اگر ہیرو چل نکلا تو قسطیں جاری ورنہ دیکھا جائے گا۔
"یار تم اسے چھوڑو میری کہانی پر لگ جاؤ۔" دھرم نے رندھیر سے کہا۔
دھرم کی کہانی کئی دفعہ چلی پھر ٹھپ ہو گئی۔ کبھی جوش آ جاتا تو بڑے زور شور سے کام ہونے لگتا۔ پھر کوئی دوسرا اچھڑ کتا ہوا آئیڈیا مل جاتا اور کچھ دن بعد جب اس سے جی اکتا جاتا تو پھر گھوم پھر کر اس کہانی پر تان ٹوٹتی۔ تین سال سے دھرم اس کہانی کی ادھیڑ بن کر رہا تھا۔ رندھیر کی چڑ ہو گئی تھی وہ کہانی۔ مگر دھرم کا موڈ دیکھ کر اس پر کام ہونے لگا۔
دھرم کی طبیعت کچھ اتنی حاضر تھی کہ کہانی بنتی چلی گئی۔
منگلا بغیر اطلاع دیئے پہنچ گئی کہ دھرم اس کے اچانک پہنچنے سے اچھل پڑے گا۔ جب وہ ایک ہاتھ میں بلو کی انگلی اور دوسرے میں بیگ لئے

داخل ہوئی تو زرینہ آنکھیں بند کئے سزا کے لئے ہاتھ پھیلائے منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" دھرم نے آگے جھک کر پوچھا۔

"دعا پڑھ کے پھونک رہی ہوں کہ چوٹ نہ لگے۔"

"جنتر منتر سے کام نہ چلے گا۔" دھرم ہنسا۔

"اچھا لگا دیجیے۔" زرینہ نے ہتھیلی پر پھونک مار کر کہا۔

دھرم نے ہلکی سی چھڑی لگائی۔

"ذرا کس کے ماریئے۔ واہ سزا دینی بھی نہیں آتی۔ یہ دیکھئے" چھڑی لے کر اس نے سڑاک سڑاک اپنی ہتھیلی پر لگائی۔

"ارے پگلی!" دھرم نے اس کے ہاتھ پر ہتھیلی رکھ دی۔

ممی جو پڑی تو تلملا گیا۔

"ہائے سوری.... سوری!" دروازے پر جو نظر گئی تو چیخ اٹھی "ڈیڈی!"

"تم نے تار کیوں نہیں دیا؟" اس نے بلو کو لینا چاہا مگر وہ منگلا کے پیچھے چھپ گیا۔

"سوچا تار سے پہلے خود پہنچ جاؤں گی۔" آہستہ آہستہ سب کھسکنے لگے۔ زرینہ نے ہاتھ پھیلائے بلو بھاگ کر اس کی گود میں چڑھ گیا۔ وہ اسے لے کر چکر لگانے لگی۔

"بڑا پاجی ہے۔ ہم نے بلایا تو اکڑ گیا۔ بے بی تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں، ممی کے پاس چھوڑ دیا ہے۔ دو کو کیسے سنبھالتی۔ پرسوں سے شو یہ فیملی میری جان کو آ گئے۔ مگر میں نے کہہ دیا بابا ٹرنک کال آیا ہے۔ سب گھبرا گئے۔ کہ نہ جانے کیا بات ہے؟"

"تم نے کیا کہا؟"

"کیا کہتی؟"

"کہہ دیتی، میرا پتی میرے بنا ایک پل نہیں رہ سکتا۔ نہ گئی تو کھڈ میں کود کر جان دے دے گا۔" اس نے منگلا کو باہوں میں سمیٹ لیا۔

ہنی مون کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ دھرم نے اسے یوں ٹوٹ کر پیار کیا۔

جیسے کوئی سویا ہوا کسی اَن جانی آہٹ سے جاگ پڑا ہو۔

"کہاں تھے، بہت دنوں بعد درشن ہوئے" منگلا نے اس کی محبت کے جوش میں ڈوب کر پوچھا۔

"تمہیں ہی ڈھونڈھ رہا تھا" وِہکی اور منگلا۔ پھر وِہکی جتنی پینا پاس ٹرمتی ہی جاتی۔ وِہکی کی بھی اور منگلا کی بھی منگلا کبھی تو بوکھلا جاتی۔ بلو کا بہانہ کر کے بھاگ جاتی۔ زندگی میں پہلی بار اپنی جان کی قسمیں دے دے کر اس نے منگلا کو بھی پلائی۔ دھرم کی بات کون ٹال سکتا تھا۔ اور پھر وہ تو اس کی تپنی تھی، محبوبہ تھی، وہ فن کار تھی جو ایک بار گانا سن کر ٹیون یاد کر لیا کرتی تھی۔ پہلے ہی پیگ میں ساتویں آسمان پر پہنچ گئی۔ بسنتی ساوتری نے عائشہ کے پیار کو مات کر دیا۔

اور بلو زرینہ جمال کی گود میں سو جاتا۔ اسی کے ہاتھ سے کھانا کھاتا۔ وہی اُسے نہلاتی دھلاتی۔

دولہا دلھن ہنی مون منا رہے تھے۔ بارات باہر بیٹھی سوکھ رہی تھی۔

"بیکار کیوں فلم گنواتے ہو" رندھیر نے ترویدی سے کہا۔ وہ چاہتا تھا کچھ تو کام نمٹالے۔

"تو پھر ہم یہاں کیوں جھک مار رہے ہیں" مادھو بڑبڑایا۔ اُسے اپنی گرل فرینڈ یاد آرہی تھی۔ نیک بخت سے بہت کہا ہیئرڈریسر بن کے ساتھ چل، مگر اکڑ گئی۔

"یہ مالک سے پوچھو" ترویدی نے جواب دیا۔

"ارے بے چارے کو بمبئی میں تو فرصت نہیں ملتی۔ یہاں ذرا موقع ملا ہے کاہے کو ہشکاتے ہو۔ کھاؤ پیو مزے سے اور صحت بناؤ" رندھیر بولا۔

"تم بناؤ صحت اپنی تو تہ کھد رہی ہے" انیل بسورا۔

"ارے تم کاہے کو فکر مند ہوتے ہو۔ پانچ ریل پکچر ہو گئی ہے کوئی تمھیں ہاتھ نہیں لگا سکتا" ایک نیا اسسٹنٹ بولا۔ "اور یہاں سے جاتے ہی ترویدی صاحب دین دیال والی پکچر کی مہورت کر رہے ہیں" انیل کا جی ٹھہر گیا۔

خدا جانے فلم لائن میں انتہائی پرائیویٹ باتیں کہاں سے ٹپک کر گندے نالے میں پہنچ جاتی ہیں۔ دھرم دیو کے اسٹاف نے تو ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا

مگر جب بمبئی پہنچے تو یہ خبر عام تھی کہ "دو ناز" ٹھپ ہو رہی ہے۔ نئے ہیرو کی گردن پر چھری چل رہی ہے۔ وہ بوکھلایا ہوا اپنے پروڈیوسروں کے یہاں دستک دے رہا ہے۔ ایک فلم کی تو نو ریلیں تیار تھیں۔ اس کے ڈسٹری بیوٹر نے قسطیں دینے میں کچھ ہچر مچر شروع کر دی تھی۔ دوسری فلم میں اس کا سائیڈ رول تھا کسی وقت بھی اڑ سکتا تھا مگر اس کی ہیروئن انیل پر مہربان تھی۔ باقی کی تین فلموں کے پروڈیوسر فنانسر گھیرنے ریاستوں کے دورے پر گئے ہوئے تھے۔ کہ وہاں اب بھی فلم کے شوقین نواب زادے اور راج کمار پائے جاتے ہیں۔

دھرم دیو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کہانی پر کام کرنے کی غرض سے رندھیر کے گمنام سے شیڈ میں جا چھپا۔ رندھیر ایک فلمی "رنڈوا" تھا۔ ایک عدد بیوی وطن میں بچوں کو پال رہی تھی۔ وہ کبھی بمبئی نہیں آئی مگر رندھیر اسے بڑی پابندی سے اپنی کمائی کا بیشتر حصہ بھیج دیتا تھا۔ دِتو اس زمانے کی یادگار تھی۔ جب وہ دنوں کے ادھار پر بمبئی کی کٹھنائیاں جھیل رہا تھا۔ وہ ڈانڈا کے مچھوا خانے میں ملی تھی کمسن سی چکنی چپڑی سی لڑکی تھی، بس مچھلیوں کی سڑاند کوئی جھیل جائے تو خاصی مزے دار تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں بہت دنیا دیکھ چکی تھی۔ ایک دن نشے میں رندھیر اپنی جھونپڑی میں لے آیا۔ صبح اس نے جو غریبی دیکھی تو جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر اس کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

نوٹ دیکھ کر رندھیر وہیں میلے بستر پر بیٹھ کر اتنا رویا کہ ہچکی بندھ گئی۔ اس نے یہ پانچ روپے اس لئے خرچ کر دیے تھے کہ کیوں نہ آخری بار زندگی کا مزہ چکھ لیا جائے۔ پاس ہی سمندر ہے تو سنکھیا پر پیسہ برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان پانچ روپیوں نے اس کی قسمت پلٹ دی حسبِ عادت وہ فیمس میں ادھر ادھر آفسوں میں جھانک رہا تھا کہ کہیں شاید چائے پانی کا معاملہ ہو جائے کہ کسی نے کہا تمھیں دھرم دیو پوچھ رہے تھے۔

دھرم دیو!...... دھرم دیو پوچھے تو پھر کیا کہنے ہیں۔ اس نے کوئی لمبی چوڑی باتیں نہیں کیں جو دھرم دیو متاثر ہو جاتا۔ نہ دھڑا دھڑ آئیڈیے سناتے نہ مکالموں کا رعب جھاڑا۔ بس گم سم بیٹھا رہا۔

"کچھ ایڈوانس کی ضرورت ہو تو......" اس نے چلتے وقت پوچھا۔

"بل جائے تو ٹھیک ہے۔" اس نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔

چیک بھنا کر وہ حسب عادت سید ھا ڈاک خانہ منی آرڈر کرنے پہنچا مگر کچھ سوچ کر اندر نہیں گیا۔ وہاں سے ٹیکسی پکڑی اور سیدھا ڈانڈے پہنچا۔ خوب ڈٹ کر پی، تازہ تازہ مکھن میں تلی ہوئی مچھلی کھائی۔ پھر دتو کا پتہ پوچھا۔

"پیڈر روڈ والے فلیٹ میں ہوگی یا شاید میرین ڈرائیو والے گھر میں۔" ٹھرکے "منیجر" نے کہا۔

"ایں؟" رندھیر چکرا گیا۔

"ارے ہاں پتہ جو پوچھ رہے ہو۔ ٹکھیائی کا پتہ کسے معلوم یار گھاس کھا گئے ہو؟"

رندھیر جب گھر پہنچا تو وہ چوکھٹ پر بیٹھی تھی اور بالکل دھرم پتنی کی طرح لڑنے لگی۔ اُس نے ایک جھاپڑ مارا۔ جب وہ کھاٹ پر گر کر اُسے گالیاں دینے لگی تو اُس نے پتلون کی جیب سے روپیہ نکال کر اُس کے اُوپر بکھیر دیئے۔

دو چار دن بعد رندھیر نے اُس سے باندرہ کی مسجد میں نکاح کر لیا۔ سید امجد علی۔ فلمی نام رندھیر کی شادی ثریا بیگم اصلی نام دتو سے بڑی خاموشی سے ہو گئی۔ اور تین بچے بھی ہو گئے۔

رندھیر کے ہاں دتو ہر طرح کا آرام دے سکتی تھی مگر بچوں کا گلا نہیں گھونٹ سکتی تھی۔ اور تین بچے باری باری روئیں تو کمائی کیسے بنے، اس لئے ورسوا میں ایک کاٹیج لے لی گئی۔ کاٹیج کا نام سن کر منگلا الف ہو گئی۔ وہ جانتی تھی ان کاٹجوں میں کیا ہوتا ہے۔

"پیڈر روڈ والے فلیٹ میں کیا خرابی ہے؟"

"ارے ہٹاؤ وہاں بیمار بڑھیا۔۔۔۔" دھرم نے ٹال دیا۔

"بے چاری بڑھیا کیا تمہیں کاٹے گی۔ چار بیڈ روم ہیں۔ ڈرائنگ روم ڈائننگ روم سب خالی ڈھنڈار پڑے رہتے ہیں۔ وہ ماں بیٹی تو سب ایک کمرے میں رہتی ہیں۔ سب بند پڑا ہے۔ تم اگلے دو کمرے لے لو۔ بالکل الگ ہیں۔ کھانا بھیج جائے گا۔" پھر منگلا نینی تال کے ردّیے کا رونا رونے لگی۔

یہ خبر بڑی تیزی سے انڈسٹری میں پھیلی کہ دھرم دیو زرینہ جمال کے ساتھ رہنے لگے ہیں۔ منگلا سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ منگلا خوب ہنسی۔ احمق کہیں کے۔

شوٹنگ شروع ہو گئی۔ صرف اسٹاف کے لوگوں کو معلوم تھا کہ ہیرو بدل گیا ہے۔ مگر یہ کسی کو نہیں معلوم سوائے چند خاص لوگوں کے کہ کہانی بھی بدل گئی ہے۔

انیل نے کچھ اُڑتی ہوئی خبر سُنی کہ شوٹنگ ہو رہی ہے، وہ دوڑا ہوا آیا۔

"مجھے اطلاع ہی نہیں دی۔" اسے اور کوئی تو ملا نہیں میک اپ مین سے پوچھا۔

"زرینہ کا کام ہو رہا تھا۔" اُس نے ٹال دیا اور جلدی سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر انیل بیٹھا بور ہوتا رہا۔ پھر دھرم سے ملنے گیا۔

"وہ ابھی باہر گئے ہیں۔" آفس بوائے نے کہا۔

دھرم دیو اندر ناگ بھوں چڑھائے بیٹھا تھا۔

"بیکار پریشان ہو رہے ہو، میں کہتا ہوں ٹھیک ہو جائے گا سب" کیشو نے پڑ کر کہا۔

انیل سیٹ پر چلا گیا۔ سب اُسے دیکھ کر بے حد کام میں مشغول ہو گئے۔ کام ہو رہا ہے کسے فرصت ہے۔

"ہلو" اس نے ترویدی کو دیکھ کر کہا۔

"ہلو" منہ پھیلائے ترویدی باہر چل دیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

"کیا بات ہے؟" انیل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ وہ نامرتی چلتا رہا۔

"بات اپنے تک ہی رہے۔" ترویدی نے میک اپ روم کی چٹخنی چڑھاتے ہوئے کہا۔

"ایں؟" انیل کے پیروں تلے سے زمین سرکنے لگی۔

"پکچر بند ہو گئی۔"

"ایں؟ تو پھر یہ شوٹنگ؟"

"پوچھو مت!"

"میرا کانٹرکٹ ہے مذاق نہیں۔ میں تو دھرم جی کی دھجیاں اڑا کے رکھ دوں گا۔ سمجھتے کیا ہیں۔"

"بس تمہاری طرف سے مجھے یہی ڈر تھا۔ میری طرف دیکھو بارہ سال سے اس انڈسٹری میں ناک گھس رہا ہوں۔ مانا کہ مجھ میں ہی کچھ کمی ہے ورنہ میرے اسسٹنٹ پروڈیوسر بنے بیٹھے ہیں۔"

"کیا بات کرتے ہیں۔۔۔۔ آپ تو ان اڑ کے ٹٹوؤں کو دس برس سکھا سکتے ہیں کہ بیٹا ڈائرکشن کیا چیز ہوتی ہے۔"

"جانتا ہوں پیارے۔۔۔۔۔ مگر یہاں تو نصیب چلتا ہے نصیب۔ تم چاہو تو یہ قصہ کورٹ تک لے جا سکتے ہو۔ پر جانتے ہو کیا ہوگا؟"

"کیا ہوگا؟"

"مقدمہ جیت جاؤ گے۔۔۔ کتنا دھائی کا کانٹرکٹ ہے؟"

"دس۔۔۔۔ تیس بلیک۔"

"تیس کا تو کوئی سوال نہیں اٹھتا۔ رہ گئے بیس تو تم لے چکے ہو۔ یعنی دس وہائٹ اور۔۔۔۔۔۔"

"پانچ کی رسید دی ہے۔"

"پانچ اور مل جائیں گے۔ پھر وہ جو کانٹرکٹ دھرم جی کی وجہ سے ملے ہیں ان میں سے تین تو مجھے معلوم ہے گول ہو گئے۔ رہ گئے دو۔ اگر تم نے یہ لفڑا چالو کر دیا تو وہ بھی کھٹائی میں پڑ جائیں گے۔ کورٹ میں دھرم جی کے ساتھ ہم سب گواہی دیں گے کہ تم بالکل کوڑا ہو۔ بہت پیسہ برباد کر دیا یعنی تال تمہارے سر منڈھ دیا جائے گا۔ سوچو پھر کون تمہیں ہاتھ لگائے گا۔"

"میں تھوکتا بھی نہیں اس انڈسٹری پر۔ میں کوئی ننگا بھوکا نہیں۔"

"ہاں تم واپس لوٹ سکتے ہو، میرے لیے کوئی راستہ نہیں۔"

"ترویدی صاحب۔۔۔۔"

"اگر تم ٹھنڈے دل سے سنو تو۔۔۔۔۔ میں دھرم دیو سے کھلم کھلا بگاڑ نہیں کروں گا۔ وہ اپنی سی کرنے پر اتر آیا تو میرا کباڑا ہو جائے گا۔ بڑا ہیرا آدمی ہے مگر جب ضد آ جائے تو بڑا زہریلا آدمی ہے۔ اندر والے سیٹھ بڑے سیدھے سے

آدمی ہیں ۔ اُنہوں نے ابھی انڈسٹری نہیں کھنگالی ہے ۔ اس سے پہلے کہ کوئی عشکابی دیال جی والی پکچر سیٹ پر چلی جائے ۔ میں اس دن سے ہمیشہ ڈرتا تھا ۔ میں نے پوری تیاری کر لی ہے ۔ تمہارا رول ایسا ہے کہ تم جم جاؤ گے ۔ جذباتی نہ ہو ۔ سمجھ گئے ؟"

"سمجھ گیا ، مگر ایک دفعہ فلم بن جائے پھر ......"

"پھر تم کامیابی کی خوشی میں سب بھلا دو گے ۔ میں دیال جی کے ہاں جا رہا ہوں اُنہوں نے بلایا ہے ۔ چلتے ہو ؟"

"چلیئے ۔" انیل کھڑا ہو گیا

"یوں نہیں تم چلو ، مجھے ایرانی کے ہوٹل کے پاس مل جانا ۔ وہاں سے ٹیکسی

لے لیں گے ۔ مجھے ذرا کیشو سے کام ہے ۔"

لوگ کیسی بے پر کی اڑایا کرتے ہیں ۔ منگلا یہ اچھی طرح جانتی تھی ۔ خود اس کے لئے شادی سے پہلے مشہور ہو گیا تھا ، دھرم نے اس کا اسقاط کروایا تھا ۔ دھرم کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں تھی ۔ جب ریتا پروہت کی شوٹنگ کے زمانے میں زہر ہوا تھا ۔ تو ساری انڈسٹری میں دھوم مچ گئی تھی ۔ اُس نے اپنے جاسوس چھوڑ دیئے تھے ۔ جو اسے منٹ منٹ کی خبر دیتے تھے ۔ زرینہ پر اسے شک کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں نظر آتی تھی ۔ جب دھرم پیڈر روڈ والے فلیٹ میں کام کر رہا تھا تو زرینہ کی بڑی بہن اور بہنوئی آگئے تھے ۔ ماں کی بھی طبیعت ٹھیک تھی ، اس لئے یا تو وہ اسٹوڈیو چلی جاتی جہاں ناچ کی مشق کرتی تھی یا منگلا کے پاس آجاتی ، دونوں شاپنگ کو جاتیں یا بیٹھی گپیں لگایا کرتیں ۔ زرینہ حد درجے کی باتونی تھی ، وہ اب بھی نہ فلمی پریوں کے سے کپڑے پہنتی تھی نہ میک اپ کرتی تھی ۔

منگلا روز اسٹوڈیو جاتی تھی ، مگر اس نے کبھی زرینہ کو دھرم کے آفس میں نہیں دیکھا ۔ دھرم نے اب ایک مستقل اسٹوڈیو لے لیا تھا ۔ جس کے ساتھ ہی پورا فلیٹ لگا ہوا تھا ۔ اب اسکرپٹ کا کام دھیمی ہونے لگا ۔ زرینہ کے فلیٹ میں اس کی دوسری بہن بھی آگئی ہوئی تھی ۔ ان لوگوں کی تکلیف کے خیال سے دھرم نے اسٹوڈیو کا فلیٹ فرنش کر لیا تھا ۔ جب منگلا ہوتی تو وہ رات کے

ساتھ دفتر میں جا بیٹھتی بس پورے وقت اس کا بٹوہ اٹھائے ساتھ رہتی. ایسا خیال کبھی کسی ہیروئن نے منگلا کا نہیں کیا تھا۔ اُسے زرینہ پر بہت پیار آتا تھا۔ شوٹ کے بعد وہ بھاگی بھاگی منگلا کے پاس آتی ۔

"ٹھیک تھا نا دیدی؟"

"اپنے ڈائرکٹر سے پوچھو۔"

"واہ جی ہم تو ڈائرکٹر کے ڈائرکٹر سے پوچھیں گے ۔ بس آپ سے ہی ٹھیک رہتے ہیں ۔ ورنہ بس اپنا تو دم نکلتا ہے۔"

"تمہیں ان سے ڈر لگتا ہے؟"

"بہت!"

"کیوں؟"

"ارے بڑے غصّے کے تیز ہیں۔ سنا ہے مار بیٹھتے ہیں۔"

"ہٹ پگلی ۔ یہ تجھ سے کس نے کہہ دیا......"

"سائیلنس۔" دھرم نے دونوں کی کھسر پُسر سے چڑ کر کہا۔ نایک ٹیک ہو رہا تھا۔ زرینہ دُبک گئی۔

"کیا تم لوگ بڑبڑ کیا کرتی ہو۔ چپکی نہیں بیٹھتیں تو بھاگو یہاں سے۔" وہ منگلا کے پاس آکر بولا۔

"دیکھا" زرینہ نے سہم کر منگلا کا بازو پکڑ لیا "بھاگ چلو۔ اسی میں خیریت ہے۔"

"اچھا بابا جاتے ہیں۔" منگلا اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے بیٹھو میں نے تو مذاق کیا تھا۔"

"او ہو تو تم سمجھے ہم واقعی ڈر گئے۔ بابا کو دودھ دینا ہے۔" منگلا بٹوہ اُٹھا کر چلی گئی۔ اُس نے مڑ کر نہیں دیکھا کہ جب دھرم نے زرینہ کو ڈانٹا کہ بیچ سین میں اِدھر اُدھر کی باتیں نہ کیا کرو۔ موڈ ختم ہو جاتا ہے سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس نے نادم ہو کر منانے کے لئے جلدی سے ہتھیلی بڑھا دی۔ دھرم کا منہ ایک دم نق ہو گیا۔ جیسے کوئی چیز اس کے وجود میں سے اُمبھد ہو اور زرینہ کی

مہندی ہتھیلی پر تڑپنے لگی۔ زرینہ بھی اس کا رنگ دیکھ کر ڈر گئی۔ شاید وہ اس مذاق کو بھول گیا ہوگا جبھی تو یوں غیروں کی طرح گھورنے لگا۔

سین بہت ہی نازک تھا۔ زرینہ ایک نہایت سستے قسم کی آبرو باختہ لڑکی کے روپ میں ایک بھولے بھالے شریف زادے کو بہکا کر اپنے کوٹھے پر لے جارہی ہے۔ دو مہینوں سے ہزاروں روپے کی لاگت سے بنایا ہوا سیٹ پورے اسٹوڈیو میں کھڑا تھا۔ معلوم ہوتا تھا بمبئی کی گندی گلی لاکر سجادی گئی ہے دھرم دیو معصوم اور شریف ہیرو کے روپ میں کچے دھاگے سے بندھا اس کے جادو سے مسحور کھنچا چلا جارہا تھا۔ زرینہ کے چہرے کا اتار چڑھاؤ ٹھمکتی ہوئی چال اور جسم کی توڑ مروڑ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہایت تجربہ کار جسم فروش ہے۔ اس کے چہرے پر بدکاری کی پھٹکار تھی اور نگاہوں میں ننگی بھوک۔ پورا عملہ اس کی اداکاری سے مبہوت ہو رہا تھا۔ زرینہ کی بہن بڑے جی شوٹنگ دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اس بھیانک سین کو دیکھ کر سر سے پاؤں تک لرز رہی تھی۔ منگلا بھی سین سے ایسی متاثر تھی کہ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ گانا جو اس نے آنناجی لگاکے گایا تھا زرینہ کے ہونٹوں پر آتنا عریاں اور فحش ہو جائے گا۔ کئی دن سے دھرم اس سین میں جان ڈال رہا تھا۔ دن رات ایک کر دیئے تھے۔ آج شاید وہ بھی یہ بھول گیا تھا کہ صرف فلم کا ایک سین ہے۔ سین کے خاتمہ پر دیر تک سناٹا رہا۔

"کیسا رہا دیدی؟" زرینہ منگلا کے سامنے دو زانو ہوکر پوچھ رہی تھی۔ منگلا نے ایک پل کو اس فاحشہ کو دیکھا جو اس کے معصوم بچی کو تباہی کے غار میں لئے جارہی تھی۔ ان معصوم آنکھوں میں ایک فن کار کی التجا تھی۔ اس نے لمبی سانس کھینچی اور زرینہ کو سینے سے لگالیا۔

اسٹوڈیو تالیوں سے گونج اٹھا۔ دھرم کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے ایک لفظ بھی زرینہ سے نہیں کہا اور دوسرے شوٹ کی تیاری میں جٹ گیا۔

دھرم کی یہ پرانی عادت تھی کہ جب شوٹنگ شباب پر ہوتی تھی تو سوائے فلم کے وہ ہر چیز کو بھول جایا کرتا تھا۔ منگلا سے بھی اس کی مانگ بہت سو

پڑجاتی تھی۔ پھر اُسے بالکل اپنی سوتن لگتی تھی جس کی چاہ میں وہ اپنی چہیتی بیوی کو بھی بھول جایا کرتا تھا۔ مگر اب وہ اتنی نادان نہ تھی۔ وہ دھرم اور اس میں رچے ہوئے فن کار کو پہچان چکی تھی۔ پہلے وہ حسد اور جلن کی آگ میں تپا کرتی طرح طرح کے شک کرتی، جاسوسیں لگاتی، ذرا ذرا سی بات کا تبنگڑ بنا دیتی، مگر اب اُس نے ہر طرف سے ٹھوک بجا کر دیکھ لیا تھا۔ اس کے دل میں شک شبہے پیدا ہوتے تو وہ بلا سوچے سمجھے پھٹ پڑنے کے بجائے ٹھنڈے دل سے جانچ پڑتال کرتی اور اطمینان کر لیتی کہ یہ سب ایکٹنگ ہے۔ باہر ہی باہر ہے اندر کچھ نہیں، جیسے یہ دکھاوے کے محل دو محلے کچھ نہیں صرف پھچیاں ہیں۔

مگر پھچیاں ہی جوڑ جوڑ کر ارتھی سجائی جاتی ہے!

کیسی چھوٹی سی بات تھی، جو بنی تو پہاڑ بن گئی۔

رندھیر میک اپ روم میں زرینہ کو سین اور مکالمے سمجھا رہا تھا۔ وہ بڑے انہماک سے سُن رہی تھی۔ اس کا چہرہ سین کے تاثر سے پگھلا جا رہا تھا۔ ملگجی سی ساڑھی میں وہ بڑی ہی دکھی اور لاچار لگ رہی تھی۔ دھرم بڑے غور سے اس کے چہرے کی نازک لرزشیں دیکھ رہا تھا۔

رندھیر کسی کام سے باہر چلا گیا، مگر وہ اسی طرح کھوئی ہوئی سین میں غرق بیٹھی رہی۔ اس کی اس خود فراموشی پر دھرم بے چین ہو گیا۔ وہ اس کے قریب گیا، مگر وہ پتھر کی مورتی بنی رہی۔ اپنی عادت کے بالکل خلاف اس نے

اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔ وہ اب تک ایکٹنگ کر رہی تھی، اس نے نامراد آنکھیں اوپر اٹھائیں اور ایک آنسو موتی بن کر ٹپک پڑا۔

کہ یہ بھی سین میں تھا۔

مگر دھرم وہاں نہیں تھا۔ اس نے کندھے پکڑ کر اسے اٹھایا۔

زرینہ سسکی بھر کے اس کے سینے سے لگ گئی۔ کہ یہ سین تھا۔

دھرم نے جھک کر اپنے ہونٹ اس کے کانپتے ہوئے ہونٹوں پہ رکھ دیئے، مگر یہ سین میں نہیں تھا۔

وہ نہ گھبرائی نہ بگڑی، اس کی بانہیں دھرم کی گردن میں حمائل ہو گئیں۔

اس کی گردن میں منہ چھپالیا۔ پھر اس کے کرتے کا بٹن دانتوں میں لے کر کھل سے ہنس دی۔

کسی کے قدموں کی چاپ سن کر وہ اچھل کر الگ ہوگیا اور رندھیر آیا تو بغلیں جھانکنے لگا، مگر زرینہ وہی شرمائی ہوئی مسکراہٹ لئے خلا میں کھوئی رہی۔

"شوٹ تیار ہے۔ چلو" وہ فائیل اٹھا کر چل دیا۔ دھرم بھی لپک کر اس کے پیچھے بھاگا۔

"کتنا خوبصورت سین ہے" اس نے میک اپ مین سے کہا، جو اس کا میک اپ درست کر رہا تھا، وہ کچھ نہ سمجھا۔ جب زرینہ سیٹ پر آگئی تو دھرم کی گھگی بندھی ہوئی تھی، اس کی طرف دیکھتے ہوئے جان نکل رہی تھی، کبھی بھول چوک کی بڑی قیمت بھگتنی پڑتی ہے احمق پروڈیوسر کو۔ اب سالی رعب گانٹھے گی۔ ایسی دلیر نظروں سے دیکھے گی کہ میک اپ روم والا سین سب پلشت از بام ہوجائے گا۔ بس اٹھلانا۔ موقع بے موقع لگاوٹ شروع ہوجائے گی۔ بڑا دھمال مچے گا۔ منگلا چیا جلائے گی۔ فلم رگڑے میں پڑجائے گی۔

مگر وہ آئی تو اتنی ہی مؤدب اور مستعد جیسی پہلے دن تھی کہ دھرم کو شبہ ہونے لگا کہ کہیں یہ اس کے دماغ کا واہمہ تو نہ تھا۔ کچھ ہوا بھی تھا یا نہیں! سین اس نے اتنا ڈوب کر کیا کہ خود دھرم بالکل سپاٹ ہوگیا۔ بار بار شوٹ لیا جاتا۔ زرینہ پہلے سے زیادہ بہتر ثابت ہوتی۔ دھرم اور بھی کوڑا ہوجاتا۔

"کیا موڈ نہیں ہے؟" رندھیر نے آہستہ سے پوچھا اور دھرم کے اندر سہما ہوا فنکار دلیر ہوگیا اور پھر فلم کی گاڑی پٹریاں بدلنے لگی۔ دھرم نے سیدھی سڑک چھوڑ کر گھاٹیوں میں اترنا شروع کردیا۔ رندھیر کی روح فنا ہونے لگی۔ مگر وہ جذباتی دھرتی کے بعد جسمانی توڑ مروڑ پر اتر آیا، مگر زرینہ کاٹھ کی تپلی کی طرح تھی۔ جس سین کے بعد دھرم گھنٹوں بدحواس رہتا۔ برانڈی کی ضرورت پڑجاتی زرینہ لوٹ پوٹ کر پھر وہی کی وہ۔ صاف دل کھلنڈری۔ مؤدب!

"سب ستیاناس کر دے گا" رندھیر دل میں سوچتا۔ پر دھرم جی کا موڈ بنتا ہے تو سب چلتا ہے۔ فلم جتنی بنی ہے بے مثال ہے۔ ڈوبنے کا اب خطرہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ زلزلہ نہ آجائے گو زلزلے کے تمام آثار ظاہر ہونے لگے

تھے۔ دھرم کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔ نیند بہت کم ہو گئی تھی۔ رندھیر کو جھونکے آنے لگتے" وہ ڈرتا رہتا۔ اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی کہ کیا کرے۔ رات دیر تک گھر سے باہر رہنے پر دتو واویلا مچانے لگی تھی۔

رندھیر کو غصہ آتا تھا منگلا پر کہ وہ دور ہی دور سے بو سونگھ کر تو کہنی ہو جایا کرتی تھی۔ کیوں ڈھیل دے رہی تھی۔ دھرم کھلی کتاب کی طرح تھا جسے پڑھنا مشکل نہ تھا۔ ایک دن باتوں باتوں میں اس نے پوچھ ہی لیا۔ دھرم نے جھٹلایا نہیں بس خاموش ہو گیا۔ رندھیر نے دوسری ہی چال چلی۔

" یار۔ آج میں جلدی ہی جاؤں گا کیونکہ دتو کی طبیعت خراب ہے"

" ارے کیا ہو گیا؟"

" کچھ عورتوں کی تکلیف ہے"

" تو تم کیا دائی ہو، تم کیا کرو گے۔ چلو ڈاکٹرنی کو لیے چلتے ہیں۔ آج وہیں بیٹھیں گے"

" جی ہاں وہیں بیٹھیں گے۔ صاف بات سنو گے؟ میری عورت سنیاسی نہیں۔ جوان ہے اور اسے میری ضرورت ہے"

" یار تم تو کہہ رہے تھے کچھ عورتوں کی تکلیف۔۔۔"

" تو کیا بس مردوں ہی کو ہوتی ہے عورتوں کو نہیں ہوتی؟ تمہارا اور بھابی کا نہ جانے بھائی کیا معاملہ ہے۔ میرے خیال میں اسی مارے تمہیں نیند نہیں آتی"

دھرم پھر خاموش ہو گیا۔

" کتنے دن ہو گئے؟"

دھرم خاموش رہا۔

" بھئی کمال ہے، عجیب آدمی ہو"

اس دن اس نے منگلا کو فون کر دیا کہ کھانا نہ لائے وہ گھر آ کر کھائے گا۔ منگلا کا روم روم مگن ہو گیا۔ بڑے اہتمام کیے۔ بال کو جلدی سے سکھایا۔ نہا دھو کر گہرا رنگ کی تیتری کی ساڑھی پہنی۔ گیلے بال دھرم کو بہت پسند تھے۔ اس نے یونہی کھلے چھوڑ دیے۔ دھرم نہا دھو کے بیٹھا تو وہ رچنے لگا۔ دھرم

کچھ چپ چاپ سا تھا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

"ہائے زرینہ کو کیسا سڑا سا رول دے دیا ہے، جھمکدار کپڑوں کا ایک بھی تو سین نہیں۔ ڈریم سیکوینس ڈال دو نا!"

"ڈریم سیکوینس؟ یہ اس ٹائپ کی پکچر نہیں۔"

"اونھ کیا فرق پڑتا ہے پبلک تو پسند کرے گی۔"

"میں جو پسند نہیں کروں گا۔"

منگلا کی سمجھ میں نہ آیا کس موضوع پر بات کرے۔

"برمن دادا نے کہا تھا تھیون کے لئے، مجھے تو اچھی لگی..... تم نے سُنی؟"

"ہٹاؤ پکچر کی باتیں دماغ خالی ہو رہا ہے۔" اس نے منگلا کے نم بالوں کی لٹ اپنے دانتوں میں پکڑ لی۔ منگلا نے اپنا چہرا اس کی گردن میں چھپا لیا۔ دھرم نے ہاتھ بڑھا کر لیمپ بجھا دیا۔

"کتنا سُندر سین لکھا ہے رندھیر نے میرا تو پڑھ کر ہی تن کانپنے لگا۔" اس نے سین کی یاد میں اس کے کُرتے کا بٹن دانتوں میں دبا لیا اور ہنسنے لگی۔

دھرم کو ایسا معلوم ہوا کسی نے پچکاری سے ایک دم سارا خون اس کے جسم سے کھینچ لیا۔ اس نے آہستہ سے منگلا کو ہٹایا اور پیر لٹکا کر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا؟" منگلا نے کہنی کے بل ہو کر پوچھا۔

اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا صرف سر ہلاتا رہا۔ پھر وہ اُٹھ کر غسل خانے کی طرف لپکا اور واش بیسن پر جھک گیا۔

"خالی پیٹ پینے سے یہی ہوتا ہے۔" وہ اس کے ماتھے پر یوڈی کلون چھڑکنے لگی۔

"سوری منگلا!" اس نے منگلا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جلتی ہوئی آنکھوں پر رکھ لیا۔

۷

جیسے ماں ہزار بچوں کے رونے کی آواز میں سے اپنے بچے کی آواز سن کر فوراً پہچان لیتی ہے۔ اسی طرح دھرم کا پورا اسٹاف اس کے رویے سے فوراً اس کے ذہن کے پردوں میں چھپے ہوئے طوفان کو اچھی طرح پہچان رہا تھا۔ چھوٹے عملے نے تو ادھر ادھر نوکری کی تلاش میں ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے تھے۔ اگر کوئی پروڈیوسر دیوالہ نکال کر غائب ہو جاتا تو اس کا اسٹاف سر کٹی مرغی کی طرح تڑپتا رہ جاتا۔ پروڈیوسر کی جا و بے جا طرفداریاں کر کے وہ ویسے ہی فلم انڈسٹری میں جگہ کھو چکے ہوتے ہیں۔

دھرم نے ہر شعبے میں تباہی برپا کر دی۔ اچھی بھلی شوٹنگ رد کر دی۔ ادھورے سین چھوڑ کر ایک دم پھر "ناز" کی شوٹنگ شروع کر دی۔ ترویدی کو واپس بلا کر خوب اس سے الجھا۔

"اگر میں کوئی غلطی کرتا ہوں تو تم لوگ مجھے روکتے کیوں نہیں، کمپنی کا سارا منافع میری جیب میں تو نہیں جاتا۔" سب کو معلوم تھا کہ واقعی اتنا کمانے کے بعد اس کی جیبیں خالی تھیں۔ ادھر کا روپیہ ادھر ہو رہا تھا سب کا جی اچاٹ ہو رہا تھا۔

پھر اس نے ترویدی کو ٹال دیا اور اپنے دو کانٹرکٹ باہر کر لئے۔

"بھاڑ میں جائے یہ کمپنی!" منگلا نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ اسٹار

کے مزے ہوتے ہیں۔ اسٹاف کا جھگڑا تو نہیں گھسیٹنا پڑتا۔

رندھیر چونکہ دھرم کا مرضی داں تھا سب نے اُسی کو گھیرا۔
دھرم کو تو کام مل گیا، لیکن دوسرے تو بے موت مر جائیں گے۔ کمپنی ڈوبنے کا سارا بوجھ انھیں بھگتنا پڑے گا۔

"آخر یار بات کیا ہے؟"

"دل آ گیا ہے۔"

"ہشت۔" دھرم کا چہرہ گلابی ہو گیا۔

"ارے تو اس میں یوں تلا بازیاں کھانے کی کیا بات ہے؟"

دھرم خاموش رہا۔

"تم تو یار بالکل لونڈوں کی طرح دم دئے دے رہے ہو۔ دو پیسے کی لونڈیا کے پیچھے دس سال کی محنتوں پر پانی پھیرو دیتے ہو۔"

"میرا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔" دھرم نے دل کا بوجھ ہلکا کر ہی ڈالا۔

"اِک آگ سی بھڑک رہی ہے۔"

"تو کون تمہارا گلا کاٹ رہا ہے۔ اماں یار محبت ہی تو ہے سالی ہو گئی تو قیامت تو نہیں آ گئی۔"

"تم نہیں جانتے میں کس بلا میں گرفتار ہوں۔ جی چاہتا ہے یہ لائن ہی چھوڑ کر کہیں دور چلا جاؤں۔"

"اماں مرے کیوں جاتے ہو۔ خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا رہے ہو۔ تم میرے ساتھ چلو۔"

"کہاں؟"

"جہنم میں۔"

"بھابی!" رندھیر نے منگلا کو فون کیا، "دھرم کو ذرا میں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ بڑی ٹیڑھی سچوئیشن پھنس گئی ہے، ہم لوگ رات بھر بیٹھیں گے۔"

"وہیں کھانا لے کر آؤں؟"

"نہیں بھابی، وہ تو بُرا مان جائے گی۔ تم کیوں تکلیف کرتی ہو۔ اگر جلدی کام نمٹ گیا تو آپ کو فون کر دیں گے اور پھر کھانے کے بعد نیند آنے لگتی ہے۔"

"تو اب اٹھو" اس نے دھرم سے آنکھ مار کر کہا۔ اس کا منہ ذرا سا ہو رہا تھا۔ باہر نکل کر اس نے بڑی لاپرواہی سے کہا "زرینہ جی کو لیتے ہوئے پہنچ جانا۔ بلدیو سے میں نے کہہ دیا ہے۔ وہ تمہیں کوالٹی کے سامنے ملے گا۔ اور وہاں سوڈا نہ بھولنا"

"یہ کیا کر رہے ہو؟"

"تمہارا سر"

"نہیں!" دھرم سر سے پیر تک لرز گیا۔

"ارے تو اس میں بات ہی کیا ہوئی۔ اگلا سین ڈسکس کرنا ہے نا۔"

"اوہ!" دھرم ٹھنڈا پڑ گیا۔

زرینہ جمال میک اپ سمیت ہی گھر چلی جایا کرتی تھی۔ وہی اسٹوڈیو کی میلی کچیلی ساڑھی پہنے چلی آئی نہ کچھ پوچھا نہ گچھا، نہ تنی نرشی آ گئی۔

رندھیر اور دھرم اندر بیٹھے پی رہے تھے۔ بچے اوپر کے حصے میں سونے جا چکے تھے۔ زرینہ صحن میں بیٹھی کتے کے پلوں سے کھیل رہی تھی۔ وہ اتنی بڑی اسٹار تو تھی نہیں کہ گھر والے اس کے آگے پیچھے پھرتے یا پڑوسیوں سے ملنے جاتے وقت اس کی اجازت طلب کرتے۔

"وہ اگر غل مچاتا تو" دھرم کے ہاتھ نئی دلہن کی طرح سرد تھے۔

"تو سالی کا گلا دبا دینا۔"

مگر زرینہ نے غل نہیں مچایا۔

جب رندھیر اور وہ تو واپس لوٹے تو دھرم دیوار آمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اس کا ہونق چہرہ دیکھ کر رندھیر کا دل ڈوبنے لگا مگر جب غور سے دیکھا تو نئی دلہن نے مسکرا کر نظریں جھکا دیں۔

"بیوپیارے!" رندھیر نے ...... اس کا کندھا تھپتھپا کر کہا اور دھم سے پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا۔

"میں بہت کمینہ ہوں" دھرم نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"کون سی نئی بات بتا رہے ہو۔ مرد کی ذات ہی کمینی ہوتی ہے"

رندھیر نے فخریہ کہا "یہی مرد کی شان ہے، کہ حرام کاری کرتا ہے مگر چھپا

لیا ہے !"
کمرے میں جھانک کر دیکھا تو زرینہ ساڑھی میں منہ چھپائے گڑی مڑی پڑی تھی۔
"اسے گھر بھجوا دو" دھرم نے سہم کر کہا اور خود غسل خانے میں چلا گیا۔
دتو نے زرینہ کا شانہ چھوا تو معلوم ہوا غافل سو رہی ہے۔
دوسرے دن سیٹ پر دھرم کے اوسان خطا تھے۔ رندھیر کو بھی اختلاج ہو رہا تھا۔ شوٹ تیار تھا اور ابھی تک زرینہ نہیں آئی تھی۔ ڈرائیور نے واپس آکر کہا "وہاں کوئی نہیں ہے۔ گھنٹی بجاتے بجاتے تنگ آگیا"
"کسی سے پوچھا ہوتا"
"پوچھا، صاحب بمبئی میں کسی کو کچھ پتہ نہیں رہتا کہ پڑوس میں کیا ہو رہا ہے"
صبح سے دھرم بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ رندھیر کو بھی معلوم تھا کہ اب کمبخت آئے گی تو نخرے بگھارتی اٹھلاتی جیسے رات کے سودے میں سارے اسٹوڈیو کو خرید لیا۔ اسے پروڈیوسر کی منہ چڑھی عورتوں نے بڑے دکھ دئے تھے۔ اپنی ذلت کا انتقام اسٹاف کے جوتیاں لگا کر لیتی ہیں۔ زرینہ نہ جانے کب سے اس دن کی تاک میں تھی، کمال ہے!
ساڑھے دس بج گئے تب تو اعصاب کا تناؤ چٹخنے لگا۔
"رندھیر، کیسے معلوم ہو کہ فلیٹ میں کوئی نہیں!"
"ٹیلی فون کوئی نہیں اٹھاتا، نہ ڈرائیور۔۔۔۔۔ ہیں؟ نہیں یار!" دھرم کا اڑا ہوا چہرہ دیکھ کر رندھیر کے بھی حواس جانے لگے۔ اگر یاں بیٹی نے کچھ کھا لیا۔۔۔ اور چٹھی چھوڑ دی تو؟
"چلتے ہو، دفتر میں ایک چابی فلیٹ کی پڑی ہے"
جیسے ہی دونوں اٹھے، جیسے مشین گن کی باڑھ چل پڑی۔
زرینہ اور منگلا موٹر میں سے اتریں اور تیز تیز ان کی طرف لپکیں۔
"یا پیر دستگیر ـــــ یا مشکل کشا۔۔۔۔۔" رندھیر کا حلق خشک ہو گیا۔ آج اڑیں گے پرزے!

"امینہ کے بیٹا ہوا ہے۔" منگا نے چہک کر کہا۔ ساڑھے سات پاؤنڈ یہ موٹا تگڑا۔" امینہ زرینہ کی بہن تھی۔

"ایں؟" دھرم لڑکھڑا کر کرسی سے اُچھلا۔

"میں نے ہسپتال سے فون کیا۔ ایکسچینج۔ ایکسچینج۔ کیا مصیبت ہے۔" زرینہ ڈرامائی انداز میں بولنے لگی۔ "میں نے ویدی کو فون کیا۔"

"ببلو ضد کرنے لگا، ہم بھی چلیں گے۔ اتنے سویرے کیسے لے جاتی..." منگا فر فر بولے جا رہی تھی۔ "اور وہاں یہ پگلی ڈر کے مارے دم دیئے دے رہی تھی کہ شوٹنگ پر دیر ہو جائے گی تو دھرم جی مار ڈالیں گے۔"

دھرم جی بڑے انہماک سے میز کی دراز میں کوئی نامعلوم سی چیز ڈھونڈ رہے تھے۔

آپ کے ہاں سے آئی تو آپا بیٹھی رو رہی تھی۔ مجھے کیا پتہ تھا، میں تو موٹر واپس کر چکی تھی۔ بڑی مشکلوں سے ٹیکسی آئی تب میں اور اماں..." زرینہ بکے جا رہی تھی۔ "بس دس منٹ میں ریڈی!" وہ میک اپ روم کی طرف بھاگی۔

رندھیر اپنے جوتے کے تسمے باندھ رہا تھا۔

"ایسی تیسی بچہ کی یا دلالی میں بھی منہ کالا کرو۔" اس نے بوٹ کا تسمہ اتنی زور سے کسا کہ ٹوٹ کر ہاتھ میں آ گیا۔

دن بھر زرینہ نہایت مستعدی سے شوٹنگ کرتی رہی۔ بالکل معمول کی طرح رندھیر نے اسے مکالمے سمجھائے۔ جھوم جھوم اٹھی۔ دھرم نے سین کی وضاحت کرتے وقت آنکھوں میں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی وہاں کچھ نہ تھا۔ سین سنتی گئی اور ہمیشہ کی طرح اس میں ڈوبتی گئی۔

لنچ بریک میں دھرم اور رندھیر کی آنکھیں چار ہوئیں

"خدا قسم بھابی کو دیکھ کر تو میری جان ہی نکل گئی تھی!"

"میری تو ابھی تک نکلی ہوئی ہے۔"

"پیارے اب بھی قسور رہے ہو، سچ بتاؤ کچھ رات معاملہ پٹا بھی یا غچہ دے گئی؟"

"نہیں یار...... یہ سوچ رہا ہوں وہ کون ہوگا؟"

"وہ کون؟"

"وہ اُس کا پہلا عاشق ۔"

"لاحول ولا قوۃ ، یار حد کرتے ہو ۔ جی چاہتا ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"تم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں تمھیں کیسے سمجھاؤں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شاید وہ اُسے چاہتی ہو گی ۔"

"تم نے پوچھ لیا ہوتا ۔"

"وہ ٹال گئی ، بس چپ ہو گئی ۔ یار اتنی سی عمر میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"وہ سوکھی ماری ہے ، اس لئے ذرا سی لگتی ہے ۔ ایسی ننھی نہیں ۔ خیر تمھارا جنون تو ٹھنڈا ہو گیا ۔ یار ایک بات یاد رہے کہیں بھابی کے سامنے نہ اُگل دینا ، بڑے ٹھنٹھنے والی عورت ہے ۔ مگر ایک بات کہوں گا یار قسم سے بھابی معمولی عورت نہیں دیوی ہے ۔ اس چڑیل سے کس پیار سے ملتی ہے ۔"

دونوں منگلا کے گن گاتے سیٹ پر پہنچ گئے ۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی خواہش پوری ہو جائے تو گھر کی مرغی دال برابر ہو جاتی ہے ۔ مگر زرینہ کو پا کر بھی دھرم کی پیاس نہ بجھی بلکہ وہ تشنہ ہو گئی ۔ اسے جیت کر بھی احساس ہار کا رہا ۔ جسم ملا مگر روح ہاتھ نہ آئی ۔ سب سونپ کر بھی وہ نہ جانے کون سی انجانی چیز اس سے بچا لے جاتی ۔ ہر دم ساتھ رہ کر بھی وہ اچھوتی اور اجنبی ہی رہی ۔ اس کے چہرے کی معصومیت اور کنوارپن قائم رہا ۔ اس کے وجود کا اندرونی تقدس کسی غلاظت سے ملوث نہ ہو سکا ۔ نہ اس کی شوخی اور الھڑپن میں کوئی فرق آیا ۔ وہ اسے پگھلانے کے لئے سلگتے ہوئے جملے بولتا چلا جاتا ۔ اس کے تلوے آنسوؤں سے تر کر دیتا ۔ شدت جذبات سے اس کا دم گھٹنے لگتا ۔ تب وہ کوئی نہایت بچکانہ بات کی آڑ لے کر کھلکھلا کر ہنس پڑتی ۔ وہ اس کی آغوش سے نکل کر جب سیٹ پر جاتی تو بالکل غیر ہوتی ۔ جیسے ایک سیٹ سے دوسرے سیٹ پر ، ایک سین سے دوسرے سین پر ، وہی تحمل ، خلوص جوجھوں میں وہی سیٹ پر دھرم کبھی بڑے معنی خیز انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا تو اس کا دل بیٹھ جاتا ۔ ان آنکھوں میں گزری ہوئی راتوں کا کوئی ذکر نہ تھا ۔

تب وہ بے طرح خائف ہو جاتا۔ وہ مجھے نہیں جانتی، دھرم دیو ڈائرکٹر کو جانتی ہے۔ مجھے بھول چکی ہے۔ میں جو صرف ڈائرکٹر نہیں، میں ہوں۔

وہ اسے کسی بہانے سے سین سمجھانے کے لئے میک اپ روم یا دفتر میں لے جاتا۔

"کیا کچھ خفا ہو؟" وہ مجرموں کی طرح پوچھتا۔

"نہیں تو، کیوں؟" وہ بڑی سادگی سے پوچھتی۔

"کام کا موڈ نہیں.......؟"

"نہیں نہیں، آج تو بہت موڈ ہے۔ بہت ہی خوبصورت سین ہے۔"

وہ ڈر جاتی۔

"تھکی ہوئی ہو؟"

"نہیں" "بالکل نہیں۔"

"اللہ قسم؟" دھرم نے زرینہ سے قسم کھانی سیکھ لی تھی۔

"اللہ قسم!" وہ بڑی سنجیدگی سے کہتی۔

پھر وہ دونوں ہاتھ پھیلا دیتا اور وہ مورتی کی طرح تھرکتی اس کی باہوں میں سما جاتی اور اس کے گردن کی دھڑکتی ہوئی رگ پر ہونٹ رکھ دیتی۔

دو سال سے فلم بن رہی تھی، مگر اس کے ٹرائیل دیکھنے والوں کا ایمان تھا۔ کہ ہٹ ہو یا نہ ہو یہ دھرم کی سب سے شاندار فلم ثابت ہوگی۔ اسی لئے اس نے ابھی تک پوری بزنس نہیں کی تھی۔ ہر جگہ ایڈوانس پہ دینے کا ارادہ تھا تاکہ ساری محنت اور خرچہ وصول ہو جائے۔

شوٹنگ کے زمانے میں اُس کے اسٹاف نے زرینہ کے اور اس کے تعلقات کو کنواری کا بھید سمجھ کر چھپایا۔ کیتوان سب کا سرغنہ تھا۔ وہ دھرم کو اچھی طرح جانتا تھا۔ بغیر زرینہ کے وہ بے ٹائر کی موٹر کی طرح ٹھپ ہو جائے گا۔ گو آنکھوں کی سوئیاں رہ گئی ہیں۔ وہ اب بھی پکچر کو خاک میں ملا سکتا تھا۔ مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ دھرم بغیر منگلا کے بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ جب وہ روٹھ جاتی ہے تو مفلوج سا ہو کر رہ جاتا ہے۔ جب تک ملاپ نہ ہو جائے سیٹ پھڑا رہے گا۔ دھرم اپنے پراسرار کمرے میں پلنگ پر پلنگ چڑھائے گا۔ پھر کہانی

بدلنے کے منصوبے بناتا رہے گا۔ جب بات حد سے گزرنے لگتی تو اسٹاف کا ایک وفد منگلا کو سمجھانے جاتا۔ بال بچوں کا واسطہ، کمپنی کے بال بچوں کا واسطہ۔ منگلا کو مجبوراً غصہ تھوک کر سوچنا پڑتا۔ تب وہ مزے وار کھانوں کا کٹورا دان لئے، گیروا بنگالی وضع کی دھوتی پہنے خوب سا سندور مانگ میں رچائے بچوں کا ہاتھ پکڑے روٹھے دیوتا کو منانے آتی۔ پھر تھوڑی بعد دھرم دیو جھینپتا مسکراتا سیٹ پر آجاتا۔ اور سب کے چہرے کھل اُٹھتے۔ زرینہ کو نہ روٹھنا آتا نہ اُسے منانے کی کسی کو ضرورت پڑی۔ نہ اسٹاف کے لوگوں پر اُس نے رعب جھاڑا۔ سب کو دادا بھیا کا کا بنا لیا تھا نہ کسی کو مسکا لگانے کی فکر ہوتی تھی۔

گانوں کی ریکارڈنگ کے بعد منگلا بہت کم اسٹوڈیو جاتی تھی۔ نینی تال میں جو دوستی لگی تھی وہ تنہائی کا سہارا بن چکی تھی۔ دو چار دلچسپ قسم کی سہیلیاں جمع ہو جاتیں، تاش کھیلتیں، دو دو شو انگریزی فلموں کے دیکھ ڈالتیں۔ کبھی دھرم کے ساتھ جاتی تو وہ اتنا تھکا ہوا ہوتا تھا کہ بیچ میں خراٹے لینے لگتا۔ یا گاڑی میں بیٹھا پیار کرتا۔ کبھی زرینہ اور اُس کی بہن بھی ہوتیں۔ زرینہ کے ساتھ فلم دیکھنے میں بڑا مزہ آتا۔ بے حد ہنساتی۔ اگر دھرم کبھی رُکھائی سے اُس کی طرف دیکھ لیتا تو وہ زبان نکال کر کونے میں دبک جاتی۔

"یہاں بھی رُعب جھاڑتے ہو جی۔" منگلا بگڑتی "یہ خواہ مخواہ کی چڑ ہے بیچاری سے۔" اور دھرم اُٹھ کر جلدی سے گاڑی میں جا بیٹھتا۔

کھیتو کی ناکہ بندی کو پھلانگ کر افواہیں انڈسٹری کے خنڈو خانوں میں خوب پھیل رہی تھیں۔ منگلا سے کبھی انٹرویو میں کوئی منچلا جرنلسٹ یونہی اشارتاً پوچھ لیتا تو وہ سب کی ٹانگ گھسیٹنے لگتی۔

"وہ تو میری سہیلی ہے۔ فلم والوں کے دماغ بڑے گندے ہوتے ہیں۔ بکواس کرتے ہیں۔"

لوگ اُس کی حماقت پر پیٹھ پیچھے ہنستے۔

رتنا اور رمتی کی شادی جس دھوم دھام سے ہوئی تھی ویسے ہی دم توڑ رہی تھی۔ رتنا کی سفارشوں سے اُسے بھی کام ملنے لگا۔ رتنا تو بچے کی پیدائش میں پھول کر بھینسا ہو گئی۔ اُس کی قسمت کا ستارہ چمک گیا۔ اور اُس نے بیوی کو بالکل

گرہستن بنا کے بہت ٹھاٹ کے فلیٹ میں رکھ دیا خود فراٹے بھرنے لگا۔ رتی نے بہت اودھم مچایا مگر کسی نے اُس کی بکواس پر غور نہیں کیا۔ کیونکہ دھرم کی فلم کے بعد اُس کی تمام فلمیں فلوپ ہوگئیں۔ اور انڈسٹری نے اُسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا۔ ہاں بطور رتی کی بیوی کے اب بھی اُس کی ساکھ تھی۔

منگلا سے اُس کی راہ و رسم بڑھنے لگی کیونکہ وہ بھی خوب پینے لگی تھی۔ اُس نے زرینہ اور دھرم کے رشتے پر روشنی ڈالنی شروع کی۔ منگلا نے ہنس کے ٹال دیا۔

"ہم پر تو شبہ کیا، وہ تو بڑی دیوی ہے نا اُسے کچھ نہیں کہتیں"

"ارے وہ بڑی سیدھی ہے۔ میں اُسے جانتی ہوں" منگلا ہنس دی۔

"ارے تم کیا کھا کے اُسے سمجھو گی، وہ پوری ایکٹریس ہے، دیکھنا دھول پھانکو گی"

"ارے چل ہٹ سب تیرے رتی جیسے نہیں"

"ارے بیچارہ رتی کا باپ، سب سور دے پتر ہیں"

"اب تو ہمارا اتنا جھگڑا بھی نہیں ہوتا"

"ہونہہ اسے فرصت نہیں ہے تجھ سے جھگڑنے کی یا پیار کرنے کی۔ سچ بتا منگلو کتنے دن سے تجھے پیار کرنے کی فرصت نہیں ملی؟ کب کیا تھا اُس نے تجھے آخری بار پیار؟" وہ کانی چڑھائے ہوئے تھی۔

"اب کوئی مجھے یاد تھوڑی ہے" منگلا کچھ سٹپٹانے لگی۔

"یاد نہیں کرتی تُو نے کب پیار کیا تھا۔ کل؟ پرسوں؟ ــ پچھلے ہفتہ؟...

..... اُس سے پچھلے ہفتہ؟"

"ہٹاؤ بھی میرا خود جی نہیں کرتا"

"کیوں؟ سوچ منگلو آخر کیوں؟ تیرا پیار کیوں ٹھنڈا پڑ گیا ہے؟ تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے"

"مگر میری طرف سے ہی ہوا...... بھلا دو بچے ہو گئے کیا نئے دولہن دولہا ہیں"

"تو اپنے جی کو بہلانے کے لئے کہتی ہے کہ تو نے ہی ٹال دیا مگر منگلو سچ

بول۔ میرے سے نہیں اپنے من سے سچ بول۔ اور بھئی میں دھرم کو الزام نہیں دوں گی۔۔ ...... ہر بھڑی کا ساتھ ہو، رومینٹک سین ہوں تو کچھ ہوتا تو ہے......"

"تمھارے ساتھ تھا کچھ؟"

"اب تم سے چھپانے سے کیا فائدہ، اگر کچھ نہ تھا تو تم نے ٹھکچر کا ہے کو پیا تھا۔ خیر وہ تجھ پہ مرتا تھا۔ مجھ سے تو بس یونہی چوماچاٹی چلتی تھی...... برا نہ ماننا منگلو تو نے پوچھا تو......"

"فلم ختم ہو گئی تو ختم ہو گیا۔ اس کا بھی یہی ہو گا۔"

"پانچ سال کا کانٹریکٹ ہے۔"

"تو کیا ہوا، ویسے اب اُسے باہر بھی دو فلموں میں کام کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ اُس دن ذکر ہو رہا تھا۔ تمھارے رتی کو لینے کا ارادہ ہے۔"

"زرینہ کے ساتھ؟"

"ہاں۔"

"گھاس کھا گئی ہو۔ میرا خصم تو اجگر ہے اجگر۔ دھرم خوب جانتا ہے کہ اُس کی نانو کو سموچا نگل جائے گا اور ڈکار بھی نہ لے گا۔ مگر ایک بات کہے دیتی ہوں، میں تیری طرح پھسکی نہیں بیٹھنے کی۔"

"بک کئے جائے گی۔ بس اگلی فلم کا اسکرپٹ تیار ہے۔ ست نرائن ڈائرکٹ کر رہا ہے۔ کانٹریکٹ ہو گیا۔ ٹیونیں کل ہی میں نے سنیں۔ وہ تو ایڈوانس میں لگے ہوں گے۔ اسٹاف بیکار بیٹھ کر کھائے گا۔ اسی لئے جلدی سے شروع کر رہے ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے۔"

"اری مجھے بڑی عقل سمجھا رہی ہے۔ تیرا خصم تو کھلے بندوں کرتا ہے اُسے نہیں روکتی۔"

"ہے ہے، وہ تو بہتا دریا ہے میرے روکے بھلا رکے گا۔"

"چھوڑ موتے کو۔"

"ہائے رام کیوں چھوڑوں، ارے جس پر دنیا بھر کی عورتیں جان چھڑکتی

ہیں وہ ہے تو میرا۔ پہلے میں بھی سوچتی تھی چھوڑ دوں، پھر میں نے سوچا ایسا گبرو جوان مجھے اور کہاں ملے گا؟"

"تجھے پیار جو نہیں کرتا؟"

"کیسے نہیں کرتا، بہنا میں کوئی سیتا جی تو ہوں نہیں کہ رام جی نے نکال دیا تو نکل گیئں میں تو حرام زادے کی چھاتی پر چڑھ کر لہو پی لوں گی۔ اور بھئی ہے اچھے گھرانے کا۔ اس کے خاندان میں کوئی چھٹم چھٹا کا دستور نہیں۔ بھگوان کا شکر ہے ابھی تو تھوڑا بہت لڑ جھگڑ بھی لیتا ہے۔"

رتیا چلی گئی تو منگلا کی شگفتہ طبیعت پھر تاؤ میں آگئی۔ وہ ایسی کچھ غافل بھی نہیں تھی۔ کچھ تو زرینہ کی طرف سے اسے اندیشہ نہیں تھا۔ ممکن ہے وہ واقعی پوری ایکٹریس ہو۔ دوسرے اگر کچھ ہوتا تو دھرم نئی فلم ست نرائن کو نہ دیتا اور مترو بھی خود ہی رہتا۔ پھر بھی جب شام کو دھرم دلوالیا تو وہ اسے بڑے غور سے دیکھتی رہی نہا دھو کر اسے پھر واپس جانا تھا کیونکہ ایڈیٹنگ ہو رہی تھی۔ دو چار کٹ بھی لگوانے تھے تاکہ ادھورے سین مکمل ہو جائیں۔

"مہورت کر رہے ہو "پورنیما" کی؟"

"ہاں کل کارڈ آجائیں گے۔" دھرم آئینے کے سامنے جھکا کنگھی کر رہا تھا۔

"رمی سے کانٹریکٹ ہو گیا؟"

"ہو جائے گا۔"

"کب؟"

"بس کل پرسوں بات طے ہو جائے گی۔" اور وہ جلدی سے چلا گیا۔

"اسے جھگڑنے یا پیار کرنے کی فرصت کہاں۔" اسے رتیا کے بول یاد آنے لگے۔ نہ جانے کیا سوجھی جھٹ زرینہ کو فون کیا۔

"ریگل میں بڑی اچھی فلم ہے تم اور امینہ چلتی ہو؟"

"ہائے دیدی مجھے تو ڈائیلاگ ڈب کرنے جانا ہے اور امینہ آپا کا بچہ بیمار ہے۔ ہائے کیا کروں؟"

"کوئی بات نہیں۔" اس نے ایک مچلا سا پیگ انڈیلا اور پلان بنانے لگی۔

جب دھرم اور زرینہ فلم کی باتیں کرتے ہوئے دفتر کے پچھلے کمرے میں داخل ہوئے تو منگلا انگڑائی لے کر اُٹھ رہی تھی جیسے ابھی اُس کی آنکھ کھلی ہو۔

"ارے دیدی!" زرینہ کھل اُٹھی۔

"تم پکچر دیکھنے نہیں چلیں تو میں نے سوچا چلو اسٹوڈیو ہی چلیں، یہیں بیٹھی تو نیند آگئی۔"

"ریکارڈنگ روم میں آجاتیں۔ کیا حسین ڈائیلاگ لکھے ہیں ننددھیر بھیا نے۔" وہ اُس کے قریب پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی۔ "دیدی کل میٹنی میں چلیں، کیوں؟ ہو جاتے۔" وہ اپرو چلا کر بڑے مزے سے بولی۔

"صاحب سے تو پوچھ لو۔"

"کل رنجیت میں "خار کانٹے" کی شوٹنگ ہے میں صفا بھاگ آؤنگی۔"

"وہاں شوٹنگ میں دل نہیں لگتا؟" منگلا نے دھرم کی طرف ترچھی نظروں سے تاکا۔

"خاک نہیں لگتا۔ یہاں تو سب اپنے ہیں۔"

"سب تو نہیں جو اصل میں اپنے ہیں اُن کی بات کرو۔" اُس نے دِل میں سوچا۔

"میں چلوں؟" اُس نے دھرم سے پوچھا۔

"ہاں، یہ اسکرپٹ تو لیتی جاؤ۔ جو لینے آئی تھیں۔" دھرم نے بڑے بھونڈے پن سے کہا۔

"ہاں؟ ہاں۔" زرینہ نے بات سنبھال لی اور فائیل لے کر جانے لگی۔

"ٹھہرو میں بھی چلتی ہوں۔" وہ ساڑھی اُڑستی اُٹھی۔

"تم بیٹھو نا، ساتھ ہی چلیں گے۔" دھرم نے کہا۔

"نا بابا سب کہیں گے کہ میں کام نہیں کرنے دیتی ہوں۔ تم اپنی ایڈیٹنگ کرو۔" اور وہ زرینہ کا ہاتھ پکڑ کے نکل گئی۔

موٹر میں اُس نے بڑی چابک دستی سے فائیل کھولا اس میں ایکسٹرا سپلائر کا حساب کتاب لکھا تھا۔

"ارے!" زرینہ نے قہقہہ مارا "یہ کیا پکڑا دیا دھرم جی نے۔" اور وہ

اٹک اٹک کر فہرست پڑھ پڑھ کر ہنسنے لگی۔

"میں اس لڑکی سے نہیں جیت پاؤں گی" منگلا کا دل بیٹھنے لگا مگر وہ اس کے ساتھ ہنستی رہی۔

دوسرے دن اُس نے فائل لاکر میز پر رکھ دیا۔

"میرے تو خاک پلے نہیں پڑا...... دیدی کہہ رہی تھیں بھولے میں دے دیا ہوگا۔ پر میں نے کہا نہیں وہ ایسی غلطی تھوڑی کرتے ہیں۔ غلطی تو مجھ سے ہو جاتی ہے کہ رنجیت میں نہ شوٹنگ نہ کچھ اور......"

دھرم نے گھڑی دیکھی اور مسکراتا ہوا اُٹھا۔

جب منگلا نے یہ تصدیق کرنے کے لئے کہ واقعی زرینہ رنجیت میں ہے یا نہیں اُسے فون کیا تو بھاگی ہوئی آئی۔

"کیا ہے دیدی؟" اُس نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"کچھ نہیں...... میں پوچھ رہی تھی کہ...... وہ تم چلوگی۔ میں مختار کے ہاں جا رہی ہوں" منگلا نے بات بنائی۔

"ہاں ضرور میں چھ بجے آ جاؤں گی۔ شوٹنگ تو نہیں ہو رہی ہے سیٹ گیلا ہے۔ ڈانس کی پریکٹس کرنا ہے۔"

منگلا اپنی ہوشیاری پر مسکراتی ہوئی صوفے پر لیٹ گئی اور گلاس سنبھال لیا۔

زرینہ واپس آئی تو رندھیر اور دھرم چپ ہو گئے۔

"ارے نئی پکچر کا وہ زوردار نام سوجھا ہے کہ کیا بتائیں"

"کچھ تو بتائیے"، رندھیر نے زور دیا۔

"چھپے بھاگ بلی آئی" وہ قہقہہ لگا کر لوٹ گئی۔

"ٹھیک، سو فی صدی۔ ٹھیک بیٹھتا ہے" رندھیر نے کہا مگر دھرم کا موڈ ایک دم آف ہو گیا۔

"تو تم سے کانٹریکٹ نہیں کر رہے ہو؟" منگلا کافی چڑھی ہوئی تھی۔

"مجھ سے اس کے نخرے نہیں سہے جائیں گے۔ پتہ ہے تمھیں جو لوگ اُسے لیتے ہیں اُنھیں تگنی کا ناچ نچاتا ہے۔ اس کے دماغ خراب کر دیئے ہیں ان گھلنے کے پروڈیوسروں نے۔"

"تو پھر راجندر کو لے لو۔"

"اس کے پاس بارہ فلمیں ہیں۔ میری مانگ کے مطابق وقت دے سکے گا؟"

"یہ کیوں نہیں کہتے خود کرو گے!"

"تم آج میرے پیچھے کیوں پڑ رہی ہو۔ پروڈکشن میں تم نے کبھی دخل نہیں دیا۔ ایسی کیا فکر پڑی ہے تمھیں؟"

"کیوں کیا مجھے پوچھنے کا بھی ادھیکار نہیں۔ کمپنی تمھاری ہے پر میں تمھاری کچھ نہیں؟"

"تم سب کچھ ہو، کمپنی تمھاری میں بھی تمھارا۔"

"تو ہیرو ہن کے لئے نندا کو لو۔"

"کیوں؟ زرینہ کو جو کمپنی تین سال سے تنخواہ دے رہی ہے؟"

"یوں کیوں نہیں کہتے اس کے ساتھ خود کام کرنا چاہتے ہو؟" منگلا گرم ہو گئی۔

"پھر؟" دھرم بھی گرم ہو گیا۔

"یہ نہیں ہوگا۔"

"تم کہتی ہو اس لئے...."

"تم بھی کہہ چکے ہو۔ یاد ہے جب رتنا کے ساتھ تم نے کہا تھا تپی کا رول نہیں کرو گے.... پونیا میں، تبھی میں نے اپنی مرضی دی تھی۔ "پورنیا" میں بھی پتی کا رول ہے اس لئے...."

"اُف یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔"

"اپنے مطلب کی بات ہو تو کیسے پلٹ جاتے ہو۔" منگلا کا پارہ چڑھنے لگا۔ "اگر تمھارا یہی فیصلہ ہے کہ وہی تمھارے ساتھ کام کرے گی تو گانے پھر کسی اور سے لے لینا۔"

"لے لیں گے۔" دھرم کا بھی خون کھول گیا۔

"تو پھر یہ طے ہے کہ تمھیں میری ضرورت نہیں۔"

"یہ میں نے نہیں کہا۔"

"تو اس کے بنا فلم نہیں بن سکتی۔" پارہ اور کئی ڈگری اونچا ہوا۔
"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" دھرم اس سے بھی زیادہ گرم ہونے لگا۔
"میرے بغیر بن سکتی ہے؟"

"پتہ نہیں، بنا کر دیکھنا پڑے گا۔"
"وہ تمہیں بہت پیاری ہے؟"
دھرم چپ رہا۔
"جواب کیوں نہیں دیتے؟"
"کیا جواب دوں؟" دھرم نے منہ پھیر لیا۔
"تو میں چلی جاؤں؟"
"نہیں۔"
"تو اسے نکالو۔"
"پانچ سال کا کانٹریکٹ ہے....."
"میں اپنا زیور بیچ کر پیسہ بھر دوں گی....." وہ سر سے پیر تک لرز رہی تھی۔
وہ اپنا سر پکڑے خاموش بیٹھا رہا۔
"مجھے جھٹلاؤ........ کہو میں جھوٹ بول رہی ہوں، دھوکا ہوا۔"
اس کے لہجے میں التجا ابھر آئی۔
اس نے سر نہ اٹھایا۔
"کیا سمجھا ہے تم نے، کیا میں تمہاری رنڈی ہوں، بولو...."
"آہستہ بولو۔" دفتر کی دیواریں محدود نہ تھیں۔
"کیوں آہستہ بولوں۔ میں تو ڈنکے کی چوٹ کہوں گی۔ وہ خانگی ہے۔ رنڈی ہے، میرے گھر کو آگ لگانے آئی ہے۔" وہ رونے لگی۔
"منگلو.... پلیز۔" اس کا دل کٹنے لگا۔
"دور رہو۔ خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا۔"
"بزنس کو جذبات کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو۔" اس نے زندھیر کا قول دہرایا۔

اپیل کا کانٹریکٹ توڑتے وقت یہ بات نہیں سوچی تھی؟"

دھرم پھر بغلیں جھانکنے لگا۔

"اس دن جو رنجیت اسٹوڈیو میں چار سو بیس کی تھی وہ مجھے سب معلوم ہے۔"

دھرم چپ رہا۔

تھوڑی دیر وہ سناٹے میں کھڑی رہی پھر باہر نکل گئی۔

دھرم سر تھامے بیٹھا رہا۔

"کیا قصہ ہے؟" رندھیر دبے پیروں داخل ہوا۔

"یار جی اکتا گیا ہے اس زندگی!"

"تو پھر لعنت بھیجو کمبخت پر۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو، وہ میری بیوی ہے، میرے بچوں کی ماں!" دھرم غرایا۔

"اماں یار حد ہو گئی۔ ارے میں بھابی کو نہیں کہہ رہا ہوں۔"

"ہوں!" دھرم کا دل چور پکڑے جانے پر بجھ گیا۔

"عقل سے کام لو پیارے۔ بات نہ بڑھاؤ۔"

"بات تو بڑھ چکی۔" دھرم نے دم گھونٹ کر سر جھکا دیا۔

"اماں گھاس کھا گئے ہو۔ ایک دو پیسے کی لونڈیا کے پیچھے اپنا گھر خاک میں ملاؤ گے۔"

"میں کیا کروں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"تمھاری سمجھ پر تو پڑ گئے ہیں پتھر۔ ورما جی بننے کا ارادہ ہے۔"

گھر پہنچا تو منگلا کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ سامان بندھ رہا تھا۔

دھرم نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور مجرموں کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"ایک دن یہی ہونا تھا۔" وہ سسکی لے کر سوٹ کیس پر جھک گئی۔

"منگلو، میں تیرے بنا زندہ نہیں رہ سکتا۔" دھرم نے اس کے پیروں پر سر ٹیک دیا۔ منگلا نے سسک کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

اور دوسرے دن یہی الفاظ وہ زرینہ سے کہہ رہا تھا۔ اس میں ذرہ برابر

بھی جھوٹ نہ تھا۔

"توبہ توبہ...... کیوں گناہ گار کرتے ہیں" زرینہ نے اپنے پیر سکیڑ لیے۔

انسان کے دل میں کتنے خانے ہوتے ہیں۔ ایک خانے میں ماں باپ کا پیار۔ دوسرے میں بچوں کی تمنا۔ پھر بیوی کے لیے الگ خانہ، محبوبہ کے لیے پھر بھی گنجائش! منگلا رہتی تو دنیا روٹھی۔ زرینہ کو ایک دن نہ دیکھا تو نزع کی سی کیفیت طاری ہو گئی!

فلم ریلیز ہوئی تو دنیا کی کوئی بات یاد نہ رہی۔ دھرم کو اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا گیا۔

زرینہ کی ماں کی طبیعت خراب تھی، اس لیے ہر جگہ ریلیز پر میاں بیوی گئے۔ ٹوٹتے ہوئے تار جوڑ دیے گئے۔ دعوتوں اور پارٹیوں کا سلسلہ ختم ہی نہ ہونے میں آتا تھا۔

اور جب یہ گھن گرج اور چمک ختم ہوئی تو دھرم پر پھر گھٹن اور اکیلے پن کے احساس نے حملہ کر دیا۔ وہ بھٹس بیٹھا پیا کرتا۔ منگلا اس کا بھرپور ساتھ دیتی۔ اتنے دن شادی کو گزر جائیں تو پیار ٹھنڈا پڑ ہی جاتا ہے۔ نشہ میں دھت ہو کر نیند بھی جلدی آ جاتی۔

مگر منگلا اس کے پہلو میں پڑی کروٹیں لیا کرتی۔ جب تک بہت فراینٹ گلاس نہ چڑھاتی۔ نیند آنکھ چراتی رہتی۔ سونے کی گولیاں بھی ماند پڑنے لگی تھیں۔ خیر کچھ بھی تھا، وہ بخیریت اس کے پہلو میں تو تھا۔

ست نرائن نے فلم شروع کرنے پر زور دینا شروع کر دیا۔ اسٹاف بھی اکتا رہا تھا۔ فلم شروع کرنا ہی تھی۔ ہیرو کی تلاش اوپری دل سے جاری تھی۔ روز نئے لڑکوں کے ٹیسٹ لیے جاتے۔ فرید جو ایک مشہور پرانے زمانے کے اسسٹنٹ ہیرو کا لڑکا تھا، بالکل چن ہی لیا گیا تھا۔ دھرم نے تو کانٹریکٹ کی اجازت دے دی تھی۔ کیشو ذرا ہچکچا رہا تھا۔ ذرا کام چل نکلے پھر ہو جائے گا کانٹریکٹ۔ دھرم کے ساتھ کام کرنے کے لیے بس کام ہی کی اہمیت تھی، معاہدہ کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔

ان ہی دنوں رنجیت میں زرینہ کی شوٹنگ چل رہی تھی۔ اس کی بزنس کیشو ہی

سنبھالتا تھا۔ کیونکہ وہ ابھی تک دھرم دیو فلمز کی نوکر تھی، آدھی رقم کمپنی دنسوا ل کرتی تھی۔ گو ابھی کمپنی نے اپنا حصّہ لگانا شروع نہیں کیا تھا۔ کیونکہ زرینہ نے نیا فلیٹ اور موٹر لے لی تھی۔ قسطیں اُدھر کٹ رہی تھیں۔

نہ جانے کس کام کے سلسلے سے دھرم ادھر نکل گیا۔ بڑا تام جھام سیٹ کھڑا تھا۔ زرینہ بے انتہا زرنگار کپڑے پہنے بھونڈے سے ہیرو کے ساتھ انتہائی سستے قسم کا رومانس لڑا رہی تھی۔ اسے یوں مٹر کتے آنکھیں مٹکاتے دیکھ کر دھرم کا خون کھول گیا۔

"یہ ایکٹنگ ہے؟" اس نے بریک میں زرینہ کو گھیر کر ڈانٹا۔ "تبدر یا کی طرح اُچھل رہی ہو؟" دھرم غصّے سے بے قابو ہو گیا۔

"ایسا ہی رول ہے!"

"خاک رول ہے، اتنی آنکھیں کیوں مٹکاتی ہو اور گلا پھاڑ کر چیختی ہو۔ دھیمے سے نہیں بولا جاتا؟"

"اب جیسے ڈائرکٹر کہے کرنا پڑتا ہے۔"

"کیوں کرنا پڑتا ہے؟" ساری ایکٹنگ بھول گئیں۔ یہ تھرڈ کلاس ایکٹراؤں کی طرح مُنہ چڑاؤ گی تو "پورنما" کا رول بھی گوڑ کر کے رکھ دو گی۔"

"واہ وہاں کاہے کو گڑ بڑ کروں گی۔ آپ کی قمچی جو سوار ہو گی۔"

"ست ترائن ڈائرکٹ کریں گے۔" دھرم نے ٹھنڈی سانس کھینچی۔

"مگر آپ تو ہوں گے، پھر......"

"فرید کو سائن کیا ہے، میں اپنی شوٹنگ کے سلسلے میں مدراس رہوں گا زیادہ تر۔"

"ہائے اللہ، آپ نہیں کر رہے ہیں اس میں کام۔"

"نہیں......"

"تو...... پھر نندا کو لے لیجئے۔" زرینہ گڑ گڑائی۔

"نہیں، رندھیر کہتا ہے اس نے رول تمھیں سامنے رکھ کر لکھا ہے۔"

زرینہ نے میک اپ بگڑ جانے کے ڈر سے آنسو پی لئے، لیکن آنسوؤں کے بغیر بھی طوفان اُٹھائے جا سکتے ہیں۔

"بہت اچھا رول ہے۔ تم ہی کرو گی۔"

"جو حکم سرکار" زرینہ نے ٹھنڈی سانس بھری "اللہ کرے مرے فریدیہ
اس میں تمھارا بھی بھے، دھواں ہو جاؤگی" دھرم ہنسا۔
"اچھی، میں کیوں ہوتی دھواں۔ تمھارا ہے بالکل"
"تمھیں پسند نہیں؟"
"واہ جی مجھے کیوں پسند ہوتا منحوس" زرینہ چڑ گئی۔
"لوگوں کا خیال ہے رتیا اور رتی کی طرح تمھاری اور فریدی کی جوڑی بھی۔۔۔۔"
"دیکھیے میں شام کی گاڑی سے جا رہی ہوں"
"کہاں؟"
"بجواڑہ"
"اور یہ سارے کانٹریکٹ؟"
"چولھے میں"
"پانچ سال کا جو ہمارا کانٹریکٹ ہے"
"وہ بھاڑ میں"
"پورنما کا رول"
"مجھے نہیں کرنا رول پھول ہنہ"
"جانتی ہو کانٹریکٹ توڑ دوگی تو کیا ہوگا"
"پھانسی۔ اس سے زیادہ تو نہیں"
اتنے میں شوٹ تیار ہو گیا، مگر دھرم نے دیکھا وہ تنتناتی میک اپ روم میں چلی گئی۔
نہ جانے کیوں زرینہ کو غصہ کر کے اسے بڑا لطف آ رہا تھا۔ سیٹ پر دوبارہ جا کر جی جلانے
کی ضرورت محسوس نہ کی اس نے رندھیر کو پکارا۔
موٹر بیک کر کے پھاٹک میں سے نکل ہی رہے تھے کہ زرینہ بھاگی ہوئی آئی، اس
نے میک اپ اتار دیا تھا اور گھر کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔
"میری کار سروس کے لئے گئی ہے۔ ذرا مجھے ٹیکسی کے اڈے پر اتار دیجیے"
وہ پیچھے بیٹھ گئی۔ رندھیر نے دھرم سے آنکھ ملانا چاہی مگر وہ سیدھ میں نظریں جمائے رہا۔
اس کے چہرے کے عضلات پُر سکون تھے اور آنکھیں پُر اسرار۔
"رو گئے ناکارے" اس نے تڑخ کر کہا۔ مگر دھرم خاموش ڈرائیو کرتا رہا۔

اسٹوڈیو پہنچ کر وہ جلدی سے اُتری اور احاطے میں کھڑی ٹیکسی لے کر چل دی۔

"کیوں بھائی یہ کیا لفڑا ہے۔ رندھیر نے پوچھا، دھرم کے ہونٹ مسکراہٹ ضبط کرنے کی کوشش میں لرز رہے تھے۔

"چلو پاپ کٹا"۔ رندھیر نے سب قصہ سُن کر اطمینان کا سانس لیا۔ حالانکہ دِل اس اطمینان میں سو فیصدی شریک نہ تھا۔

"کہو تو جا کے روکوں چڑیل کو" پھر اس نے مجبوراً پوچھا۔

"کیا ضرورت ہے؟ پاپ کٹا"۔ دھرم نے قہقہہ لگایا۔ رندھیر کا منہ ذرا سا نکل آیا۔ اُس نے دو چار گالیاں ہوا میں اچھالیں اور ٹیلی فون کرنے لگا۔ جواب ندارد۔

"کیوں وقت ضائع کر رہے ہو"۔ دھرم دیو ہنسا۔ "ٹرین چھوٹے پاؤ گھنٹہ ہو گیا"۔

وہ ہنس رہا تھا۔ مگر رندھیر بے چین ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ اس نے یہ ہنسی آخری مرتبہ نینی تال کی آؤٹ ڈور شوٹنگ پہ سُنی تھی۔

"سالی جا بھی رہی ہے یا کوئی چال چل رہی ہے"۔ اس نے سوچا،

"میں گھر جا رہا ہوں"۔ وہ بھڑک کر کھڑا ہو گیا۔

"چلتے ہیں۔ جلدی کیا ہے"۔ وہ بڑے اطمینان سے اٹھا۔ سگریٹ کیس میں پانچ سو پچپن بھرا اور ایک سلگا لیا۔

"کیا ڈانڈا چل رہے ہو"۔ رندھیر نے پوچھا

"اونہنگ"۔

"جمہور؟ وہاں راج کے پاس؟"

"نہیں"۔ دھرم کی آنکھیں شوخی سے ناچ رہی تھیں۔

"اماں یار۔ مجھے اتار دو، میں پاگل ہو جاؤں گا۔ تمہارے ساتھ کیشو ہے نا"۔

دھرم نے گھڑی دیکھی اور موٹر کی رفتار بڑھا دی۔ "افوہ کتنی بکواس کرتا ہے"۔

جب وہ اگت پوری کے اسٹیشن پر پہنچے تو سگنل ڈاؤن تھا۔ ٹرین آ رہی تھی۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں"۔ زرینہ نے منہ پھلا کر پوچھا۔

"بک بک نہ کرو، آییے ماں جی" رندھیر نے ماں کو رسانیت سے اتارا، مینہ کے بچے کو گود میں لیا۔

"چلو ذرا تمھاری کیسی خبر لی جاتی ہے باہر مشین گن تانے بیٹھے ہیں" اُس نے چپکے سے زرینہ کے کان میں کہا۔

"آپ بھی اُس پگلی کی باتوں میں آگئیں" رندھیر نے امینہ سے کہا۔

"کیا طوفان مچایا ہے۔ توبہ میں اکیلی چلی جاؤں گی۔ ریل کے نیچے کٹ جاؤں گی"

اسٹیشن کے شیڈ پر چڑھی ہوئی بیل میں سے زرینہ نے ایک پتلی سی چھڑی توڑی۔ پتے سونتی ہوئی وہ موٹر کے پاس گئی۔ دھرم بے تعلق بیٹھا دھواں اُڑا رہا تھا۔ اُس نے چھڑی لی اور زرینہ کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر سڑاک سے کس کر دی۔ زرینہ کا مُنہ سفید ہوگیا۔

"ایک اور۔ ایڈوانس" وہ مُسکرائی۔

دھرم نے اور بھی زور سے چھڑی لگائی۔ احتیاط سے چھڑی قریب رکھ لی۔ رندھیر اماں اور امینہ کو اسٹیشن ویگن میں بٹھا کر لوٹ رہا تھا پیشانی پر سے پسینہ پونچھنے لگا۔ دھرم نے ایک جھٹکے سے موٹر بڑھائی۔ زرینہ دھول اور پٹرول کے غبار میں بڑے بھٹتے سے مسکرا رہی تھی۔

"مجھے پہلے گھر اتار دو" رندھیر اتر کر سیدھا بھاگا۔ ڈلّو کو جھنجھوڑ کر جگایا اور اپنے سینے سے لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔

۸

"پورنما" کی شوٹنگ بڑی گھن گرج سے شروع ہوئی۔ گانوں کی ریہرسل ہو رہی تھی۔ منگلا بڑی دھن سے لگی ہوئی تھی۔ بس یہی دن تو اس کی اصل اہمیت کے ہوتے تھے جب وہ منگلا ہوتی تھی، صرف دھرم دیو کی پتنی ہی نہیں۔ ایک عظیم فن کار جس کی آواز کا جادو دھرم کی ہٹ فلموں کی جان تھا۔ ان میں سے دو چار تو شاید بغیر گانوں کے سسک کر دم توڑ دیتیں۔

"آنٹی، دھرم نے کچھ میرے بارے میں طے کیا؟" جب وہ بیاہی گئی تھی تو مزید بارہ تیرہ برس کا لڑکا تھا۔ پڑوسن کے ناطے آنٹی ہی کہتا تھا۔ دفتر میں دھرم کو انکل کہنا چھوڑ دیا تھا مگر وہ تو آنٹی تھی۔

"کیوں کیا ابھی کانٹریکٹ نہیں سائن کیا؟"

"مجھے کانٹریکٹ کی پرواہ نہیں۔ میں کاسٹیوم کی ناپ کے لئے روز آتا ہوں۔ کیشو جی روز ٹال دیتے ہیں، نہ وگ کا ٹرائیل ہوا۔ کیا دھرم جی بھی اس میں کوئی رول کر رہے ہیں؟"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اسے ٹال کر سیٹ دیکھنے چلی گئی۔ حویلی کا سیٹ لگ رہا تھا۔ ہیروئن کا ایک
دکھ بھرا گانا بڑا تھا جا ٹرائیل ریکارڈنگ ہو چکی تھی۔ دھرم اس سے مطمئن نہ تھا۔ دو دن سے اسی گلنے میں کچھ پھندا نے گوار رہا تھا۔

”فریدہ کا کنٹریکٹ کب ہوگا؟“ اس نے کیشو سے پوچھا۔

”اس سیٹ پر ہیرو کا کام نہیں۔“

”برات تو آتی ہے نا؟“

”دولہا کا منہ پھولوں سے ڈھکا ہوگا، کوئی ایکسٹرا بٹھا دیں گے۔“

”اور فریدہ؟“

”بالکل کچرا ہے۔ اس قدر ڈائیلاگ بھولتا ہے۔ بڑا ہو جائے گا۔ رول اس کے بس کا نہیں۔ رحمان سے آج بات کرنے جا رہا ہوں۔“

”ہیرو کے لئے؟“

”نہیں بھوت کے رول کے لئے، بہت اچھا رہے گا۔ اپنے یونٹ کے ساتھ اس کی اچھی نبھتی ہے۔“

منگلا خاموشی سے اٹھی اور موٹر میں بیٹھنے لگی۔

”آپ کو روشن صاحب بلا رہے ہیں۔ شام کو ٹیک ہے گانوں کا۔“

”چلو۔“ اس نے ڈرائیور کو حکم دیا۔ اسسٹنٹ دھول پھانکتا رہ گیا، بھاگا کیشو کے پاس گیا۔

”اچھا جاؤ دفتر میں جا کے بھجوا دو۔“

دروازے بند کر کے مشورے ہوئے۔ دھرم الگ تھلگ پھولا ہوا بیٹھا تھا۔ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ منگلا کی اکڑ سب کو کھل رہی تھی۔ سیٹ تیار ہو رہا تھا۔ اب اگر اڑچن پڑ گئی تو پھر فلم شروع ہونے کے آثار نظر نہیں آتے۔ منگلا کو فون کیا تو معلوم ہوا نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ دروازہ بند کئے دوپہر سے گھر میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ فلش کھیل رہی تھی۔

دھرم نے صاف کہہ دیا وہ ناک رگڑنے نہیں جائے گا۔ پکچر نہیں بنتی ہے نا بنے۔ زرینہ ناچ کے توڑے سیکھ رہی تھی۔ بیچ بیچ میں کپڑے پہن کر سارے میں دکھاتی پھر رہی تھی۔

پہلے تو کیشو اور رندھیر کو ٹالنا چاہا مگر اڑ ہی گئے تو منگلا جھنّا کر نکلی اور خواہ مخواہ برسنے لگی۔

"شریفوں جیسی باتیں کرتے ہو یا دلالی کا پیسہ کھاتے ہو؟"

"بھابی!" رندھیر نے ضبط کر کے بات سنبھالی۔

"تھو" مجھے بھابی نہ کہو۔ اپنی ماں بہنوں کو گھیر گھیر کر صاحب کا بستر گرماتے ہو۔ تم ہی لوگ۔ اور انھیں ورغلاتے ہو۔ وہ کلموہی تو جا رہی تھی تم ہی اُسے اگت پوری سے لوٹا لائے۔ اب جاؤ اسی سے گانے بھی گواؤ۔" وہ اپنے آپے میں نہیں تھی، وہسکی کے بھبکے چھوٹ رہے تھے۔ ریتا اُسے گھسیٹ کر اندر لے جانا چاہ رہی تھی مگر وہ بری طرح برس رہی تھی۔

"مجھے سب معلوم ہے جیسے تمھاری اپنی بھابی سب جھیل لیتی ہے، مجھے بھی ایسا ہی سمجھ رکھا ہے۔ وہ ہی جھیلے گی جس نے فارس روڈ بھگتا یا ہو۔ گھر کو سرکار کے عیش کا اڈا بنا رکھا ہے۔ مجھے سب خبریں ملتی ہیں۔ مجھے کاٹ کے اپنی جات برادری والی کو بھرنا چاہتے ہو۔"

اگر اس کی جگہ کوئی دوسری گانے والی ہوتی تو رندھیر اس کا منہ توڑ دیتا۔ وہ اور کیشو چپ چاپ جھپٹ کر نکلے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔

"اب عقل ٹھکانے ہوئی؟" دھرم نے طعنہ دیا۔ "بڑے گن گاتے ہو ستونتی کے!"

"بھاڑ میں جائے ستونتی۔ خدا قسم تمھارا لحاظ نہ ہوتا تو۔ ۔ ۔ ۔"
رندھیر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"پھر اب کیا رائے ہے؟" دھرم نے اُسے سلگانے کو پوچھا۔

"——" رندھیر نے نہایت غلیظ مشورہ دیا۔ دھرم ہنسی نہ روک سکا۔

"لتا کو فون کرو۔" اس نے کیشو سے کہا۔ "وہ بہت جلدی دھن پکڑ لیتی ہے۔ جب تک سین او۔ ست ترائن سے کہو گانے بعد میں لیں گے۔"

جب گھر پہنچا تو نوکر سیڑھی پر اُجاڑ سا بیٹھا ہوا تھا۔ اس دن پہلی مرتبہ دھرم کو ڈھنڈار گھر بڑا ہی پُرسکون معلوم ہوا۔ نہا دھو کر چھوٹا سا پیگ بنایا اور فائیل کھول کر سین دیکھنے لگا۔ اس کی نظر بائیں پڑے ہوئے تکیہ پر گئی جہاں منگلا کا سر ہوا کرتا تھا۔ اس نے تکیہ اُٹھا کر جھنجھلا کے دور پھینک دیا اور

اپنا تکیہ پلنگ کے بیچوں بیچ رکھ کے بڑے اطمینان سے پھیل کر لیٹ گیا۔ اور اسکرپٹ دیکھنے لگا۔

جب وہ لتا کے گھر پہنچی تو وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

"ارے دیدی تم نے کیوں تکلیف کی۔ بس میں آ ہی رہی تھی۔ کیسا ہے یہ گیت جو میری ضرورت پڑی۔ ذرا بیٹھو میں ساڑھی بدل کر چلتی ہوں۔" پھر جب اس نے منگلا کا ستایا ہوا چہرہ اور ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں دیکھیں تو اُسے بیڈ روم میں لے جا کر دروازہ بند کر لیا۔

"دیدی!" اُس نے پاس بیٹھ کر اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ منگلا اُس کے کندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پڑی۔

یہ پہلا موقع نہیں تھا۔ جو شوہر کی ستائی ہوئی بیوی اس کے پاس اپنا دکھڑا لے کر آئی تھی۔ فلم لائن میں ہی نہیں، زندگی کے ہر شعبے میں اس قسم کے جھگڑے پڑ جاتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ فلم لائن میں تھبڑی مچتی ہے۔ ان دنوں بس جگہ جگہ دھرم، منگلا اور زرینہ کا ترشول گڑا ہوا تھا۔ اخباروں میں ڈھکے چھپے اشارے چل رہے تھے۔

پرانے زمانوں کی اور بات تھی۔ بھلی بیویاں خصم کی رنڈی کے تلوے چاٹتی تھیں۔ روٹی کپڑے کا سوال تھا نا۔

مرد کی شان تو اسی میں ہے کہ بھنورا بن کے کلی کلی کا مزہ چکھتا پھرے۔ سب ہی پروڈیوسر ڈائرکٹر گھر کی بیویوں کے علاوہ فلمی بیویاں رکھا کرتے ہیں۔ مگر یہ نئے زمانے کی بیوی بڑا دندمچاتی ہے۔ خاص طور پر منگلا جیسی فن کار جو خود اپنی ایک واضح حیثیت رکھتی ہے، سختی پکڑ لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب دوسری بیویوں یا داشتاؤں کا فیشن بھی فلم لائن میں بہت کم ہوتا جا رہا ہے۔ زوردار بیوی ہو تو کمزور رقیب کو مار بھگاتی ہے۔

عموماً جب اس قسم کا بحران بن جاتا ہے تو انڈسٹری بڑے سوچ بچار کے بعد فیصلہ کرتی ہے۔ اگر وہ دوسری عورت کوئی تیسرے درجے کی ایکسٹرا ہو تو یار دوست دباؤ ڈالتے ہیں، ڈسٹری بیوٹر اور فنانسر بھی اُسے اپنی بزنس کے لئے اہم نہیں سمجھتے، ان کا اثر بھی چلتا ہے، لیکن زرینہ بڑی تیزی سے اُبھری تھی۔

اس کی بڑی مانگ تھی ۔ دھرم اسی بات پر پھولا ہوا تھا کہ زرینہ پر بہت سی پارٹیوں کا داؤ لگا ہوا ہے اُسے مارپیٹ میں کوئی دلچسپی نہ ہو گی۔

مگر اُسے خود دار مرہٹن سے پالا نہیں پڑا تھا۔ اس نے منگلا کے آنسو پونچھے اسی وقت میوزیشین کی ایسوسی ایشن کو فون کر کے ارجنٹ میٹنگ طلب کی۔ لتا نے الٹی میٹم دے دیا کہ اگر کسی نے دھرم کے ساتھ کوآپریشن کیا تو پھر اس سے وہ کوئی واسطہ نہیں رکھے گی۔ کوئی بھی سازندہ یا گلوکار منگلا کی حق تلفی نہیں ہونے دے گا۔ یہی نہیں، لتا نے بالکل ایک جال سا بن ڈالا۔ وہ آرٹسٹ، ٹیکنیشین، لیبارٹری، ڈسٹری بیوٹر جو دھرم کا کام کریں گے وہ ان کے ساتھ کبھی اور کسی صورت میں واسطہ نہیں رکھے گی۔

لتا کی انڈسٹری میں جو پوزیشن ہے اُسے دیکھتے ہوئے کون ایسا تھا جو دھرم صرف ایک اکیلے پروڈیوسر کی خاطر لتا سے بیر پالتا۔ اگر اُسے چھینک آجاتی تو پروڈیوسروں کے ہاتھ پیر پھول جاتے پھر وہ حق پر تھی ایک عورت کے جائز حق کے لئے جنگ پر آمادہ تھی۔ سب نے اُس کی رائے پر فوراً صاد کر دیا۔

دھرم کو الٹی میٹم دے دیا گیا کہ وہ زرینہ کو اپنی دونوں فلموں میں سے الگ کر دے۔ دھرم نے وہ الٹی میٹم اُٹھا کر ردی کی ٹوکری میں ڈالا اور ٹوکری اُٹھا کر کھڑکی سے باہر اُلٹ دی۔

"میں بغیر میوزک کے فلم بناؤں گا۔"

"اور لیبورٹری کا کیا ہو گا۔ آرٹسٹ، اسٹوڈیو کا اسٹاف....."

"جہنم میں جائیں میں فلم لائن چھوڑ دوں گا۔" دھرم کی آنکھوں میں شیطان ناچ رہا تھا۔

وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح تلملا کر رہ گیا۔ چاروں طرف سے اس کا گلا دبنے لگا۔ منگلا جیت گئی وہ ہار گیا۔ دھرم دیو جس کے نام کی لوگ قسمیں کھایا کرتے تھے۔ بیوی کے ایک طمانچہ پر منہ کے بل آرہا۔ لوگ شرطیں لگانے لگے۔

"دھرم گھٹنے ٹیک دے گا۔"

"وہ زرینہ کو نہیں چھوڑے گا۔"

"زرینہ کی بات نہیں مامرد کی آن کی بات ہے۔"

"اب وہ فلم نہیں بنا سکے گا۔" اس پر رشک کرنے والوں کے ہاں گھی کے چراغ جل اُٹھے۔

"ارے سب ٹھیک ہو جائے گا، یہ فلم انڈسٹری کے چکنے گھڑے ہیں اُن پر بوند نہیں ٹھہرتی۔" کسی دل جلے نے کہا۔

مگر سب ٹھیک نہ ہو سکا۔

دھرم نے اس رات دفتر کے پیچھے والے کمرے میں خواب آور گولیوں کی پوری شیشی حلق میں انڈیل لی۔

رندھیر کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ یا خدایا کیسی زندگی ہے کسی بات کا بھروسہ ہی نہیں۔ یہاں کوئی کھری بات نہیں کرتا۔ اس کی کہانی اور ساتھ میں ڈائرکیشن کی بات چل رہی تھی، کل تک رام لال اس کے آگے پیچھے لگا رہتا تھا۔ آج گھاس نہیں ڈال رہا ہے۔ اُٹھتے کے پیروں میں سب لٹک جاتے ہیں، جو اوندھے منہ گرے تو اس پر سے کچلتے ہوئے نکلے چلے جاتے ہیں۔ رام لال اس لئے مسکا مار رہا تھا کہ دھرم کے ہاں سے سہارا ہے ہی۔ دھرم آسانی سے کو آپریشن دے سکتا ہے۔ قسطوں پر بننے والی فلمیں مستقل کو آپریشن پر ہی جی سکتی ہیں۔ اب دھرم کا تختہ لوٹ گیا تو رندھیر رعایت نہ کر پائے گا۔ پہلے رندھیر کو منگلا پر طیش آ رہا تھا۔ اب دھرم پر غصہ آ رہا تھا۔ سوچا چلو اس کا ہی جی جلائیں وہاں وہ کمبخت موت کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ اسی وقت بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ ایمبولینس آئی تو منگلا ننگے پیر بال کھولے موٹر سے بدحواس اتری اور اس کے سرد پیروں سے آنکھیں مل کر اپنی قسمت کو رونے لگی۔ صبح تک دھرم کو ہوش نہیں آیا۔ موت ٹل گئی۔

منگلا اس کے پیروں پر سر رکھے سسکیاں بھرتی رہی۔ ہائے اُس نے اپنے پتی کو اپنے ہاتھوں سے مار ڈالا۔ اپنی جیت اس کے گلے میں ویسے ہی پھانسی جیسی لگ رہی تھی۔ کچھ خالی خالی سی بیٹھی تھی کہ نون پہنچا۔ اس کا کلیجہ پھٹ گیا۔ ہائے اس کا دھرم، اس کے بلو اور جنٹو کا بابا۔ وہ جس کے ساتھ ہنسی مذاق کئے املے والے املی کے درخت کے نیچے آنکھوں میں رس بھر کے

سپنے دیکھے تھے جس کی موتیوں والی نشہ آور مسکراہٹ اب بھی جی کو ڈانواں ڈول کر دیتی ہے۔ وہ بیاہ کے پہلے ہفتہ والا رنگین مزاج دیوتا، بھرپور عاشق جس نے نینی تال کی ٹھنڈی ٹھنڈی راتوں میں انگ انگ میں آگ بھڑکا دی تھی۔ آج موت کی چاہ میں سب کچھ تج کر جا رہا ہے۔

جب وہ کچھ بھی نہیں تھا ایک معمولی اسسٹنٹ تھا تو ایک ڈائرکٹر نے اسے بے بات جھڑک دیا تھا تو منگلا کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ وہ اسے کوس کوس کر آنسو بہاتی رہتی تھی۔

"اس نے تمہاری ذلت کی، بس چلے تو اس کا خون پی جاؤں۔"

پر آج وہ خود راکشسی بنی اس کا لہو پی رہی تھی۔

"اگر وہ دوسری پر لٹو ہے تو اس کی سزا موت تو نہیں۔ وہ کسی کا بھی ہو کر رہے زندہ تو رہے۔"

"منگلو!" دھرم نے اسے پیروں کے پاس بیٹھے دیکھا تو بے چین ہو گیا۔

"ادھر آؤ۔" وہ سسکیاں بھرتی ہوئی اس کے سینے سے لگ گئی۔

"مجھے معاف کر دے منگلو......" دھرم نے اس کے آنسو چوم کر کہا۔

"نہیں، سارا دوش میرا ہی تھا۔ تم......"

"میں نے کمینہ پن کیا منگلو، میں بڑا پتت ہوں۔"

"نہیں تم بھولے ہو، میرے کان بڑے کچے ہیں۔ رتنا چڑیل نے بہکا دیا۔" منگلا نے اپنے بچاؤ کا راستہ ڈھونڈا "ورنہ مجھ پہ بھوت سوار ہو گیا تھا۔ تم جو بھی کرو میں بیچ میں نہیں بولوں گی۔ نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا۔"

خواب آور گولیوں کا معاملہ دبا دیا گیا۔ بدہضمی کے سر بات گئی۔ زرینہ ڈھیر پھولوں سے لدی آئی۔ بالکل مسکراتی ہوئی۔ اس کی اماں نے صدقہ بھیجا۔ داہنے بازو پہ ایک تعویذ باندھ دی گئی۔ منگلا اس وقت رندھیر کے سامنے ہاتھ جوڑے رو رہی تھی۔ "رندھیر بھیا اگر تم نے مجھے معاف نہ کیا تو میں مر جاؤں گی۔ آگ لگے میری زبان کو، نہ جانے غصے میں ایسی بے قابو کیوں ہو جاتی ہے۔" وہ سر جھکائے روتی رہی۔

"ارے بھابی، رشتے میں تو چھوٹا ہوں، سوچتے مار تو کبھی نہیں کہوں گا۔"

رندھیر نے اپنی کوئی آنے والی ہٹ کہانی کے لیے یہ مکالمہ یادداشت کی ڈبیہ میں محفوظ

کر لیا۔ "مگر دیکھو ایک بات صاف ہونی چاہیئے۔ دھرم جی کی بہت کرکری ہوئی ہے۔ اب اگر وہ اس چڑیل کو نکالتے ہیں۔ تو ساری انڈسٹری ٹھٹھا اڑائے گی اور وہ کہیں سر اوپر نہ اٹھا سکیں گے۔ آرٹسٹ کی خودداری بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ سیٹ پر ان کی کیا پوزیشن رہ جائے گی۔ اب اس بات کو دبانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ ہیرو، چڑیل ہیروئن اور گانے آپ کے۔ تب ہی انڈسٹری کے منہ پر طمانچہ لگے گا۔ کام بالکل ایسے ہی ہو جیسے پچھلی فلموں میں ہوا کرتا تھا۔

منگلا خاموش رہی۔

"ایک بات اور، آپ نے بالکل دلچسپی لینا چھوڑ دی ہے۔ اسٹوڈیو آنا بند ہی کر دیا ہے۔ آپ اسی پابندی سے آئیے۔ آپ رہیں گی تو سانپ کو پھن اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا۔ وعدہ کیجئے کہ آپ بلاناغہ آئیں گی۔"

"آؤں گی۔" منگلا نے وعدہ کیا۔

"بات بہت بڑھ گئی۔ ورنہ ایسی کوئی وہ کوہ قاف کی پری نہیں۔ دھرم بہت ضدی ہے۔ یہ آپ سے بہتر کون جانتا ہے۔ آپ نے اس پر بلا وجہ شبہ کیا۔ ہم ساتھ کے اٹھنے بیٹھنے والے ہیں۔ ہنسنے بولنے میں ایسی کیا خرابی ہے۔ سیٹ پر کوئی منہ میں تالا ڈال کر نہیں بیٹھتا۔ اور بھابی سچ کہتا ہوں آپ کے سامنے وہ ہے کیا۔ دھرم کا ٹیسٹ اتنا گرا ہوا نہیں۔" بغیر ارادہ ایک کے بعد دوسرا جھوٹ اس کے منہ سے نکلتا ہی چلا گیا اور منگلا جو ویسے ہی کچی ہوئی تھی یقین مان گئی کہ دھرم پر اس نے بہتان لگایا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دلچسپی ہو مگر معاملہ اتنا تو نہیں بڑھ گیا جتنا تیا نے پہاڑ بنا کے اسے ڈرا دیا۔ شام کو اس نے دو بنارسی ساڑھیاں اور ایک فیروزے کا سیٹ دتو کو بھجوا دیا۔

جب وہ گھر پہنچی تو امینہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی۔

"بیٹھو!" اس نے بینڈ کی آیا سے کہا بچوں کو اوپر لے جانے "اماں تو اچھی ہیں؟"

"جی ہاں۔" امینہ کی آواز بجھی ہوئی سی تھی "ہم لوگ جا رہے ہیں۔"

"کہاں..... کیوں؟"

"حیدر آباد..... پھر وہاں سے حجاز۔ وہاں سے یہ آکر فلیٹ اور کار کا کچھ کریں گے۔"

"دو کیا کہہ رہی ہیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے اور زرینہ ......"
منگلا نے مجبوروں کی طرح پوچھا۔

"ہاں یہ دیکھئے تین ٹکٹ ابھی سیدھی لے کر آرہی ہوں۔ سونے کی سیٹ ایک ہی ملی، اماں کے لئے، ہم تو ویسے بیٹھ کر بھی رات گزار دیں گے۔" امینہ نے تھرڈ کلاس کے ٹکٹ بٹوے سے نکال کر دکھاتے۔

"دیکھوں؟" منگلا نے ٹکٹ لے لئے "تو کام نہیں کرنا؟"

"دیدی، دھرم جی کے اور آپ کے ہم پر جو احسان ہیں ہم چاہیں بھی تو ان کا بدلا نہیں چکا سکتے۔ مگر اب انڈسٹری میں جو گندا چھل رہی ہے اس کو جھیلنا بھی ممکن نہیں۔ دھرم جی جیسے شریف انسان کو بھی نہ چھوڑا۔ آپ تو ذرا تنی سمجھدار ہیں، دھرم جی پر اعتبار ہے، ماہر جہاں کام کرے گی وہاں کون سمجھے گا اور ہم بے یار و مددگار عورتیں کس کس کا منہ بند کریں گی۔ آج آپ کا دل صاف ہے کل آپ کے ہی کوئی کان بھر دے۔ ہم آپ ہی لوگوں کے بھروسے پر آئے تھے۔ کوئی ماموں، چچا بھائی ہی ہوتا تو بھی غنیمت تھا، مگر ذرا سوچئے ہمیں زندہ چھوڑے گی یہ انڈسٹری؟"

"ارے خاک ڈالو انڈسٹری پر۔" آپی گی سب انڈسٹری پر تھوپی جانے لگی۔
"دو بکنے دو بکنے والوں کو۔"

"میرے خیال میں تو چلے جانا ہی اچھا ہے۔ بڑا ڈر لگتا ہے۔ کوئی گلا کٹوادے تو...."

"ارے ہٹو، مجال ہے کسی کی جو گلا کٹوادے۔ تمہارے تی میں نا بھیر کا ہے کا ڈر؟"
"وہ تو تنتناتے بھاگے۔ مجھ سے یہ گند نہیں سمیٹا جائے گا۔ کہتے ہیں طلاق دے دوں گا۔ آپ بتائیے کیا بمار ماں کو چھوڑ دوں؟" امینہ نے آنسو پونچھ کر کہا۔
منگلا کا بھی جی بھر آیا۔ اپنی حماقت پر خود کو کوسنے لگی۔

"کوئی جانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے ٹکٹ پھاڑ کر پھینک دیئے۔
"سیٹ اتنے دن سے کھڑا ہوا ہے۔ پانچ سال کا کانٹریکٹ توڑ کے بھاگو گی، دماغ چل گیا ہے؟"

ٹکٹ پھاڑنے کی خبر انڈسٹری نے ہاتھوں ہاتھ لپک لی۔

"چھکے گھڑے۔" پاگل بولا۔

۹

دھرم اچھا ہو کر گھر آ گیا۔ برآمدے میں جنٹو کی گاڑی اور منّے منّے جوتے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ اس نے جوتے اٹھا لئے۔ ڈرائنگ روم کی اجلی دیوار پر بلّو کے میلے ہاتھ کے نشان پر اس کی نگاہیں جم گئیں۔

ہاتھ میں جنٹو کے جوتے لئے وہ دروازے کے بیچ میں کھڑا رہا۔ منگلا تکیہ پر اُجلا غلاف چڑھا رہی تھی۔ دو بچوں کی پیدائش کے بعد بھی آج دونوں اجنبی تھے۔ بڑی عمر ہو جنٹو کی وہ بُری طرح چنگھاڑتا ہوا داخل ہوا۔ دونوں ایک ساتھ لپکے اور بچوں کو اٹھاتے اٹھاتے دونوں ایک دوسرے کی آغوش میں سما گئے۔ سانسیں الجھ گئیں اور ہاتھ پیر بے قابو ہو گئے۔ جنٹو اس نئے ڈرامے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے لگا۔ آیا بلو کو بھی لے آئی۔ منگلا نے جنٹو کو سمیٹ لیا اور اسے دودھ پلانے ساڑھی اوڑھ کر کروٹ سے لیٹ گئی۔ رات کو ایک وقت وہ اسے اب بھی اپنا ہی دودھ دیتی تھی۔ دھرم نے بلو کے اونگھتے ہوئے سر کو کندھے سے لگا لیا اور ٹہلنے لگا۔ موت کے آدھ کھلے دروازے سے جھانک کر جو کچھ دیکھا وہ دھرم کو ہلا دینے کے لئے کافی تھا۔

دھرم نے سوئے ہوئے بلو کو اس کے پلنگ پر سلا دیا اور آ کر منگلا کے پاس بیٹھ گیا۔ آنچل اٹھا کر اس نے بھوکے جنٹو کے مشتاق ہونٹوں کی جنبش دیکھی اور مسکرا اٹھا۔ منگلا نے سسکی بھری اور دھرم کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں پر

رکھ لیا۔ دھرم نے جھک کر بیٹے کے ہونٹ چوم لئے۔

کبھی پشیمان بیوی محبوبہ کا غم بھلانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

شوٹنگ بڑے زور شور سے شروع ہو گئی۔ نام ست نرائن کا تھا مگر سارا کام دھرم اور رندھیر ہی کیا کرتے تھے۔ صرف اسٹارٹ، اور کٹ ست نرائن کہتے تھے۔ یہ بات بھی انڈسٹری میں پھیلی ہوئی تھی۔ ست نرائن جب دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر تھرّا پیتے تو دھرم اور رندھیر کو موٹی موٹی گالیاں دیا کرتے۔ مگر بندھا مار کھاتا ہے۔ انھیں امید تھی کہ پکچر ہٹ ہو گئی تو پھر دو تین چانس مل ہی جائیں گے یہ انڈسٹری بڑی سیانی بنتی ہے۔ سپر ہٹ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتی ہے۔

دھرم دیو فلمز کے اسٹاف نے طے کر لیا کہ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے پھر کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے گی کہ دھرم اور منگلا کی ان بن ہو جائے۔ زرینہ کی ماں کی بیماری کو ایک شاندار کرب بنا یا گیا۔ موقع بے موقع ان کی طبیعت کی خرابی کے فون آنے لگے۔ آئینہ اور اس کا شرلہ امداد سائے کی طرح زرینہ کے ساتھ لگے رہتے۔ امداد کاٹھ کے اُلّو کی طرح بیٹھا رہتا تھا۔ اس کا جی بہلانے کے لئے زرینہ کے منیجر کا عہدہ دے دیا گیا۔ اور وہ بھی اس کا پیسہ وصول کر کے شوٹنگ کی تاریخیں طے کر کے خاصہ اہم محسوس کرنے لگا۔ ویسے ایکسٹرا چھوکریوں سے بھونڈے مذاق کیا کرتا۔ اس پر آئینہ بھڑنے لگی۔ تو زرینہ کو اسے ٹھونا پڑا۔ ایک عجیب چکر چلانا پڑتا ہے اس قسم کی سیاست کو جمانے کے لئے اور کینٹو کے ہاتھ میں سب کی نگاہیں تھیں۔

ان سب پہرے داروں کے بعد بھی منگلا کی ڈیوٹی فل ٹائم تھی۔ دن میں کئی بار فون کرنا، کھانے کا ٹفن لے کر آنا، اپنے ہاتھ سے دھرم کی پلیٹ سجانا۔ شوٹنگ ختم ہوتے ہی سینڈوچ اور گرم کافی لے کر سیٹ پر جانا۔ اگر شوٹنگ رات کو شروع ہو جاتی تو ساری رات جاگنا۔

"آج لہانا زرینہ کے ہاں بریانی کھائیں گے۔" منگلا کہتی، جھٹ زرینہ گھر فون کر دیتی۔ دھرم، منگلا، رندھیر اور کینٹو پہنچ جاتے۔ خوب گپیں چلتیں، رمی میں ہار جیت ہوتی۔ رات گئے تک خوب ہو حق چلتا۔ دھرم اور رندھیر بیزنس میں اُلجھ جاتے یا کچھ پینے پلانے کا پروگرام بن جاتا تو منگلا زرینہ کے ساتھ نکل جاتی۔

بیٹھی امینہ کے ساتھ تاش کھیلا کرتی۔ زرینہ کسی کونے میں دبک کر سو جاتی۔

”پورنما“ جب شباب پر آئی تو سوئے ہوئے سانپ نے پھر پھن اٹھایا۔ اس پہرے داری سے شاید آگ بجھی ہی نہیں بھڑکتی رہی۔ دھرم کی ویرانی بڑھنے لگی، بڑے عمر کے بین ہوئے۔ پھول میں دبی چنگاری چٹخنے لگی، شعلے کی آنچ سے بدن گرما کر سلگنے لگا۔ دماغ پھٹنے لگا، گھٹن اور پابندیوں نے تیل کا کام کیا۔ دھرم بالکل بکھرے ہیرو کی طرح ردعمل چھوکرا بن گیا۔ سیٹ سے زیادہ دفتر یا منگلا کی آغوش میں۔ آہنی سینے میں ابھرتی، لوہے کے دروازوں سے سر پھوڑ کر۔

عجیب وحشت ہوئی جب ختم کرنے کے لیے دھرم نے ایک دم ”ٹوٹے خواب“ پر کام شروع کر دیا۔ پہلے بھی یہ کہانی بنانے کا کئی بار ارادہ کیا گیا۔ زرینہ سب نے بہت سمجھایا مگر اس نے ایک نہ سنی۔ خیر ”پورنما“ کی رپورٹ اچھی تھی۔ بزنس اچھی ہو رہی تھی۔ اور اسے روک بھی کون سکتا تھا۔ منگلا نے بھی حمایت کی کہ شاید خود ڈائرکشن نہ کرنے کی وجہ سے اتنی وحشت ہے۔ بلا سے اس سے توجہ ملے گی۔ بجلی کی سرعت سے فلم بننے لگی۔

”چھوٹے خواب“ کی کہانی بالکل دھرم کی اپنی زندگی کی کہانی تھی۔ ایک کامیاب فلم ڈائرکٹر کی کہانی تھی جو اپنی زندگی کی یکسانیت سے اکتایا ہوا تھا۔ اسے ایک معمولی سی لڑکی مل جاتی ہے۔ وہ اسے کامیاب ہیروئن بنا دیتا ہے۔ اس کی بیوی درمیان میں آ جاتی ہے۔ اور وہ لڑکی سب کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ ڈائرکٹر ذہنی طور پر مفلوج ہو جاتا ہے۔ لوگ اسے بھول جاتے ہیں، مگر وہ کھوئے کھوئے خواب ڈھونڈنے اسٹوڈیو میں آتا ہے۔ کوئی اسے نہیں پہچانتا اور دھکے دے کر نکال دیا جاتا ہے۔ وہ چھپ کر اسٹوڈیو میں گھس جاتا ہے۔ جبکہ وہاں کوئی نہیں۔ گزری ہوئی زندگی یاد آتی ہے۔ اور وہ اوپر سے گر کر مر جاتا ہے۔ اور ایک پرانا مزدور اسے پہچانتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کا بہت عظیم ڈائرکٹر تھا۔

فلم چند مہینوں میں مکمل ہو گئی۔ سوائے دھرم کے اس میں کسی کو کچھ نظر نہ آیا اور فلم ہر جگہ بہت بری طرح ناکام ہوئی۔

ناکامی ہی دھرم کو اصل کامیابی معلوم ہوئی۔ اس کردار میں وہ ایسا ڈوبا کہ ابھر نہ سکا۔ بالکل اس بدنصیب ڈائرکٹر کی طرح مردہ اور مفلوج ہو گیا۔ اس کے

مدام اُسے جھنجھوڑ کر یاد دلانا چاہتے تھے کہ وہ زندہ ہے مگر اس کا یقین ختم ہو چکا تھا۔ وہ ان زنجیروں کو توڑ کر زرینہ تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ گو وہ اب اس کی تمنا کو بھی دفن کر چکا تھا۔

اُسے جگانے کے لئے سب ہی ٹونے ٹوٹکے کئے۔ رندھیر نے اس کی ملاقات ایک ایسی عورت سے کروائی جس کے بارے میں سُنا تھا کہ مُردوں میں جان ڈال دیتی تھی۔ کتنی لڑکیاں ہر سال فلم کے چکر میں بمبئی آتی ہیں۔ آسمان کی بلندیوں کو چھونے کے بجائے اُٹھائی گیروں کے ہتھے چڑھ کر ویٔن پل کی رونق کا سامان بن جاتی ہیں۔ پدما بھی ان ہی میں سے ایک تھی۔ اب وہ فلمی طوائف کہلاتی تھی۔ نام کو فلموں میں کام کرتی تھی۔ میل جول بھی انھیں سے تھا۔ سیٹھ لوگوں کو پھانسنے کے لئے بطور پھٹکی استعمال کی جاتی تھی۔ ذرا عمر آ جائے گی تو اپنی "چھوٹی بہن" کو بلا لے گی۔ ویسے بھی اس کے یہاں اس قدر مجمع رہتا ہے کہ وہ اپنی سہیلیوں کو اپنی مدد کے لئے بلاتی رہتی ہے۔ ہورت پارلیمنٹ پر جشن منانے عموماً لوگ اُسی کے ہاں جمع ہوتے ہیں۔

پدما نسوانیت کا انبار ہے۔ اُس کے کئی عاشقوں نے اس فلم میں ڈالا مگر اس کا چہرہ کوئی کیمرہ قابلِ قبول نہیں دکھا پاتا اور اس کے دلچسپ اور بھڑکدار زاویوں پر سنسر کی قینچی چل جاتی ہے۔ دھرم دیو پدما کے فلیٹ کی دھماچوکڑی دیکھ کر جی اُٹھا۔ اس کی ساری پھپوندکھرچ کر پھینک دی۔ وہ اس کے فلیٹ میں دین دنیا کا غم بھلائے ہفتوں پڑا رہا۔ دھکی بے دم سی لگنے لگی تھی۔ مگر پدما کی زنبیل میں اور بھی معجزے پوشیدہ تھے، کبھی بھنگ، کبھی چرس، افیون بھی کچھ دن چلی، زندگی مسلسل چٹخارہ بن گئی۔ دھرم کو عام فلم کے لوگوں کی طرح بے خوابی کی تکلیف تھی، مگر پدما نے ثابت کردیا کہ یہ بیماری نہیں نعمت ہے سونا اور مرنا برابر۔ جاگتے وجود کا ہر لمحہ سمیٹ کر پی جاؤ، کہ یہی زندگی ہے۔ باقی موت!

منگلا جو زرینہ پر پہرا ڈال کر مطمئن تھی اس کے فرشتوں کو بھی اس وقت پدما اور اس کی سہیلیوں یعنی چرس اور بھنگ کا پتہ نہ تھا۔ وہ تو اپنی دانست میں پتی دیو کو نرک سے نکال لائی تھی۔

ڈبل پیگ میں خواب آور گولیوں کی لت بھی اُسے پدما کے حضور میں لگی۔ زرینہ سے وہ بے توجہ تھا یا بنا دیا گیا تھا۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ جنون

سے نجات مل گئی تھی۔ بیداری پر پہرہ تھا مگر خوابوں پر روک ٹوک نہیں تھی کہ یہ خواب ہی اس کی زندگی کا ماحصل تھے۔ اگر زرینہ اس کے خوابوں سے کنارہ کشی کرتی تب ہی تو اس کی بے وفائی کا گلہ ہوتا۔ پدما کے میل جول کی خبر منگلا تک پہنچی۔ دھرم کی غیر حاضریوں سے تھک کر پھر اس نے پینا شروع کر دیا۔

"کیوں جاتے ہو اس گندی بیسوا کے ہاں؟"

"بس وقت گزر جاتا ہے۔"

"یہاں جی نہیں لگتا، وہاں لگ جاتا ہے؟"

"نہیں وہاں بھی نہیں لگتا، ہنگامے میں کچھ پتہ نہیں پڑتا۔"

"آخر جی کیوں گھبراتا ہے؟"

"پتہ نہیں۔" وہ احمقوں کی طرح مسکرانے لگا۔ اسے وہسکی میں خواب آور گولیاں استعمال کرتے دیکھ کر منگلا نے بھی نسخہ آزمایا۔ کچھ دن بڑی شاندار نیند آئی پھر ان کا اثر بھی دھیما ہونے لگا۔

"پورنما" سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بست نرائن پرانا جاجد ست ڈائرکٹر اس مزے سے سین جما رہا تھا کہ پروگرام میں کوئی ہلچل نہ ہو۔ حتی الامکان دونوں کا علیحدہ کام بڑی تیزی سے ختم کر دیا۔ ایک دن پدما کے ہاں شکیلہ بانو کی قوالی تھی۔ محفل پورے شباب پر تھی۔ پدما بے حیائی کا مرقع بنی اونگھتے ہوئے جذبات کو جھنجھوڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دھرم باوجود اس ہنگامے کے اکتایا ہوا بیٹھا تھا۔ وہسکی پانی ہو چکی تھی۔ اس نے جیب سے خواب آور گولیوں کی شیشی نکالی۔ ہاتھ ہلا اور چند گولیاں ضرورت سے زیادہ پڑ گئیں۔ دھرم نے انگلی سے پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ گھل گئیں۔ اونھ کیا فرق پڑتا ہے۔

اگر اس وقت کیشو نہ آجاتا تو دھرم دیو کی کہانی اسی دن ختم ہو جاتی۔

"زرینہ کی والدہ کا ہارٹ فیل ہو گیا،" کیشو نے کہا۔

دھرم کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ پڑا اور وہسکی قالین میں جذب ہو گئی۔

جب وہ پہنچا تو منگلا پہلے سے موجود تھی اور زرینہ کو چھاتی سے لگائے اسے تسلی دے رہی تھی۔ دھرم نے زرینہ کے سر پر آہستہ سے ہاتھ رکھا اور بے بسی سے واپس مڑ گیا۔

دھرم کو تو بہانہ مل گیا ۔

"بتاؤ یہ فلم بڑی منحوس ہے"۔ مگر اسٹاف کی ساری اُمیدیں اسی فلم سے وابستہ تھیں ۔ ست نرائن بھی بالکل بجھ گئے ۔ زرینہ بھی اپنا غم بھول کر تیار ہو گئی ۔ کچھ کامیڈین کا کام کچھ آرٹ ڈور ہوا جس میں زرینہ کا کام نہیں تھا ۔

خدا کی قدرت دیکھئے وہی انیل جسے دھرم نے اپنی فلم سے اس بے رحمی سے نکالا تھا زورداری کی فلم میں چمک گیا ۔ فلم تو نا کامیاب نہیں ہوئی لیکن انیل کی قیمت ایک دم چوٹی کے ہیرو کے قریب پہنچ گئی ۔ پھر اس کی ایک سال میں دو مدراس کی فلمیں سپرہٹ ہو گئیں ۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ رتی کی صف چھوڑ کر دلیپ اور دیو کی قطار کے پاس آ گیا ۔ اس نے اپنی ذاتی کمپنی کھڑی کر لی اور پہلی فلم کے لئے اور کوئی لڑکی نہیں بس زرینہ ہی اُسے چاہیئے تھی ۔ اس نے کیشو سے بات کی ۔ وہ دھرم سے سفارش کرنے کا وعدہ کر کے ٹال گیا ۔ مگر اُسے یاد آ گیا کہ زرینہ کا کانٹریکٹ ختم ہونے والا ہے نیا کانٹریکٹ ہو جانا چاہیئے ۔

"ابھی کیا جلدی ہے پانچ سال کا ہے کانٹریکٹ"۔

"اکتوبر میں پانچ سال ہو جائیں گے"۔

"پانچ سال"۔ اس نے کانٹریکٹ دراز میں ڈال دیا ۔ ہاتھ کے اشارے سے کیشو کو ٹال دیا ۔

"پانچ سال"۔ ابھی کل ہی تو اس نے تیلگو فلم میں دیکھا تھا ۔ سوکھی پر پیاسی، بالکل بچی لگتی تھی ۔ ایک دم زرینہ ہوک بن کر کلیجے کو مسوسنے لگی ۔ اس کا ذہن مفلوج ہونے لگا ۔ بے قراری سے وہ میک اپ روم میں ٹہلنے لگا ۔ بڑی مشکل سے جی ٹھہرا ۔

سیٹ پر آج سناٹا سا لگ رہا تھا ۔ روز جھگڑا بکھرے رہتے تھے ۔

"یہ پھول کیسے ہیں ، کیا کوئی سالگرہ کا سین ہے"۔ دھرم نے پھولوں کی ٹوکری کو پیر سے ٹھکرا کر پوچھا ۔

"جی یہ سہاگ ہے"۔ ست نرائن بولے ۔

"سہاگ؟"

"جی ، آج حضور کی سہاگ رات ہے ، میٹھی رات"۔ سب ہنسنے لگے ۔

دھرم کچھ شرما کر ہنس دیا۔ بڑے مزے کی بات تھی کہ آج وہ پہلی دفعہ فلم میں دولھا بن رہا تھا۔ "ارے یہ گھوڑے کو پہناؤ گے یا دولھا کو"۔ اس نے بوجھل سہرا اٹھا کر ہاتھ میں تولا۔

"بے چارے گھوڑے کے یہ کہاں نصیب"۔ سب نے پھر قہقہہ مارا.....

بڑا معرکے کا سین تھا۔ رندھیر اسے بار بار سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دھرم کو موڈ ہی نہیں آ رہا تھا۔

وہ سیٹ پر پہنچا تو زرینہ سر میں کریلا لگائے چائے کی سڑکیاں لگا رہی تھی۔ پاس انیل بیٹھا تھا۔ دھرم کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہو ہو انیل، کہو کیسے ہو"۔ دھرم بڑے تپاک سے ملا۔

"آپ کی دعا ہے، آج تو آپ خوب بج رہے ہیں۔ دھرم سرخ ہو گیا۔

"بھئی کمال ہے دلہن سے زیادہ تو دولھا شرما رہا ہے"۔ انیل ہنسا

"کیا یہ شوٹ ضروری ہے ست نرائن جی، یہ سہرے کی بڑی جھکلس ہے۔

"سہرا باندھنا نہیں ہے، انٹری کے وقت اتار دیں گے۔ ادھر صوفے پر ڈال دیا جائے گا"۔

"اور پگڑی؟" زرینہ نے پگڑی اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی "میں پہن لوں ست نرائن جی؟" وہ ہنسی۔

"مار کھانے کا ارادہ ہے کھل جائے گی، رکھ دے"۔

دھرم رندھیر کے پاس چائے پینے چلا گیا۔

"شوٹ تیار ہے رہی ہرسل اور ٹیک"۔ ست نرائن آج نل پا ئچ لئے ہوئے تھے۔

پھولوں کی سیج پر زرینہ شرم سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ دھرم کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ باریک شفاف کے سنہرے جال کے دوپٹہ میں اس کی حیا سے بوجھل آنکھیں اور لرزاں ہونٹ ہوش و حواس پر بجلی گرانے لگے۔ یہ ایک فلم کا شوٹ تھا یا اس کے بے رحم خوابوں کا دھندلا سا عکس۔ وہ بار بار بھول جاتا کہ وہ ایکٹنگ کر رہا ہے۔ ست نرائن کا چلاتے چلاتے حلق خشک ہو گیا۔ لائٹس اون ـــ لائٹس آف...

..... ری ٹیک .... کیا قیامت ہے، کوئی مشکل بات نہیں، بس دلہن کا گھونگھٹ اُٹھاکر دولھا کو کہنا ہے۔

"آنکھیں تو کھولو میری جان!" لائٹس اون ——— لائٹس آف!

"جان تو کھو" کٹ کٹ

"گھونگھٹ تو آنکھیں" کٹ۔

"جان تو گھونگھٹ ——— کٹ کٹ

"ستیہ نرائن جی یہ .... یہ جان بدل دیجئے" دھرم نے چڑھ کر کہا۔

"مطلب جان نکال دوں؟ ارے بھائی زندھیر کدھر اونگھ رہے ہو یہ جان نکالو" ایک قہقہہ پڑا۔

"بھئی ونسٹر کو چلتا کرو" دھرم نے چپکے سے کیشو سے کہا۔

"اور کوئی نہیں انیل اور ان کے منیجر سریش اُدھر بیٹھے ہیں۔ زرینہ کے کانٹریکٹ کے لئے آئے تھے"

"ان سے کہہ دو ہو جائے گا" کیشو لپک کر آیا "وہ ٹھیک ہے، ہو جائے گا"

"تھینکس" انیل نے اس کا ہاتھ بڑے خلوص سے دبایا۔

"بس اب اطمینان رکھو، ہو جائے گا" کیشو نے اُسے باہر کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو کیشو صاحب، بہت بہت شکریہ۔ ڈیٹیلس کی جلدی نہیں.... ..... مجھے تو بزنس کے لئے بس پکا کرنا تھا"

انیل کے جانے کے بعد ذرا اس درست ہوئے تو کیمو نخرے کرنے لگا۔ انیل سے کانٹریکٹ کے پکے وعدے سے زرینہ کا جی کھل اٹھا تھا۔ دھرم کو پلنگ کے پاس آتا دیکھ کر اُٹھنے لگی۔

"بیٹھو بیٹھو" وہ تکیہ گھسیٹ کر نیم دراز ہو گیا۔ "کیا شوٹ اُڑا ہے"

زرینہ مسکرا کر اپنی چوٹی سے کھیلنے لگی۔

"اتنا سا ڈائیلاگ ہے، زبان پر نہیں چڑھتا"

"کیوں؟" زرینہ نے کچھ نہ کہنے کو پاکر کہہ دیا۔

"اس لئے کہ جو دل میں ہوتا ہے ہونٹوں پر آتے ہوئے لرزتا ہے"

زرینہ نے نئی دلہنوں کی طرح چور نظروں سے دیکھا اور مسکرا کر سر جھکا لیا۔

" اے ..... ادھر دیکھو!" دھرم نے اُس کی ٹھوڑی دو انگلیوں سے اُوپر اُٹھائی۔

زرینہ نے منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ دھرم نے ہاتھ ہٹایا تو ایک آنسو ڈھلک کر رخسار پر بہنے لگا۔ دھرم نے ایک دلدوز آہ کھینچی اور زرینہ کا ہاتھ اتنے زور سے پکڑ کر اُس کی انگلیاں کڑکڑا گئیں۔

" چاند ..... چاند ....." دھرم نے اُس کا چھوٹا سا سرد ہاتھ اپنے اُچھلتے ہوئے دل پر رکھ لیا۔

" بیوٹی فل!" ست نرائن اچھل پڑے۔ دھرم جلدی سے سنبھل گیا! " ارے زندھیر پیارے گولی مارو سالے ڈائیلاگ کو بھئی ہم تو ہو گئے بوڑھے جو نوجوانوں کو سوجھتی ہے۔ سالی اپنی سہاگ رات تو یاد بھی نہیں رہی۔ کیوں زندھیر، یہ کیسا پوز رہے گا۔ دولہا تنا ہے۔ کچھ جان وان نہیں بولتا۔ یوں لیٹ جاتا ہے۔" اُنھوں نے دھرم کو لٹاتے ہوئے کہا۔

پھر لائٹس بدل گئیں۔ وہ فی البدیہہ سین جو اُس دن ہوا دیکھنے والوں پر نشہ چھا گیا۔ وہ ٹکڑے ٹکڑے سے جملے بار بار لکھے گئے۔ پھر بدلے گئے۔ ست نرائن جی کی باچھیں یہاں سے وہاں تک پھیلی ہوئی تھیں۔

دو ٹکڑے دن سین کی دھاک ساری انڈسٹری میں پھیل گئی۔ دونوں نے اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دیا۔

صبح کے دھندلکے میں جب پیک اپ ہو رہا تھا تو دھرم نے میک اپ روم کی طرف جاتی ہوئی زرینہ کا ہاتھ چھوا۔ وہ انھیں کپڑوں میں مڑ کر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

دھرم اُسے اُوپر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر رات بھر کا مرجھایا ہوا سہرا اُٹھا کر تھکی ماندی آنکھوں میں پیار کی شمعیں جلا کر اپنے پرائیویٹ کمرے میں داخل ہوا تو اندھیر گُپ تھا۔

" چاند ..... چاند" اُس نے بھرے ہوئے گلے سے پکارا۔ دیوان کے پاس کا لیمپ ایک دم جل اُٹھا۔ منگلا اُس کا ڈریسنگ گاؤن پہنے اُسی وقت جاگی تھی۔ وہ جھجک کر پیچھے ہٹا تو کسی سخت چیز پر پیر پڑا۔ جھک کر اُٹھایا تو دلہن کی کاسٹیوم کا جھبکا پکنا چور پڑا تھا۔

۱۰

اگر چینی کا برتن چٹخ جائے تو صاف بال نظر آتا ہے۔ مگر جب انسان کا وجود کچے گھڑے کی طرح بیٹھ جائے تو مادی نظروں کو کچھ فرق نظر نہیں آتا۔ دھرم دیو کے تین ٹکڑے ہو چکے تھے۔

ایک تو وہ دھرم دیو تھا جو فلم انڈسٹری کا کامیاب فرد تھا جس کے نام کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ اپنی چہیتی بیوی کا محبت کرنے والا شوہر، بچوں پر جان چھڑکنے والا باپ، یاروں کا یار، ماتحتوں کا غمخوار۔

دوسرا وہ دھرم تھا جو "پورنما" کے سیٹ پر پھولوں کی رانی کا دوکھا تھا۔ ایسے دہکتے ہوئے عشق و محبت کے سین فلمائے جاتے یا کم از کم ریہرسل ہی ہوتی کہ دیکھنے والوں کو پسینے آ جاتے۔ کسی مہمان کو سیٹ پر آنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ سین اگر پردہ سیمیں پر دکھا دیئے جاتے تو شعلے بھڑکنے لگتے۔

اور تیسرا دھرم دیو وہ تھا جو "پورنما" کے سیٹ پر سلگائی ہوئی آگ پدما کی بانہوں میں ڈوب کر بجھاتا تھا۔ وہ کسی گرہستن کی سیج کے لائق نہیں رہ گیا تھا۔ پدما اس کے تھکا تھکا وجود کو سمیٹ کر سینے سے لگا لیتی کہ اس کے قبیلے کی عورتیں کائنات کے دھاردار ٹکڑے ہتھیلیوں میں سنبھال لینے کا فن جانتی ہیں۔

اس کا دل زرینہ کے قدموں میں تھا۔ دماغ اپنے مقدس گھر میں اور ناپاک جسم پدما کی بانہوں میں۔ اگر کبھی یہ تینوں وجود گڈمڈ ہو جاتے تو وہ کہیں دور نکلاوں

میں قلابازیاں کھانے لگتا۔

مگر یہ کرب، یہ لذتیں اس کی زندگی کا ماحصل بن چکی تھیں۔ خود کو روندنے اور مٹانے میں اُسے ساری اُلجھنوں کا جواب مل جاتا۔ اُس نے ایک بار پھر افیون کی بھاری مقدار کھا کر موت سے رشتہ جوڑنا چاہا مگر موت نے بھی منہ پھیر لیا۔ گھر پر ہی تین چار دن علاج ہوتا رہا اور وہ پھر زندگی سے بیزار خود اپنی تنہائی میں ویران پھرنے لگا۔ کوئی معقول وجہ نہیں تھی اس لئے کوئی ہنگامہ نہ ہوا۔

منگلا تیھ بے دست و پا ہو چکی تھی۔ اب پھر سے وارثی مسخرہ بن کر لگنے لگی تھی۔ اس کے آنے کی خبر سیٹ پر آتے ہی کچھ کوڈ ڈائیلوگ میں ہر شخص کو اطلاع پہنچ جاتی اور جب وہ جاتی تو سطح بالکل ہموار نظر آتی۔ دھرم یا زرینہ کا کوئی کلوز اپ یا لانگ شوٹ لگا ہوا ہوتا۔ سب نہایت اوچھی ہوئی شکلیں بنائے اس کی آمد جاگ پڑنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے آؤ بھگت کے لئے لپکتے۔ زرینہ نہایت شوخ جملے بڑے پیار سے اس کی طرف اچھالتی۔ وہ مزاح کی شوقین تھی۔ مگر یہ سمجھنے لگی تھی اس کا مقابلہ ایک دو سے نہیں پورے اسٹاف سے ہے۔ کوئی بات چھیڑنا اپنا مذاق بنوانا ہے۔ کیونکہ اس کی ہر بات غلط ثابت کر دی جائے گی۔ اس نے پھر دل کا سکون ڈھونڈنے کے لئے سہارے تلاش کرنے۔ چاہے شوٹنگ ہو یا نہ ہو زرینہ کو روزانہ اسٹوڈیو حاضری دینا پڑتی تھی۔ اس نکتے پر ہنگامہ کھڑا کرنا ہی حماقت تھی۔ انیل کو ڈیٹ دینے کے ذکر پر ہی دھرم بھڑکنے لگتا۔

"میری "پورنما" سنسر ہو جائے گی تب دیکھا جائے گا۔" وہ بڑی رکھائی سے ٹال دیتا۔

"اب تو ختم ہونے والی ہے، اور اس سیٹ پر تو میرا کام نہیں، جانی کا اور آپ کا ہے۔" زرینہ نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔

"تم کو کیسے معلوم کہاں تمہارا کام ہے اور کہاں نہیں۔" وہ غرایا "اب ڈائرکشن بھی سنبھالنے کا ارادہ ہے۔" ایک دم وہ اسے سب کے سامنے ایسی بری طرح ڈانٹ دیتا تھا کہ زرینہ سکتے میں رہ جاتی۔ یہ بھی کوئی عاشقی کی ادا تھی۔ کچھ اپنائیت کی دعوےداری تھی۔ پھر وہ انتہا روٹھ جاتا۔ بے طرح اُسے نظر انداز کرتا۔ دوسری ہیروئن کو بڑے زور شور سے ہدایات دینے لگتا۔ زرینہ لرز جاتی۔ اس نے سنا تھا بلکہ

آزما چکی تھی، کہ اپنی سی کرنے پر آجاتے۔ تو وہ پوری فلم کو آگ لگا دے گا۔ اور اُس کی عنایات کا مرکز بننے کے بعد اُس برتاؤ سے اُس کا کلیجہ کٹنے لگتا۔ وہ موقع پاکر کوئی ایسا چھوٹا سا ادھورا سا جملہ کہہ دیتی کہ وہ بچوں کی طرح ریشۂ خطمی ہو جاتا۔ گلزار کی طرح لہلہا اُٹھتا، اسٹاف پر عنایات کی بارش ہونے لگتی، سارے جگ کے لئے پیار جاگ اُٹھتا۔

انڈسٹری جسے اپنے سونگھ لینے کی طاقت پر بڑا ناز ہے، اس بار دھوکہ کھا گئی۔ دھرم اور منگلا کے ظاہری ملاپ سے سب مرعوب نظر آتے تھے۔ بجائے اس کی حماقتوں پر ہنسنے کے اُس کی دُور اندیشی کی داد دیتے تھے۔ فلمی بیویوں کا سہاگ تو سوئی کی نوک پر ٹکا رہتا ہے۔ وہ منگلا کی اس جیت کو اپنی ذاتی فتح سمجھتیں کہ کوئی تو ستی ساوتری نکلی جو بجائے ماتم کرنے کے یم دوت سے بھڑ گئی۔ اور اپنے پیارے پتی کو صحیح و سالم نکال لائی۔

چوٹ بھر جاتی ہے، پر نشان نہیں مٹتا۔ جیت تو ہوئی مگر چہرے پر سے وہ بے ساختہ اطمینان اور بھروسے کی چمک اُڑ گئی۔ اس میں کوئی کمی نہ تھی جب ہی دھرم کے پیر لڑکھڑائے۔ انڈسٹری میں کوئی کسی تعلق عالم کا شکار بنتا اُس کے زخم ہرے ہونے لگتے کہ دوسرے کے آئینے میں اپنے دکھ زیادہ صاف دکھائی دینے میں۔ کچھ لیسے چلے چُھپے جملے کہتی کہ دھرم اور زرینہ پر شبہ پڑنے لگتا۔

ستمبر میں فلم کی زور سے ریکارڈنگ ہونے لگی۔ دیوالی پر "پورنما" ایک دم سارے بڑے شہروں میں ریلیز کرنے کا پروگرام تھا۔ زرینہ اسی پابندی سے آرہی تھی۔ دھرم نے ابھی کہانی کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا تھا۔ مگر یہ طے ہو چکا تھا کہ وہی "معصوم پورنما" کی کامیاب جوڑی ہوگی، لیکن خاص کردار مینا کماری کا تھا۔

کاپیاں تیار ہو ہو کر جا رہی تھیں۔ زرینہ دفتر میں بیٹھی اسکرپٹ پڑھا کرتی۔ انیل کو ڈیٹ دینے کی بات دھرم نے ان سُنی کر دی تھی۔

"انیل کے فلم کی مہورت ہے چلوگے نہیں"، منگلا نے تیار ہو کر پوچھا۔ "بیچارا خود آیا تھا بڑی منت سے کہہ گیا ہے چیف منسٹر آرہے ہیں مہورت کرنے۔"

"مجھے کاپیاں بھجوانا ہیں، پبلسٹی کا سامان بھجوانا ہے، تم جا رہی ہو"

"ہاں، لگانے برمن دادا نے کہا مجھ کو ہی دینا ہوں گے۔"

"تم گانے دے رہی ہو؟"

"ارے بھول گئے۔ خود مجھے کیتھو سے کانٹریکٹ بھجوایا۔ اور" وہ دھرم کا رنگ دیکھ کر جھینکی ہو گئی۔ ٹال کر اس نے پکارا "وہ چلو جلو جنیٹو....... یہ دیکھو ان کے لئے الگ کارڈ دے گیا ہے۔ تم بھی چلو نا خوش ہو جائے گا بیچارا۔"

"سارا کینہ تو جا رہا ہے۔ ایک میرے نہ جانے سے کیا فرق پڑے گا۔ میری طرف سے عذر کر دینا۔"

وہ جانتی تھی دھرم ہٹ دھرمی کر رہا ہے وہ یہ سارے کام اس نے آج تک نہیں کئے۔ سب کیتھو کرتا ہے۔ وہ لاڈلی کوئی ریہرسل کرنے آرہی ہوگی۔" مگر وہ بڑے چین سے دونوں بچوں کا ہاتھ پکڑ کر روانہ ہو گئی۔

وہاں زرینہ کو دیکھ کر اسے اتنی خوشی ہوئی کہ سچ مچ گلے لگا لیا۔

"ہاں بھائی "پورنماشی" کے حنداکواب دیدی کے ہاں آنے کی فرصت کہاں۔" اُس نے پیار سے طعنہ دیا۔

"ہائے دیدی طعنہ مارو گی تو اللہ قسم رو دوں گی۔ مٹے اسٹوڈیو سے فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"ہائے میرے سہاگ کو مٹا کہہ رہی ہے۔" اس کا جی چاہا ڈانٹے مگر اس کا جی کھل رہا تھا۔ دھرم ہی تو اصل اسٹوڈیو ہے۔

مہورت بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ انیل کی بیوی کچھ بجھی بجھی سی لگ رہی تھی۔

میرا بھوت اتر کے اب اس نگوڑی پر چڑھے گا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرائی۔ انیل کی بیوی یاسمین نے شادی کے بعد فلم میں کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ زرینہ کے قصے سن کر لرز رہی تھی، وہ اس میدان میں نئی نہیں تھی۔ سنا تھا کہ انیل سے بہت جھگڑا ہوا زرینہ کو لینے پر، مگر وہ نہیں مانا۔

"وہ کس کی اجازت سے مہورت میں گئی۔" کیتھو پر دھرم نے گولہ باری شروع کی۔

"پرسوں ذکر تو ہوا تھا سب کے سامنے۔"

"سب کے سامنے سے یہ مطلب نہیں کہ میں نے اجازت دے دی تھی۔"

"انیل حیب کارڈ سے کرائے تو آپ فون پہ تھے۔ وہ دستخطوں کے لئے کانٹریکٹ دے گئے ہیں۔

"یہ کانٹریکٹ نہیں ہوگا۔"

"مگر تم نے تو کہہ دیا تھا انیل سے کہ ہو جائے گا اسی لئے تو اس نے نام دے دیا۔"

"میں نے کہا تھا ہو جائے گا۔ بس اب میں ہی کہتا ہوں نہیں ہوگا۔"

"مگر......"

"میرا دماغ نہ چاٹو۔" وہ دھڑ دھڑ فائیل پٹخنے لگا۔

بڑی شاندار مہورت ہوئی چیف منسٹر کے ساتھ زرینہ اور انیل کی تصویریں کھنچیں، تردیدی کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں، پہلی فلم تھی انیل مہمانوں کی خاطر میں بچھا جا رہا تھا۔ دھرم نہیں آیا، اسے کلیپ دینا تھا۔ انیل نے منگلا سے درخواست کی، بیحد جھینپتی ہوئی وہ تیار ہو گئی۔ انیل نے کانٹریکٹ کی یاد دہانی کی،

"ہو جائے گا، آپ فکر نہ کیجئے۔" امینہ نے کہا۔

"مجھے اپنی فکر نہیں، میں تو تمھاری تسلی کے لئے کہہ رہا تھا۔ مجھے کیا فکر دھرم جی نے کہہ دیا جانو کانٹریکٹ ہو گیا۔"

جب زرینہ اسٹوڈیو پہنچی تو دھرم فرعون بے ساماں بنا بیٹھا تھا۔

"مجھے کیا معلوم، امینہ آپا سے کہیے۔"

"کیا کہوں امینہ سے؟ امینہ کمپنی کی نوکر نہیں ہے۔"

"انہوں نے کہہ دیا تھا ہم لوگ ضرور آئیں گے۔" آنسو چھلکنے لگے۔

"تو وہ چلی جاتیں۔"

"معاف کر دیجئے دھرم جی۔ وہ بات یہ ہوئی کہ غلطی میری تھی۔" امینہ بولی۔

"جب دو ایک ساتھ شروع کر رہا ہوں۔ میں ڈیٹ کہاں سے دے سکوں گا۔"

دھرم نرمی سے بولا۔ "تم لوگوں کو میری پریشانی کا ذرا بھی خیال نہیں۔"

دھرم کے شرکت نہ کرنے سے انیل کچھ شبہے میں پڑ گیا تھا۔ اس نے یوں ہی ٹٹولنے کے لئے دھرم کو فون کیا۔

"ہلو...... دھرم جی، میں انیل بول رہا ہوں۔"

"اوہ بھئی مجھے بڑا افسوس ہے۔ ڈیٹ کا تو سوال ہی نہیں اُٹھتا، دونوں فلمیں سیٹ پر جا رہی ہیں۔ آپ کو بھی خواہ مخواہ تکلیف ہوگی۔"

"جی، میں سمجھا نہیں" وہ واقعی نہیں سمجھا۔

"آپ وجینتی مالا کو لے لیجئے۔ زرینہ کے پاس بالکل وقت نہیں۔"

"مگر میں تو مر جاؤں گا۔ دھرم جی میں نے تو بزنس بھی کر لی۔"

"سوری، میں نے آپ سے کہا تھا" دھرم لاجواب ہونے لگا۔

"آپ نے کہا تھا ہو جائے گا۔ پکی بات ہے ...... اب ......"

"سوری انیل ...... میرے پاس بالکل وقت نہیں" اس نے بڑی نرمی سے کہا اور فون رکھ دیا۔

انیل سناٹے میں رسیور دیکھتا رہا۔ پھر رکھ دیا۔

"مجھے معلوم تھا" ترویدی نے تلخی سے مسکرا کر کہا۔ "میں نے کہا بھی تھا مگر"

"مگر ترویدی صاحب انہوں نے مجھ سے کہا ......"

"پیارے یہ فلم لائن ہے۔ یہاں ہاں اور نہیں، کوئی معنی نہیں رکھتے۔"

"یہ خوب رہی کامیابی نصیب ہو تو ہماری آپ کی .... اور باقی رہا الزام وہ انڈسٹری کے ماتھے۔ دھرم جی بات سے پھر جائیں۔ اس میں انڈسٹری کو کیوں داغ لگے۔ خوب۔ واہ" اتنے میں پھر گھنٹی بجی۔

"ہلو" انیل نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"ذرا انیل صاحب کو بلا دیجئے۔"

"کون امینہ آپا ..... کہئے میں بول رہا ہوں۔"

"دیکھئے بات آگے نہیں جانی چاہئے۔ آپ بے فکر رہئے ..... سب ہو جائے گا۔"

"مگر میں تو پندرہ اکتوبر سے آؤٹ ڈور پر جا رہا ہوں۔ جی ...... اچھا اچھا.."

"ہاں نئی لڑکی کی تلاش ہے یا اور ایسا ہی کوئی بہانہ" امینہ دھیمی آواز میں بولی۔

"ہاں ہاں وہ میں سب ٹھیک کر لوں گا .... شکریہ شکریہ ...." انیل کا

چہرہ جگمگا اٹھا...." ہاں ترویدی صاحب آپ کہہ دیجئے یہ تو میں جانتا تھا" اس نے ترویدی کو امینہ نے جو کچھ کہا تھا بتا کر چڑایا

"نہیں پیارے یہ تو میں بالکل نہیں جانتا تھا۔ یار یہ عورتیں بڑی تگڑم باز ہوتی ہیں۔"

اپنی بات رکھنے کے لیے بے کہانی طے کئے دھرم نے سیٹ لگوانا شروع کردیا۔ زندھیر کو مدراس سے ایک بہت بڑا آفر آیا۔ مگر دھرم نے کہا اتنا بڑا کام وہ کیسے سنبھالے گا۔ کیونکہ مینا کماری والی فلم اُسے ہی ڈائرکٹ کرنا ہوگی۔ دوسری پھرست نرائن کو دے دی جائے یا ترویدی۔

"ترویدی انیل کے ساتھ پارٹنرشپ میں ہے۔"

دھرم کچھ چڑھ سا گیا۔ بھورت کے موقع پر جو اس نے پبلسٹی کی تھی وہ بھی دھرم کو بہت بھچوری معلوم ہوئی۔ اس میں منگلا کے فن پر بہت ہی شاعرانہ روشنی ڈالی گئی تھی، حالات زندگی میں اسے اس قدر مہان ہستی ظاہر کیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا دھرم اسی کی محنت اور قربانیوں سے اتنا کامیاب پروڈیوسر بنا ہے۔ دھرم کو کبھی لوگوں کی طرح کسی کی غیبت کرنے کی نہ عادت تھی اور نہ مہلت اس کی اپنی زندگی اتنی بھرپور رہی تھی کہ کسی پر رشک کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ مگر اس وقت انیل پر چھینٹے کسنے لگا۔ بھچھورا ہے، بہت چھدکتا ہے۔

"یار تو جو لنگوٹی کے سہارے اوپر چڑھا ہے اس لئے۔" زندھیر نے بھی اڑیدھ لگائی۔

زرینہ کا کوئی ذکر نہ تھا بس یہ کہ نئی ہیروئن کی تلاش ہے۔ رول نئی لڑکی مانگتا ہے۔

"انگور کھٹے۔"

زرینہ بیٹھی اپنے بھانجے کا سوئٹر بُن رہی تھی۔ امینہ اون کا گولہ بنا رہی تھی۔ امداد رنگے ہاتھوں ایک ایکسٹرا سے دلچسپی لیتا پکڑا گیا۔ اس لئے وہ ناراض ہوکر چلا گیا۔ اب امینہ ہی زرینہ کے ساتھ چپکی رہتی تھی۔ زندھیر سے چھیڑ چھاڑ چلتی رہتی تھی۔ زیادہ تر چاروں ساتھ ہی رہتے تھے۔

زندھیر کا ایک سیٹ ہو چکا تھا، مینا کماری مدراس گئی ہوئی تھی، اس لئے

زرینہ اور دھرم کے ہی کچھ سین ہوئے تھے۔ بینا کماری نے لئے منگلا آواز دے رہی تھی، اس لئے زرینہ کے لئے آشا کو لینا تھا۔ لتا کے نام سے دھرم کا خون کھولنے لگتا تھا۔ میاں بیوی کے جھگڑے کو اس نے سیاسی رنگ دے کر بات اتنی اُچھلوائی۔

سیٹ ختم ہوئے تین چار دن گزرے ہوں گے۔ ابھی دوسرے سیٹ کا کچھ طے نہیں ہوا تھا۔ کہانی پر ابھی بہت کام کرنا تھا۔

"یار بوریت ہوگئی۔ چلو مہابلیشور چلتے ہیں۔ وہاں ذرا ٹھیک رہے گا۔" دھرم نے اُکتا کر کہا۔

"ہاں، میں بھی اپنی گاڑی لے لوں گا، ڈِتو اور بچے دہلی بھی نہ چل سکے۔۔۔

۔۔۔۔۔ بھابی تو چلیں گی ہی۔"

"وہ تو مدراس گئی ہوئی ہیں۔ واسن کی فلم کے لئے ریکارڈنگ کرنے۔"

"اچھا کب؟"

"آج ہی صبح ــــ"

"ارے یار تو پھر کیا پوچھتے ہو۔"

"امینہ ــــ"

"اس کی طرف سے تم نسچنت رہو پیارے۔۔۔۔" زندھیر نے آنکھ ماری "اور ہاں تو تلیں اپنی لے چلیں گے وہاں کچرا ملتا ہے۔"

"ذرا پھبوتو ــــ" دھرم نے کیشو کو داخل ہوتے دیکھ کر کہا۔ ایک دم سے اس میں جان پڑ گئی۔

"نہیں ابھی تک آئی ہی نہیں۔"

"ساڑھے گیارہ بجے ہیں اور ابھی تک نہیں آئیں، فون کرو۔" بوتل نکال کر دونوں نے شغل شروع کر دیا۔

"کیا، کوئی اُٹھاتا ہی نہیں۔ اچھنبھے سے بولا، مگر لائن تو ٹھیک ہے۔"

"اچھا آئیں تو کہنا آج ڈانس ریہرسل نہیں۔ اور کیشو ڈیرک سے بولو ایک کیس چاہیئے۔ ایک دم ولایتی، سالے نے کچھ گول مول کیا تو بڑے جوتے لگیں گے۔"

بارہ بجے معلوم ہوا نہیں آئیں۔ دھرم کچھ زیادہ ہی تیزی سے گلاس پہ گلاس خالی

کر رہا تھا۔

"میں جاؤں؟"

"ہوں ٹھہرو—" دھرم خود فون کرنے لگا۔ کسی نے اٹھایا فون——

"یہ کیا قصہ ہے...... ایں......"

"میم صاحب نہیں ہے" کوئی آیا بول رہی تھی۔

"نہیں ہیں؟ کہاں گئیں"

"ہم کو معلوم نہیں صاب"

بار بار فون کرنے کے بعد خدا خدا کر کے امینہ ملی۔

"ارے کہاں چلی گئی تھیں، میں سمجھا کوئی ایکسیڈینٹ تو نہیں ہو گیا"

"نہیں، ٹھیک ہے سب" امینہ ہنسی۔

"یہاں ڈانس ڈائرکٹر سوکھ رہا ہے۔ انتظار میں۔ ریہرسل کے لئے نہیں آنا"

"ارے زرینہ نے تو صبح ہی فون کر کے پرکاش سے پوچھا اس نے کہا کوئی ریہرسل نہیں، اس لئے"

"اچھا چھوڑو، گئی کہاں تھیں"

"وہ...... اینل...... کچھ کپڑے وغیرہ......"

"کپڑے؟"

"جی، پکچر کے کاسٹیوم کے ٹرائیل پر گئی ہیں"

"یہ کیا بکواس لگا رکھی ہے، بغیر اجازت کیوں گئیں"

"پوچھ تو لیا تھا میں نے" امینہ نے بات کاٹی۔

"کس سے پوچھ لیا تھا"

"زرینہ سے، اس نے کہا اس کی شوٹنگ تو اب کہیں دسمبر جنوری میں...

آپے سے باہر ہو کر دھرم مغلظات پر اتر آیا۔ ادھر سے فون رکھ دیا گیا۔

"حرام زادیاں، کیا سمجھتی ہیں، الو کی پٹھی...... ہوش بھلا دوں گا"

وہ لال پیلا ہو کر اٹھا۔

"اماں کیوں رنڈیوں کے منہ لگ کے اوقات گنواتے ہو...... بیٹھو"

"نہیں" وہ تین مسلسل گالیاں دے کر دھرم ننگے پیر موٹر میں بیٹھنے لگا۔

"تم نہیں جاؤ گے"

"کیوں؟"

"ارے وہ ذلیل ہیں، تمھاری پوزیشن خراب ہوتی ہے۔ ہٹو، میں جاتا ہوں۔"

رندھیر اُسے سمجھا بجھا کر خود روانہ ہو گیا۔ دھرم بوتل پر غصّہ اُتارنے لگا۔ وہ اُس کی پتنی تو نہ تھی اور نہ محبوبہ تھی جو اُس کے نخرے سہتی، پلیٹ کراسی کو ڈسنے لگی بیقرار ہو کر وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ یہ سب اسی کمینی کُتیا امینہ نے اسے ورغلایا ہے۔ اس میں اتنا دم نہیں...... وہ تو خود اتنی سیدھی ہے۔ اتنی معصوم۔ یہ جونکیں اس کی جان کو لگی ہیں، ماں غریب ٹھیک تھی، یہ تو بلائیں ہیں۔ رندھیر کو گئے ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا۔

جی نہ مانا فون کیا رندھیر نے ہی اُٹھایا۔

"ارے بھئی کیا کر رہے ہو آتے کیوں نہیں؟"

"آرہا ہوں" رندھیر کی آواز مری ہوئی سی ہو رہی تھی۔

"تو آؤ نا، دن ہی دن میں روانہ ہو جائیں گے، پھر رات ہو گئی تو گھاٹ چڑھنے میں مصیبت ہو گی۔ اور ہاں زرینہ سے کہنا چوڑی دار ساتھ لے چلے چلنے پھرنے میں مزہ رہے گا ـــــ جلدی آؤ"

"اچھا،" رندھیر بجھی ہوئی آواز میں بولا۔

دو گھنٹے بعد رندھیر آیا تو معلوم ہوتا تھا کسی نے عرق نچوڑ لیا ہے۔

"اتنی دیر لگا دی جا کر بیٹھ ہی رہے" وہ دروازے کی طرف زرینہ کو ڈھونڈنے لگا "وہ کہاں ہے، سامان وغیرہ" وہ بے تابی سے بولا

"بتاتا ہوں" رندھیر ماتھے کا پسینہ پونچھتا بیٹھ گیا۔

"نہیں آئی" دھرم کا چہرہ سُرخ انگارہ ہو گیا۔

رندھیر نے صرف موٹی سی گالی دی۔ "اماں کچھ بسنت کی بھی خبر ہے؟"

"کیا بک رہے ہو؟"

"کیشو...... ابے کیشو......" کیشو آنکھیں جھکائے اندر آیا۔ باہر انتظار میں کھڑا تھا۔

"اُہنوں" دھرم جُز بز ہو گیا "ہم پوچھتے ہیں ساتھ کیوں نہیں لیتے آتے"

"اماں یار بات تو کرنے دو" رندھیر نے چڑھ کر کہا۔ "وہ پانچ اکتوبر کا کانٹریکٹ..
ختم ہو گیا۔"

"ہاں - اور۔"

"نیا کانٹریکٹ سائین نہیں ہوا؟"

"کہاں سائین ہوا، دو مہینہ سے کہہ رہا ہوں، میری کوئی سنتا ہے۔" ہو
جائے گا۔ کیا جلدی ہے۔ "اب پتہ چلا وہ بھی ٹال رہی تھی۔"

"کیا بتاؤں دھرم عورت ذات پہ ہاتھ نہیں اٹھاتا" حالانکہ وہ دلّو کو اکثر
چار چوٹ کی مار دیا کرتا تھا "بس جی چاہتا تھا منہ توڑ دوں سالی کا۔"

"زرینہ!" دھرم ہانپا۔

"وہ تو نکلی ہی نہیں۔" امینہ نے کہا نیا کانٹریکٹ ہو گا تب۔

"نیا کانٹریکٹ..... میں کانٹریکٹ نہیں کروں گا۔" دھرم نے لات مار کر بوتل
دور پھینکی۔

"تو یہ پکچر....؟"

"گولی مارو سالی پکچر کو..... شیلف کرو۔ ہاں، شیلف۔ ہاں۔" وہ کھڑا ہو
کر جھومنے لگا۔

"نہیں، ہم کوئی دوسری لڑکی......" رندھیر بولا۔

"نہیں..... کوئی دوسری تیسری نہیں۔ بس۔" اس نے گلاس زور سے
دیوار پر مارا۔

"اور رینا ہی کا کانٹریکٹ، رحمٰن... ہیلن..... سب ہی کے کانٹریکٹ
ہو گئے ہیں۔ کبھی دفعہ کہا ٹال گئی۔"

"اپنی کمپنی ہے کانٹریکٹ کی کیا ضرورت ہے۔" دھرم جی کا حکم..... ہنہ
حکم کی بچی۔"

"نہیں کرنا ہے اس کے ساتھ کام سور کے بچے۔" وہ کیشو پر برس پڑا اس
نے فائیل کے پُرزے پُرزے کر ڈالے اور میز پر سر رکھ کر ہچکیوں سے رونے لگا۔ نشہ میں
آنسو بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اور جس بات کی دھن سوار ہو جائے بس سوار رہتی ہے۔

"نہیں - نہیں - نہیں۔" وہ رات دھرم پر قیامت کی گزری۔ محبت اور نفرت

میں بال برابر کا بھی فاصلہ نہیں۔ کہاں محبت ختم ہو کر نفرت شروع ہو جاتی ہے کچھ پتہ نہیں چلتا محبت کی چوٹ جتنی گہری ہوتی ہے۔ اتنی ہی شدت نفرت میں ہوتی ہے۔ کہ نفرت کرنے والا بھسم ہو جاتا ہے۔ نہ الفت پر کسی کا زور نہ نفرت پر۔

رندھیر نے اسے ایک پل کو تنہا نہ چھوڑا، آج یہ پی پی کر دم توڑ دے گا۔ ساری رات ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہا، سسکتا رہا۔ پل بھر کو آنکھ تو لگ جاتی مگر آہیں نہ رکتیں۔ ذرا ہوش آتا اور پھر وہ اس ہوش کو شراب میں ڈبونے لگتا۔

"تم جھوٹے ہو، مجھے ستانے کو جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہاری نیت اس کی طرف سے خراب ہے۔ تم ہمیشہ مجھ سے جلتے رہے۔ اسے میرے خلاف بھڑکاتے رہے!"

رندھیر نے اپنی دونوں بیویوں کی اولاد کی قسمیں کھا کر اپنی بے گناہی کا ثبوت دیا۔ "میں نے اسے بری نظر سے دیکھا ہو تو بی اماں پہ بھی بد نگاہ ڈالی ہو" اس کی ماں کو مرے ہوئے چودہ سال ہو گئے تھے "اپنی بہن کے ساتھ بدفعلی کی ہو" اس کی آپا کا سر سفید ہو چکا تھا مگر اس پر بھی شراب چڑھی بیٹھی تھی۔

"امینہ نے اسے کمرے میں قید کر دیا ہے" وہ زرینہ کو بے قصور ثابت کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح اس کی کچلی ہوئی انا کو تقویت پہنچتی تھی۔ زرینہ لاچار ہے مجبور ہے۔ ظالم دنیا اس کے ٹینٹوے پر سوار ہے۔ وہ بے بس ہے بے وفا نہیں۔ اس نے ٹھکرایا نہیں۔

جب منگلا نے یہ روداد سنی، اپنے ریزہ ریزہ پتی دیو کو پیار بھری باہوں میں سمیٹنے نہیں آئی۔ اس کی ساری ذلتوں کا بدلہ مل گیا۔ اب دھرم دیر محفوظ ہو گیا خطرہ آپ ہی اسے ٹھکرا کر چلا گیا۔ چوری کا کھٹکا ختم، جیتا رہے سوکن دل و دماغ کو لوٹنے والا۔ سب ہی اس پر ہنس رہے تھے۔ جو کل تک اس پر رشک کر رہے تھے آج بغلیں بجا رہے تھے۔ ایک بیوی بچے والے عاشق کا دل ٹوٹا خوب ہوا۔

منگلا کی نگاہوں کے طعنے جھیلنے کی اس میں سکت نہ تھی۔ وہ پدما کی باہوں میں جا چھپا۔ پدما جو اس بھنور سے دور غیر جانبدار کھڑی تھی۔ اسے نہ منگلا سے ہمدردی تھی نہ زرینہ سے کوئی گلہ۔ اس کا کام تھا گرتوں کو سنبھالنا، ٹوٹتے ہوئے ندوں

کو بو رُنا، مگر دھرم کے ذرات جوڑے جانے کی حدوں کو پار کر کے خار دار کرچیاں بن گئے تھے۔

جیسے کسی مال دار رنڈوے کو پیغام آنے لگتے ہیں۔ اسی طرح فلم اسٹار بننے کی امیدوار پریاں اس پر ٹوٹ پڑیں۔ زرینہ کے عیب اور اس کے گنوں کی تفصیل سن سن کر اس کے کان پھوڑا ہو گئے۔ اس کے کانوں نے ترویدی کے بھونڈے ڈائریکشن اور انیل کے سیٹ پر زرینہ کی بھُس بھسی اداکاری کے چرچے بھی سُنے۔ نہ جانے کیا سمائی، کون سی اُس پَندھی کہ شری ساؤنڈ اسٹوڈیو پہنچ گیا۔

اسے یقین تھا کہ جب وہ اُسے ہاتھ لگائے تو اس کا بدن جھنجھنا اُٹھے گا اور وہ خزاں رسیدہ پتّے کی طرح کانپ کر اس کی آغوش میں ٹپک جائے گی۔ تب وہ سینہ تان کر ان چھچھورے لونڈوں پر ایک قہقہہ لگائے گا اور اپنے چاند کو سب کے سامنے سمیٹ کر لے آئے گا۔

مگر جب اس نے زرینہ کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ یوں اجنبیوں جیسی دھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے لگی جیسے پوچھتی ہو "کون ہیں جی آپ؟"

"چاندنی، چلو....!" اس نے پیار کا نام لے کر ماضی کو جگانا چاہا۔

"شوٹنگ کر رہی ہوں!" اس نے رکھائی سے کندھا جھٹک دیا اور مڑ کر میک اپ درست کرنے لگی۔

"چاند....!" دھرم نے سسکی بھری۔

زرینہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی کہ کسی نے یہ احمقانہ خطاب سُنا تو نہیں سب دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔

"چلو، میں تمھیں لینے آیا ہوں!"

زرینہ نے نہیں سنا۔ آئینہ میک اپ مین کو پکڑا دیا اور مقررہ جگہ چاک کے نشان پر کھڑی ہو گئی۔

"ریڈی!" اس نے موتیوں کی لڑی بکھیر دی۔ انیل بڑی قنعنیت سے مسکرایا۔

"آل لائٹس!" ترویدی نے آواز دی جیسے دھرم کسی کو نظر نہ آ رہا ہو۔ دھرم کے دماغ میں ایک دم شعلہ سا لپکا اس نے زرینہ کا ہاتھ مروڑ

کر گھسیٹا۔

"آہ!" زرینہ دوہری ہوگئی۔

اور پھر طوفان پھٹ پڑا۔ انیل نے پیچھے سے دھرم کی گردن میں کہنی اڑا کر پیٹھ میں گھٹنا مارا۔ وہ اوندھے منہ گرا مگر پھر تڑپ کر اٹھا۔ ہزاروں ہاتھوں نے اسے دبوچ لیا۔ ننھے سے بچے کی طرح ہاتھ پاؤں چلاتا وہ دروازے کے باہر لے جایا گیا۔ وہ پھر ہاتھوں کی گرفت سے نکل کر اچھلا مگر ہاتھوں کی تعداد چوگنی ہو گئی۔ اسے ایک دفتر میں بند کر کے لوگ جگہ جگہ فون کرنے دوڑے۔

دھرم نے دفتر کا سارا سامان چور چور کر ڈالا۔ رندھیر اور کیشو ڈاکٹر کو لے آئے۔ کیونکہ انھیں اطلاع ملی کہ طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر نے پکڑ دھکڑ کر اسے انجکشن دیا اور وہ بے بس ہوگیا۔

جب اسے موٹر میں ڈال کر لے جا رہے تھے تو زرینہ چاک کے نشان پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے نا تر ویدی جی؟"

۱۱

جب انجکشن کا اثر دور ہو کر دھرم کو ہوش آیا تو اس نے آخری بار خودکشی کی ناکام کوشش کی۔ سب چوکنے تھے۔ اس لئے کوشش خاک میں مل گئی۔ اس کے چند عزیز دوست ہمزاد کی طرح دن رات اس کے ساتھ لگے رہتے۔ منگلا نے نہایت بے حسی سے اس کی تیمارداری کی۔

"کیا سب دکھاوا کانٹریکٹ کی وجہ سے تھا" اسے کسی طرح یقین نہ آتا۔ کاش اس جنم میں وہ صرف ایک بار اُسے مل جاتے۔

"چاندنی!" وہ اس کی ٹھوڑی اُٹھا کر پوچھے گا اور اس کی آنکھوں میں اپنا جواب پالے گا پھر عمر بھر وہ اس سے ملنے کی تمنا نہیں کرے گا۔ وہ اس جواب کو اپنی زندگی کا سرمایہ بنالے گا۔

اُسے معلوم بھی نہ تھا منگلا تیسری بار ماں بننے والی تھی۔ ایک دم نئی جان کے تصور سے اس کے مردہ جسم میں جان آگئی۔ وہ خلا سے واپس لوٹ کر دنیا میں پہنچ گیا۔ اس بار حمل بڑا تکلیف دہ تھا۔ اوپر سے میاں بیوی کے درمیان جو اجنبیت حائل ہو گئی تھی۔ بڑی دم گھونٹنے والی تھی۔

بددل اور بیمار منگلا سے پھر آنکھیں چار کرنا قیامت خیز تھا۔ مگر دھرم بلا کا ضدی تھا اس نے ایک دم شراب چھوڑ دی۔ معافیاں مانگنے کا وقت گزر چکا تھا۔

مینا کماری مدراس سے واپس آئی تو سیٹ تیار تھا۔ جب ڈرامائی سین شروع ہوئے تو دھرم کے اُجاڑ دل میں پھر فن کار جاگ اٹھا۔ فلم اور منگلا کے سوا وہ سب کچھ بھول کر ایک بار پھر پرانا دھرم دیو بن گیا۔ اس کے چاہنے والے کچے گھڑے کی طرح اس کی حفاظت کرتے۔ زرینہ کی تمام تصویریں اتار کر چھپا دیں۔ اس کا نام لینا بھی جرم بن گیا۔

رندھیر کو اپنے پہلے ڈائرکشن کی بڑی فکر لگی ہوئی تھی۔ نئی لڑکی کی تلاش جاری تھی۔ تاکہ زرینہ کی جگہ سائن کر لیا جائے۔ اس نے دھرم کو دو چار تصویریں دکھا کر رائے لی۔

"کس رول کے لئے؟"

"ذنتی کے لئے۔"

"مگر وہ تو زرینہ کرے گی" دھرم نے بڑی سادگی سے کہا مگر رندھیر کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ اسے احمقوں کی طرح تکنے لگا۔ اس کے چہرے پہ کوئی وحشت کے آثار نہ تھے۔

"یار لفڑا ہے ..... میرے خیال میں تو"

"اتنی شوٹنگ ہو چکی ہے۔ میرے خیال میں تو اب زیادہ کام نہیں۔ مینا جی کے نئے سین رکھے گئے تو پھر ضرورت نہیں پڑے گی"

"مگر۔" اسے اتنی سمجھداری کی باتیں کرتے دیکھ کر رندھیر کے اوسان خطا ہوئے جا رہے تھے۔

"اوہ" دھرم بڑی صحت مند ہنسی ہنسا۔ "اچھا رندھیر بتاؤ تو کیا میں تمہیں سچ مچ پاگل لگتا ہوں"

"یار پاگلوں کے اور کیا سینگ ہوتے ہیں"

"ہیں، بس اس دن سے راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہے۔ ڈر کے مارے رات کو اپنے گھر میں بھی نہیں سوتے"

"ڈر کس بات کا"

"رندھیر جی یہ فلم انڈسٹری ہے یہاں کیا نہیں ہوتا؟ اس دن جو حرکت انہوں نے کی ....."

"وہ تو خیر نشے میں تھے تم تو ہوش میں تھیں، تم نے جو کمینہ پن کیا۔ جب تک کانٹریکٹ تھا تب بھی مار کھاتی رہیں۔ اور جیسے ہی موقع ملا پیر پھیلانے لگیں۔ دھرم جی کے احسانوں کا یہی بدلہ ہے؟"

"احسان؟"

"اور نہیں تو کیا، وہ نہ لاتے تو انڈسٹری میں نہ دھنسنے بھی نہ پاتیں۔"

"اچھا ہی ہوتا، مگر دھرم جی کے احسانوں کا بدلہ شاید اس جنم میں تو اتر نہیں سکتا۔ مگر کبھی آپ نے یہ سوچا ہے کہ زرینہ نے پانچ سال بے چون و چرا بندھی تنخواہ پر کام کیا ہے۔ لوگوں نے بہت شہ دی مگر ہم نے کہا نہیں، ہم ناشکرے نہیں جو کانٹریکٹ ہے وہ نبھائیں گے۔ پھر بھی جو کام اسے باہر ملا اس میں آدھا کمپنی کا۔ کمپنی نے زرینہ سے کتنا روپیہ کمایا اور پھر بھی احسان سر پر سوار رہا۔ انیل کی پکچر کے لئے پہلے ہاں کہہ دیا پھر صاف مکر گئے۔" امینہ کی آواز بھرا گئی رندھیر قائل ہو کر بغلیں جھانکنے لگا۔

"وہ بے زبان ہے۔ ناتجربہ کار تھی۔ آپ لوگ اس کے سر پر چڑھ بیٹھے، قسم سے کہئے رندھیر جی، کیا اس نے ہیروئن بننے کی پوری قیمت ادا نہیں کی، ابھی کچھ اور باقی ہے۔" امینہ دھاروں دھار رونے لگی۔

"بھئی محبت میں انسان اندھا ہو جاتا ہے۔"

"یار بہت پی رہا تھا۔ ان دنوں، اس نے بدتمیزی کی بس نہ جانے کیا ہو گیا۔"

"ڈر لگتا ہے یار۔"

"میں وہی ڈر تو نکالنا چاہتا ہوں۔"

"اور جو وہ انکار کر دے تو۔"

"آدھے سے زیادہ کام کر کے انکار نہیں کر سکتی۔ میری پکچر پوری کرنا ہی پڑیگی۔ ورنہ وہ کہیں کام نہ کر سکے گی۔"

"یہ تو ٹھیک ہے ۔ ۔ ۔ ۔ مگر بھابی سے تو پوچھنا چاہیئے۔"

"نہیں میں اس سے اجازت نہیں لوں گا۔ نہ کوئی وعدے وعید کروں گا۔ رندھیر بڑی باریک سی بات ہے شاید سمجھا نہ سکوں، مجھے اپنے اطمینان کے لئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس ٹیسٹ سے گزرنا ہوگا۔ ورنہ میں دنیا میں کبھی کچھ نہ کر سکوں گا۔"

"میں سمجھتا ہوں دوست، خدا تمھیں نظرِ بد سے بچائے اور...!" اس کا جی بھر آیا۔

پھر بھی رندھیر نے منگلا سے رائے لینا ضروری سمجھا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میں نے بہت کہا کیوں بات کو پھر سے اُٹھایا جائے۔"

"اب وہ بات نہ ہوگی۔" منگلا پژمردگی سے مسکرائی "یہ میں اس چوکیداری سے اوب گئی ہوں۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کہاں تک ان کے پیروں کی بیڑی بنی رہوں۔ دل پتھر ہو گیا ہے کسی بات کی پرواہ نہیں ہوتی۔"

اس کے بعد رندھیر امینہ کے پاس گیا، وہ چپ ہو گئی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"یہی سوچ رہی ہوں کہ کیا سوچوں؟ اماں تھیں تو اور بات تھی۔ ہم دو بہنیں محبت ہے منگلا سے، زرینہ سے یا پدما سے؟"

رندھیر لاجواب ہو گیا۔

"صاف کیوں نہیں کہتے نواب میں طبیعت کے پوری حرم سجانا چاہتے ہیں۔ گھر میں ستی ساوتری، اندھیرے اُجالے کوئی بے کس لاچار، ہوس کے لئے رنڈی کا کوٹھا۔"

"تم تو وکیلوں کے بھی کان کترتی ہو۔ کانٹریکٹ تھا تو پھونک سرکی ہوئی تھی۔"

"بندھا مار کھاتا ہے، آزاد ہو کر کسی کو بیڑیاں ڈالنے کا شوق نہیں ہوتا۔"

"ایسی عزت پیاری تھی تو فلم لائن میں کیوں آئی تھیں گھر میں بیٹھی ہوتیں۔"

رندھیر جل گیا۔"

"آپ کو معلوم نہیں کہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ کیوں کرتا ہے۔ ابا کے انتقال کے بعد ہم لاوارث رہ گئے۔ اماں نے ہم تین کی تو جلدی جلدی شادیاں کر دیں۔ یہ سب سے چھوٹی رہ گئی۔ ابا نے بڑے چاؤ سے اسے ناچ سکھوایا تھا۔ پانچ برس کی عمر سے اسے اسٹیج پر چانس ملنے لگے۔ ابا کے بعد اس کی کمائی پر ہم دال روٹی چلاتے رہے۔ تیلیگو فلم میں کام ملا تو ذرا اور سہارا ہوا۔ جب دھرم جی نے آفر دیا تو ہم اسے خوش قسمتی سمجھے کہ اس کمپنی میں کوئی فکر کی بات نہیں، سب

ہی شریف لوگ ہیں۔ مگر آپ تو جانتے ہیں جیسی شرافت کا ثبوت دیا ہے وہ ۔۔۔۔"
غصّہ سے اس کی آواز گھٹ گئی۔ "خیر جو نصیب میں تھا وہ تو بھگتا اب یہ بتائیے
کیا ایسی کوئی صورت نہیں نکل سکتی کہ بغیر زرینہ کے کام چل جائے۔ کچھ کاٹ چھانٹ
کر کے؟"

"بھئی واہ کیا کہنے ہیں وہ دن بھول گئیں جب رول بڑھانے کے لئے مسکا
لگایا جاتا تھا، آج رول کاٹنے کا مطالبہ ہے۔"

"وقت وقت کی بات ہے۔" امینہ ہنسی۔

بڑی جھک جھک کے بعد طے ہوا کہ رول کاٹنے کی کوشش کی جائے گی، امینہ بہن
کی پہرے داری کرے گی۔ سیٹ پر جائے گی۔ کام کر کے لوٹ آئے گی۔

"مگر ایک شرط ہے۔" رندھیر نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"زرینہ کو دھرم جی سے معافی مانگنی پڑے گی۔" یہ شرط رندھیر نے لگائی۔

"خوب، اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔" امینہ تلخی سے ہنسی۔

"آمینہ۔"

"فرمائیے؟"

"کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتی ہو کہ سارا قصور دھرم جی کا ہے؟"

"مگر دھرم جی معصوم تو نہ تھے۔"

"اور تمھاری بہن معصوم تھی، کیوں آنسو بہانے کی کوشش کرتی ہو؟"

"اوہ" امینہ بے چین ہو گئی۔ رندھیر کو اپنی جیت پر بڑی مسرت ہوئی۔"
رندھیر جی۔۔۔۔۔۔ جب یہ ناچ سیکھا کرتی تھی اور کوئی نو دس برس کی تھی تب وہ
ملعون ماسٹر کافی ادھیڑ عمر کا اس کی نادانی سے ناجائز فائدہ اُٹھاتا تھا۔ یہ نگوڑی
اُسے بھی کلا کا ایک حصّہ سمجھتی تھی۔ اُف سوچتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔
رندھیر جی یہ سوکھی ہوئی چوہیا، جب تھکی ہاری بسورتی ہوئی لوٹتی تھی تو اکثر اسے
ڈانٹ پڑتی تھی، وہ تو ایک ذرا سمجھدار لڑکی نے بھانڈا پھوڑ دیا اور ساری لڑکیاں چپ
چاپ گھر بیٹھ رہیں۔ ایسی بات منہ سے نکال کر خود نکّو بن جاتے۔ یہ ہمیشہ کی ایسی
ہی سہمی ہوئی گم سُم سی ہے۔ اُس نے ایکٹنگ کا ایک حصّہ سمجھ کر ہی کبھی کسی سے

ذکر نہیں کیا۔ وہ تو جب ساری انڈسٹری میں بات پھیلی تب راز کھلا۔" امینہ کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ رندھیر کا سر جھکتا گیا۔ وہ آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھا رہا۔

"امینہ۔۔۔۔ تم چاہو تو صاف انکار کر سکتی ہو۔ مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی۔"

"شکریہ رندھیر جی جو ہونا تھا وہ ہوگیا اور اب وہ مٹ نہیں سکتا۔ اب تھوڑے سے کام کے لئے بگاڑ کرنے سے کیا فائدہ۔ بس اتنا خیال رہے کہ بات بد سے بدتر صورت نہ اختیار کرنے پائے، کام جلدی نمٹ جائے اور پاپ کٹے۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔" رندھیر اٹھنے لگا۔ "ایک بات پوچھوں امینہ"

"پوچھئے۔" امینہ نے ذرا تکلف سے کہا۔

"کیا زرینہ کی طرف سے بس ایکٹنگ ہی تھی یا۔۔۔۔ کچھ اور بھی تھا۔"

"ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی، وہ میری سگی بہن ہے مگر بخدا مجھے اس کے دل کا حال معلوم نہیں۔ وہ ایک معمہ ہے جو میری موٹی عقل حل نہیں کرپاتی۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے بس کوئی رول ادا کرتی ہے۔ جب وہ چھوٹی سی تھی اور کوئی ضد کرتی تھی تو نہ روتی تھی نہ مچلتی تھی مگر ہم سب کو اس کے سامنے ہار مان لینا پڑتی تھی کھانے پر روٹھ جاتی۔ اماں زبردستی اس کے منہ میں نوالہ دیتیں، وہ بیٹھی منہ چلاتی رہتی، لاکھ دھمکانے پر بھی نہ نگلتی۔ تب ہم سمجھتے تھے اس کے سر پہ کسی جن کا سایہ ہے۔"

امینہ اُسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔

سیٹ پر بڑا شاندار ملاپ ہوا۔ زرینہ نے سر پہ پلو رکھ کر دھرم کے پیر چھوئے، انھوں نے بڑی شفقت سے سر پہ ہاتھ رکھ کر معاف کیا۔ ہفتے زرینہ اور دھرم کے سیٹ سے ملاقاتی بھگائے جاتے تھے۔ جرنلسٹ رٹخا دیئے جاتے تھے۔ آج ہر خاص و عام کو اجازت تھی۔ کیمرے آنکھیں مار رہے تھے۔ مینا کماری کی شوٹنگ نہیں تھی مگر فضا کو خوش گوار بنانے کے لئے موجود تھی۔

رندھیر دونوں کو ایکٹنگ بتا رہا تھا۔ اور دھرم بڑی بے تکلفی سے زرینہ سے ادھر اُدھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہا تھا۔ منگلا کو پورے دن تھے مگر وہ ٹی بریک کر آئی مسکرا مسکرا کر سب کو تلی ہوئی مچھلی اور رائتہ کھلایا۔ دھرم زیادہ تر مینا سے باتیں کر رہا تھا مگر زرینہ کو قطعی نظر انداز نہیں کر رہا تھا۔ زرینہ کا کام بہت جلدی

ختم ہو گیا۔ چند شوٹ رہ گئے وہ کبھی بھی لے لئے جائیں گے۔

دھرم امتحان میں پورا اترا، جب زرینہ اور راتیل کی آؤٹ ڈور شوٹنگ کے انڈسٹری میں چرچے ہوئے تو بھی وہ قطعی متاثر نہ ہوا۔ بڑے کھلے دل سے ان کے فلمی رومان اور راتیل کی بیوی کی واویلا۔ واویلا پر چٹکلے چھوڑتا بلکہ کچھ زیادہ ہی دلچسپی لیتا کہ اکثر لوگوں کے چہروں پر ہنسی میکانکی ہو جاتی۔

منگلا نے بیٹی کو جنم دیا تو وہ خوشی سے ناچ اٹھا، پورے اسٹاف کو تین مہینے کا بونس دیا۔ بیٹی پر وہ بے طرح عاشق ہو گیا۔ اس نے جوہو پر جو نیا بنگلہ خریدا اسی میں ہی ایک حصہ دفتر کے لئے سجا دیا گیا۔ اب وہ زیادہ تر گھر پر ہی کام کرتا۔ صبح اٹھ کر پھلوں کا رس پیتا پھر یوگا کے آسنوں کی مشق کرتا یا بیڈمنٹن اور ٹینس کی پریکٹس کرتا جس کے لئے باقاعدہ ایک کھلاڑی نوکر رکھا گیا۔ صحت اچھی رہے تو دماغ بھی چوکس رہتا ہے۔ رندھیر کی فلم "کلپنا" بہت ٹھنڈی گئی مگر کلاس مانی گئی۔ زرینہ کی بے وجہ غیر حاضری بے طرح کھٹکتی تھی۔ مدراس کا معاملہ ڈائرکشن کے لئے نہیں پٹا۔ وہ منظر نامہ اور مکالمے لکھ رہا تھا۔ دھرم ہی ان فلموں کا ہیرو تھا۔ اس نے مدراس کا کام اسی شرط پر لیا تھا کہ رندھیر لکھے گا ساتھ میں وہ اپنی بھی تیاری کر رہا تھا۔ وہ جہاں جاتا لوگ کہانیاں لے کر ٹوٹ پڑتے دھڑا دھڑ کہانیاں خریدی جانے لگیں۔

بات پر اڑ جانے کی عادت تو بہت پرانی تھی۔ اور یہی شاید اس کی کامیابی کا راز تھا کہ وہ ایک بات طے کر لیتا، پھر خواہ کتنی بھی ناممکن کیوں نہ ہو وہ اسے عملی جامہ پہنا کر دم لیتا۔ اب وہ اس بات پر اڑ گیا کہ کوئی بات طے نہیں کرے گا۔ اتنی بڑی غلطیاں کرنے کے بعد اسے اپنے فیصلے پر بھروسہ نہیں رہ گیا تھا۔ روز نئی کہانیاں پاس ہوتیں اور رد کر دی جاتیں۔ اکثر تو معاہدہ ہو جاتا پھر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا اور پورا معاوضہ دینا پڑتا۔ ہر نیا حریف زبان کہانی کار منتخب کی ہوئی کہانی کی دھجیاں اڑاتا۔ اپنی کہانی کے جھنڈے گاڑتا اور ایڈوانس لے کر کام شروع کر دیتا۔ پھر تو لوگوں نے اس کے سر وہ کہانیاں بھی منڈھ دیں جو پہلے کہیں بک چکے تھے۔ یا بن رہی تھیں۔ کیونکہ یہ تو معلوم تھا دو چار روز بعد رد کر دی جائے گی۔ ایڈوانس ہی ہاتھ آئے گا۔

رات گئے تک دھرم کے کمرے میں لوگ جمع رہتے تھے دوسرے پولیتا چھوٹی تھی۔ اس لئے منگلا کا بیڈ روم بچوں کی نرسری سے ملا ہوا بالائی منزل پر تھا۔ کبھی وہ دھرم کے کمرے کا چکر لگا جاتی کہ شاید کسی کو کچھ ضرورت ہو، کبھی دوستوں سے جلدی چھٹکارا مل جاتا یا سب کے سب کسی مفت کی پارٹی میں چلے جاتے اور وہ اکیلا رہ جاتا۔ کیونکہ وہ پینے پلانے کی محفلوں سے دور رہنا چاہتا تھا تو وہ منگلا کے کمرے میں چلا جاتا، اگر وہ سوتی ہوئی کو جگانا نامناسب سمجھ کر لوٹ آتا۔ یا وہ ہی کچھ موڈ میں نہ ہوتی اور ٹال دیتی۔ وہ فرماں بردار شوہر کی طرح ٹل جاتا۔

اجنبیت بڑھتی گئی۔ ضرورت گھٹتی گئی۔

عورت سوکنوئیں کا پانی پی کے پھر سے ستونتی بننا چاہے تو نہیں بن سکتی۔ مگر مرد کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ تو دیوتا ہے۔ بیوی پھر اس کی پوجا پاٹ شروع کر دیتی ہے۔ شاید پوجا کرنے لگتی ہو۔ مگر ویسی والہانہ محبت کی موت ہو جاتی ہے۔

مگر چونکہ وہ محکوم ہوتی ہے، شوہر اُسے روٹی کپڑا دیتا ہے، اس نے پتی ورتا بن جاتی ہے۔ عجیب خصلت ہے عورت کی۔ جب اس کا پتی اسے چھوڑ کر دوسری کا ہو رہتا ہے۔ پتہ نہیں یہ وہ اس کی چاہ میں کرتی ہے یا اس کا سرور بھنگ کرنے کے لیے اودھم جوتتی ہے۔

اتنا ضرور ہوتا ہے کہ وہ دل سے اسے کبھی معاف نہیں کرتی۔ اگر وہ دوسری عورت کو چھوڑ کر واپس آجائے تو وہ اسے اس کا فرض سمجھتی ہے اور اگر عورت ٹھکرا دے تو پھر وہ اُسے قطعی ناکارہ اور فضول انسان سمجھنے لگتی ہے۔ اس کی ناک چوٹی تو کاٹ نہیں سکتی کہ مردان جھمیلوں سے آزاد ہوتا ہے، بس اس کی وقت بے وقت کرکری کرنے پر تلی رہتی ہے۔

منگلا ہنسی ہنسی میں اسے چھوٹے چھوٹے نشتر چبھایا کرتی۔ جان بوجھ کر انیل کی شکل وصورت اور ذہانت کی تعریفیں کرتی۔ اس کی کم عمری پر جھگڑنے لگتی۔ اُسے زرینہ کے لیے ہر لحاظ سے موزوں ثابت کرتی۔

انیل کتنا سمجھدار ہے، کتنا بھولا ہے۔ منگلا کی کتنی عزت کرتا ہے۔ اس کا ایک ایک ریکارڈ جمع کر کے رکھ چھوڑا ہے۔

یہ بات نہیں تھی کہ دھرم کو رشک آتا تھا، وہ برابر منگلا کی ہاں میں ہاں ملاتا "ڈو کیا نٹا فٹ فوٹنگ ہوتی ہے بھئی۔ نہیں کہ نہیں کہ نہنیوں رسی سیل چل رہے ہیں" وہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکراتی۔ فضا مکدر ہونے لگتی۔

"نترینہ کی ساری سیکرٹری ختم، انیل بالکل لفٹ نہیں دیتا۔ وہی مسکر لگائے جاتی ہے انیل کے۔ وہ بیچارا مجھے بہت ہی مانتا ہے، بس اتنا سا منہ نکل آتا ہے۔ مجھے تو آنچل پھیلا پھیلا کر کوستی ہوگی۔ میری وجہ سے ہر جگہ کھنڈت پڑتی ہے۔" دھرم کھسیانی ہنسی ہنستا ہے سب جھیلتا رہتا۔ اس پر وہ اور سلگ اٹھتی۔ لوگ کوئی عذر کر کے سرکنا شروع کر دیتے، آخری ملاقاتی کے ساتھ وہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی جاتی۔ کبھی تو دھرم کو ایسا معلوم ہوتا وہ صرف اس کے ملاقاتیوں کو تتر بتر کرنے آئی تھی۔ جب یقین ہو گیا کہ سب جا رہے ہیں تو چل دی۔۔۔
۔۔۔ تاکہ وہ تنہا رہ جائے۔

مدراس میں فلم شروع ہوئی تو دھرم کی جان میں جان آئی۔ وہاں بمبئی کا ہر قابلِ ذکر فن کار کوئی نہ کوئی طریقہ نکال کر پہنچ جاتا۔ مدراس کی فلمیں جو جنوبی اداکاروں کو لے کر بنائی گئی تھیں۔ دو تین تو کامیاب ہوئیں پھر متواتر فلاپ ہونے لگیں۔ لہٰذا انہوں نے نہایت بے رحمی سے جنوبی اداکاروں کو نظر انداز کر کے بمبئی کے فلم اسٹار اور میوزک ڈائرکٹر منہ مانگے داموں پر لے کر ہٹ فلمیں بنانی شروع کر دیں۔ پس پھر کیا تھا ہر آرٹسٹ مدراس کی طرف مڑ گیا۔ دھرم نے بھی دو کانٹریکٹ کئے تھے، کیونکہ مدراس سے معاوضہ زیادہ اور وقت پر ملتا تھا۔ بمبئی کی طرح قسطوں پر فلمیں نہیں بنتیں۔ بمبئی میں چند پروڈیوسروں کو چھوڑ کر زیادہ تر ڈسٹری بیوٹر کی دی ہوئی قسطوں سے فلمیں بناتے ہیں اور اکثر فل کو آپریشن مانگتے ہیں یعنی پیسے فلم کی ریلیز پر ملیں گے۔ اگر مدراس کے پروڈیوسر نہ میدان میں آجاتے تو بمبئی کے فلم اسٹار بھوکے مر جاتے۔ جیسے زیادہ تر پروڈیوسر کڑکے ہو چکے تھے یہی حال ان کا ہوتا کم از کم دھرم کو تو پھر سے مدراس نے زندگی بخش دی۔ یار لوگ وہاں اندر کا اکھاڑا جما کر جی بھر کے دادِ عیش دیتے ہیں۔ بیویوں اور داشتاؤں کی روک ٹوک سے وقتی طور پر جان بچ جاتی ہے۔ منگلا نے اپنی نخوت کے نشے میں چور ہو کر اسے بخمانا ڈالا تھا۔ وہاں پھر سے شراب شروع ہو گئی۔ بے حیا قسم کی

لڑکیوں نے اس کا کھویا ہوا اعتماد واپس بخش دیا۔ وہ اس کے پیسے ہی کی نہیں مردانگی کی بھی قائل ہو گئیں۔

دھرم اگر چاہتا تو دوسرے اداکاروں کی طرح اپنی ایکٹنگ کی آمدنی پر ہی عیش کر سکتا تھا۔ بڑے فلم اسٹار کی مدراس میں بھی خاصی حکومت چلتی ہے۔ وہ اپنی مرضی کی ہیروئن، میوزک ڈائرکٹر، گیت نگار اور ٹیکنیک کی فرمائش کر سکتا ہے۔ چاہے تو اپنی ہی پسند کے دوسرے آرٹسٹ بھی لے لے۔ جیسے وہ بمبئی میں ڈکٹیٹر کے حقوق رکھتا ہے اور انھیں عملی جامہ پہناتا ہے، اسی طرح ایک حد تک اس کی پوزیشن کے مطابق وہاں بھی اس کی چلتی ہے۔ مگر دھرم کو اپنے اسٹاف سے بڑا لگاؤ تھا۔ بمبئی کی اس افراتفری زندگی میں دھرم جیسے پروڈیوسر کا وجود نہ جانے کتنے خاندانوں کا سہارا ہے۔ مدراس میں فلمیں لے کر وہ اپنے اسٹاف کو اسی طرح جمائے رہا۔ اپنے پروڈکشن کے لئے فلم بنانا اس نے بند نہ کی تھا۔

مدراس سے وہ متواتر بمبئی آتا رہتا۔ یہاں پھر ایک فلم شروع کر دی۔ اس دفعہ اس نے گھر سے دفتر بھی واپس اسٹوڈیو میں منتقل کر دیا کیونکہ اب منگلا نے اس کے وجود کو قطعی نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا۔ کئی کئی دن اسے منگلا کی صورت بھی نہ نظر آتی۔ پدما کی محفلیں دوبارہ جمنے لگیں۔

ادھر منگلا کچھ ضرورت سے زیادہ پینے لگی۔ ریتا اور رمی کا رشتہ بس روپے کا رہ گیا تھا۔ اس نے الگ فلیٹ لے لیا تھا۔ جہاں وہ آزادی سے داد عیش دیتا تھا۔ ریتا اور دونوں بچے منگلا کے قریب ہی الگ رہتے تھے۔ کبھی منگلا کی کسی اوٹ پٹانگ قسم کے دوست سے بہت پینگیں بڑھنے لگتیں تو منگلا اکیلی بیٹھی بوتل سے جی بہلایا کرتی۔ لتا اور محمد رفیع کی کچھ ان بن سی تھی۔ اس لئے بہت سے دوگانے اسے رفیع کے ساتھ ملے۔ ریکارڈنگ ری ہرسل میں ذرا زندگی کا کچھ مصرف نظر آنے لگا۔ دھرم سے اجازت لینے یا صلاح لینے کی نہ اب ضرورت محسوس ہوتی تھی اور نہ موقع ہی ملتا تھا۔ محمد رفیع سے اس کا کافی میل جول بڑھا، لیکن انڈسٹری نے ان کے بارے میں کوئی فضول قسم کی افواہ نہیں اڑائی۔ دھرم خود آوارہ منش تھا مگر اس نے بھی کبھی کوئی خیال نہیں کیا۔

مگر قسمت میاں بیوی کے بچے کھچے رشتے کو بھی ختم کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ انہیں دنوں اپنی نئی فلم کے گانے دھرم نے بجائے رفیع کے مہندر کپور سے لئے۔ یہ بات منگلا کو بھی ناگوار گزری۔ حسبِ عادت اس نے مہندر کپور کے ساتھ گانے سے انکار کر دیا۔ دھرم نے چپ چاپ گانے آشا سے لے لئے۔ منگلا نے بھی کوئی پرواہ نہ کی۔

رندھیر کی فلم کلپنا فلمی میلے میں جرمنی بھیجی گئی۔ اس کے سلسلے میں دھرم اور رندھیر کو بھی بلاوا آیا۔ چونکہ زرینہ بھی جا رہی تھی۔ اس لئے اس نے دھرم سے کہا کہ منگلا کو بھی لے جانا چاہیئے۔ دھرم گانوں کے معاملے میں زیادتی کر چکا تھا۔ اس لئے منگلا سے کہا کہ تم بھی چلو۔ رندھیر نے بھی بہت زور دیا کہ وہ دتو کو بھی لے جائے گا، لیکن اگر وہ نہ گئی تو دِتو اپنی حماقتوں سے اس کی وہاں ناک کٹوا دے گی۔

"بھابی ذرا دس بارہ اچھی ساڑھیاں بھی خرید وادو" اس نے بڑی خوشامد سے کہا۔ منگلا بھی راضی ہو گئی۔ کیونکہ ارادہ تھا کہ وہاں سے انگلینڈ اور یورپ بھی جائیں گے۔ ایسے موقعے روز روز کہاں آتے ہیں۔ منگلا نے سب کچھ بھول بھال تیاریاں شروع کر دیں۔ شام کو محمد رفیع نے فون کیا کہ ہفتے کو ناگ پور جانا ہے۔ پرائم منسٹر فنڈ کے لئے روپیہ جمع کرنا ہے۔ منگلا نے کہہ دیا اس کا جرمنی جانا بہت ضروری ہے۔ بڑے زور شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں

ان دنوں گورنمنٹ نے باہر جانے پر سخت پابندی لگا رکھی تھی اور چونکہ بلاوا صرف دھرم اور رندھیر کا تھا، اس لئے منگلا اور دتو نہیں جا سکتی تھیں۔ بڑی دوڑ دھوپ کی مگر وقت نہیں تھا۔ دھرم نے کہا وہ بھی نہیں جائے گا، تو رندھیر نے کہا وہ اکیلا جا کیا بھاڑ پھوڑے گا۔

"نہیں بھئی اپنی فلم جا رہی ہے۔ آپ لوگوں کا جانا بہت ضروری ہے" کیشو نے رائے دی۔

"نہیں منگلا نہیں جا سکتی اس لئے میں نہیں جاؤں گا!"

"ارے تو کیا ہوا، تم چلے جاؤ۔ ولایت بھاگا تھوڑی جاتا ہے پھر چلے جائیں گے؟" منگلا نے اصرار کیا، اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ زرینہ

اور امینہ انگلینڈ گئی ہوئی ہیں - وہاں سے وہ بھی جرمنی جائیں گی - مینا کو اس کے پتی دیو نے نہیں جانے دیا - کیونکہ ان کا بھی بلاوہ نہیں تھا بیچاری رو پیٹ کے چپ ہو گئی -

رینا کے نئے دوست سے اسی دن لڑائی ہوئی تھی جس روز یہ لوگ جرمنی روانہ ہوئے - وہ اپنا غم دل سنانے منگلا کے پاس آئی - دونوں دل جلی رات گئے تک پیتی رہیں - ایک دوسرے کو اپنی دکھی داستان سناتی رہیں - پھر سے زخم تازہ ہوئے اور کوئی مرہم نہ تھا انھیں بھرنے کے لئے - رتیا نے آیا کو فون کر دیا کہ وہ صبح آئے گی - اور وہیں سوئے گی - دراصل جانے کا دم بھی نہ تھا صبح سر میں ایسا درد تھا کہ پھٹا جا رہا تھا - دونوں نے پھر تھوڑی سی سہارے کے لئے پی اور پیتی ہی گئیں -

بات بگڑنے پر تلی ہوئی تھی کسی پھر تیلے فوٹو گرافر نے دوسرے ہی دن اخبار کے لئے وہاں کھینچی ہوئی تصویریں بھیج دیں - اور جب وہ تصویریں چھپیں تو منگلا پر جیسے بجلی گر پڑی - رتیا کو تو اس کا دوست سمیٹ کر لے گیا تھا - بچے پارک میں کھیلنے گئے ہوئے تھے - وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے تصویریں دیکھتی رہی - ہر تصویر میں دھرم اور زرینہ ساتھ تھے - چالاک فوٹو گرافر نے امینہ اور رندھیر کو اس چالاکی سے کاٹا تھا - کہ ان کے وجود کا شبہ بھی نہ ہوتا تھا - اور کچھ اشارے کنائے میں چھینٹے بھی کئے تھے - پرانی کشیدگی کا بھی ذکر تھا - منگلا کی غیر موجودگی کا حوالہ بھی دیا تھا - ایسا معلوم ہوتا تھا دھرم قصداً اسے نہیں لے گیا تاکہ وہاں دونوں گلچھرے اڑا سکیں - کئی بار جی چاہا گلاس میں ساری کی ساری خواب آور گولیاں انڈیل کر اس کرب اس جانکنی کی حالت کا خاتمہ کر ڈالے کہ پیچھا چھوٹے -

مگر پھر سوچا - یہ تو وہ دونوں چاہتے ہی ہیں - نہیں اس جنم میں تو انھیں خوش نہیں کرنا ہے - مگر جب لے جانے کا ارادہ نہیں تھا تو اس نے کہا کیوں تھا - شاید اس لئے کہ میں ناگپور نہ جا سکوں - میرا پروگرام منڈ کر کے خود چلا جاتے - محمد رفیع سے بیر ہے، اس لئے کہ وہ مجھے کام دلوا دیتا ہے تو شرمیلا جی کی ہتک ہوتی ہے -

"تمھیں کیا ضرورت ہے کام کرنے کی، روپے کی تنگی ہے کیا؟" وہ کئی بار کہہ چکا ہے - اتنے بڑے فلمسٹار اور پروڈیوسر کی بیوی کام کی محتاج! اپنی کمپنی

سے تو معاملہ ختم ہی ہو گیا ۔ باہر کام نہ کروں ، ختم ہو جاؤں ۔ مٹ جاؤں ۔ مجھ سے نفرت ، میری کلا سے نفرت ۔ صبح رفیع کی پارٹی ناگپور جا رہی ہے ۔ ابھی وقت ہے اس نے فوراً فون کیا ۔

" مگر وہاں گاؤں گی کیا ، کچھ تیاری بھی نہیں کی ہے ۔ رہنے ہی دو ۔ "

" ارے نہیں نہیں ، یہ نہیں ہو سکتا ۔ تمھیں چلنا پڑے گا ۔ کچھ بھی گا دینا ۔ "

" میری تو کاپی بھی دفتر میں کہیں پڑی ہے ۔ "

" بچوں کے پاس گانوں کی کتابوں میں دیکھتا ہوں ۔ اور وہ گانا جو مدراس میں وہ کون سی نظم تھی اس کے لیے ریکارڈ کیا تھا ، وہ تو یاد ہی ہو گا ۔ "

" بول تو یاد نہیں ، کون سا ؟ "

رفیع نے حوالہ دیا ، گنگنا کر یاد دلایا ۔

" ہاں ہاں ، منگلا نے بھی گنگنا کر یاد کیا ۔

" کوئی نوکر بھی نہیں ہے اس وقت سب سو رہے ہیں ، میں خود لے کر آتا ہوں ابھی ۔ "

رفیع اور منگلا ڈیڑھ بجے تک ہارمونیم پر ریہرسل کرتے رہے ۔ کئی پرانے گانے یاد آ گئے جو دونوں نے ساتھ گائے تھے ۔ پھر منگلا کا وہ بھجن بھی یاد آگیا جو اس نے " پورنما " میں گایا تھا ، گنگنانے لگی ۔

" ہائے کیا سوز ہے اس گانے میں ، بڑے جی سے گایا ہے ۔ "

" جی کو لگی جو تھی ۔ " منگلا نے ٹھنڈی سانس بھری ۔ اس نے اخبار رفیع کے سامنے ڈال دیئے ۔

" ہوں ، " رفیع دکھی ہو گیا ۔

" جبھی تو میرے جانے کا سارا معاملہ ٹھپ کر دیا ۔ "

" انتہا ہے حماقت کی ۔ بال بچوں والا آدمی یوں واہی تباہی بھرے تم کیوں اتنا دل چھوٹا کرتی ہو ۔ تمہاری کلا کا بھی تمہارے اور کچھ حق ہے ۔ اس پروگرام کے بعد ہمارا ارادہ اپنی ٹروپ کو لے کر پورے یورپ کے دورے پہ جانے کا ہے ۔ پچھلی دفعہ بیرد بی میں بہت اچھا پروگرام رہا ۔ ضرور چلنا ۔ "

دیر تک گلے شکوے ہوتے رہے پھر چونکہ صبح جلدی اٹھنا تھا ، رفیع

سونے کی ہدایت کرکے چلا گیا۔

منگلا روتے روتے تھک گئی تب آدھا گلاس وہسکی میں خواب آور گولیاں ڈال کر غٹا غٹ پی گئی۔

۱۴

دھرم کو پلین ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بھی آ رہی ہے۔ بڑی خوش دلی اور لاپرواہی سے ہنس دیا۔

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے، انگلینڈ گئی ہے"۔ اس نے تھوڑی دیر بعد بے تعلقی سے پوچھا۔

"ہاں امینہ اور وہ پرسوں ہی پہنچ گئیں"۔

"مگر یہ کیا قصہ ہی ہے کہ میلے میں آ گئے"۔

"اماں میلے ہی میں شرکت کی غرض سے آئی ہیں۔ امینہ کو اجازت نہیں مل رہی تھی۔ کیونکہ اس کا ارادہ نہیں تھا"۔

"تو پھر کیسے آ گئی؟" دھرم بولا۔

"دو مہینے پہلے بھاگ دوڑ مچائی۔ زرینہ نے کہہ دیا اکیلی نہیں جائے گی۔ لڑکی کو ایک ساتھی کی اجازت مل جاتی ہے۔ مینا کو بڈھے نے آنے دیا ہوتا تو پھر کوئی بات نہیں تھی۔ چونکہ وہی اکیلی لڑکی ہے۔ اس لئے......"

"تو کیا ہر میٹنگ میں بھی اسے گھسنے کی اجازت ہو گی"۔

"کیوں بھائی قصہ کیا ہے؟" زبیر نے اسے غور سے دیکھ کر پوچھا

"ارے کچھ بھی قصہ نہیں"۔

"دیکھو بھئی اگر تم نے یہاں پر لیکچر دیا تو خدا قسم......"

"ابے ہٹ خواہ مخواہ کے طومان جوڑ رہا ہے" بات ٹل گئی مگر رندھیر کا ماتھا کھٹک گیا۔ اگر پھر سے بات چل نکلی تو سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا۔ جب زکام ہونے والا ہوتا ہے تو چھینکیں آتی ہیں۔ دھرم کو رندھیر برسوں سے جانتا تھا۔ اس کی رگ رگ سے واقف تھا کبھی تو اسے یہ بھی پتہ ہو جاتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ دھرم کو زرینہ پھر ہونے والی ہے۔ چھینکیں آرہی ہیں۔ زبان بند ہے مگر آنکھیں بول رہی ہیں۔ آپ ہی آپ مسکراتا ہے، پھر غم کے بادل امڈتے ہیں، پھر ہنس دیتا ہے۔ پھر کہیں کھو جاتا ہے۔ رندھیر کو معلوم ہے وہ دل ہی میں اپنی محبوبہ سے مل رہا ہے۔ بچھڑ رہا ہے۔ روٹھ رہا ہے پھر من رہا ہے۔ وہ اس کے دماغ میں کبھی پھول کھلاتی ہے کبھی کانٹے بھونک دیتی ہے کبھی انگ انگ میں رس بھرتی ہے کبھی زہر گھول دیتی ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا اور لرز رہا تھا۔ یورپ کی سیر ہفینگ ہوتی صاف نظر آرہی تھی۔

"تم کیسی ہو؟" دھرم نے زرینہ کو دیکھ کر رسماً کہا۔

"اچھی ہوں، آپ تو بہت بزی ہیں نا، نئی پکچر شروع ہوگئی نا، انگلینڈ میں بہت مزہ آیا۔ میں نے کہا آڈ اینہ آیا یہاں کھو جائیں۔ ....." بڑبڑ وہ بکتی رہی۔ یہ نہیں چاہتی کہ دھرم کچھ کہے۔ کیا بھروسہ ہے کیا کہہ دے اور وہ سٹ سے غائب ہو گئی۔

دھرم کے ماتھے پر نمی آگئی۔

"نہیں اس سردی میں پسینہ ہرگز نہیں آسکتا" رندھیر نے خود کو یقین دلایا۔ "چہل پہل سے چہرے پر رونق آگئی ہے" مگر وہ اپنے کو دھوکا نہ دے سکے۔ جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے ویسے ہی دھرم بے ہوش بے سدھ بھرے مجمع میں مٹھو کی بھوکی نظروں سے ڈستا ہوا، نامعلوم ملکی غیر مرئی ڈور سے بندھا ہوا چلا جا رہا تھا۔ نہ اسے فوٹو گرافروں کا خوف تھا نہ دیس بدیس کے مہمانوں کی پرواہ۔ وہ سب کو دھکیلتا، دھکے کھاتا، اس کے قریب پہنچ جاتا۔ وہ اپنے اردگرد پھیلی ہوئی رعنائیوں کا عذر کر کے پھر مجمع میں کھو جاتی۔ مگر اس کی چھٹی حس اسے پھر وہیں کھینچ لاتی۔ وہ اس کے پیچھے ایسے بھاگ رہا تھا جیسے مار اپنے تازہ پاؤں پاؤں چلتے بچے کے پیچھے بانہیں پسار کے بھاگتی ہے۔ اس نے

دیکھا اور ٹھٹک کر سانس روک لی۔ بچہ خندق کے کنارے ڈگمگا رہا تھا۔

دھرم نے اُس کے شانے کو چھُوا اور جب مڑی تو اُس کے سامنے ہتھیلی پھیلا دی۔

صدیاں بھاگتی دوڑتی گزر گئیں۔ قرن بیت گئے۔

وہ مٹھیاں بھینچے اس کی ہتھیلی کو گھور رہی تھی۔

"وہ دیکھو ـــــ" امینہ نے اسے گھسیٹ کر اپنے آگے کر لیا۔ اور آنکھیں موندے نواروں کے قریب چھوٹتی ہوئی آتشبازی دیکھتی رہی۔

دھرم نے مٹھی بند کر کے جیب میں ڈال لی۔ اس کی نرم نرم آنکھوں میں آتشبازی کا عکس دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔

وہ رات رندھیر نے محاذ پہ گزاری۔ معلوم ہوتا تھا اس کے سر پہ بار بار بم پھوٹ رہے ہیں۔ اُسے دھرم کے پاگل پن میں کوئی شک نہیں رہا تھا۔ اس نے کبھی ایک انسان کو بغیر خون کی ایک بوند بہائے یوں پھڑ پھڑاتے نہیں دیکھا تھا۔

"رندھیر وہ بے وفا نہیں، میرے دوست تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی، یک طرف شعلے نہیں ہو سکتے۔ میرے یار میرے سینے میں بڑی جلن ہے۔ جیسے کوئی ناخونوں سے کھرچ رہا ہے۔ تم مجھے ڈانٹتے کیوں نہیں گالیاں کیوں نہیں دیتے کچھ تو کہو، شاید میرا دھیان بٹے۔ شاید دل میں غیرت جاگ اُٹھے تب اُس جلن پہ شاید چھینٹا پڑ جائے۔" پھر وہ ایک دم دیوار پہ ہاتھ رکھ کر خود سے کہنے لگا۔ وہ اسی ہوٹل میں ہے۔ یہ دیوار پھر دیوار ـــــ دیوار ہزاروں دیواروں کے بعد وہ ادھر ہے۔ کیسے تعجب کی بات ہے! ہے نا؟ وہ بڑے پیار سے دیوار پہ ہاتھ پھیرنے لگا۔ جیسے وہ سمنٹ کی سرد کاورٹ نہیں محبوبہ کا نرم و لچک دار جسم ہو۔

"سنو...... ٹھیک سے یہاں بیٹھو۔ اگر تمہیں اتنا یقین ہے تو پھر کیا مشکل ہے؟" رندھیر نے اُسے پھسلا کر پلنگ پہ بٹھایا۔ "صبح تو پھر خواہ مخواہ کیوں بلبلا رہے ہو۔ صبح میں......"

"صبح نہیں،"

"اب کیا جوتے کھلوائے گا۔ معلوم ہے تین بجے ہیں۔ مجھے اس کے کمرے کا نمبر بھی نہیں معلوم۔ صبح میں بات کروں گا۔ امینہ سے بات کروں گا۔ میں صاف کہہ دوں گا..... " وہ ایک دم رُک گیا۔ اُسے قطعی کچھ نہیں معلوم تھا۔ کہ کیا صاف کہہ دے گا۔ مگر وہ بولتا چلا گیا۔ "اور بھی جب وہ بھی ـــ"

"تو تم مانتے ہو نا کہ وہ بھی....... میرا مطلب ہے دل سے تو....."

"ہاں ہاں یار اس میں کیا شک ہے" رندھیر نے اسے ٹھنڈا کرنے کو کہا۔

"مگر دیکھو میاں پردیس میں اپنا کھیل نہیں بنے گا۔ سمجھے اپنی ڈگنٹی میں فرق نہ پڑے ـــ ہاں!...... اور دیکھو یوں بیکار ہڑبڑانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یوں تو بنا بنایا کام بگڑ جائے گا" اس نے بڑی نرمی سے کہا۔

"بگڑ جائے گا!" دھرم پر پھر لرزہ چڑھا۔

"میرا مطلب ہے خواہ مخواہ...... دنیا بھر کے لوگ جمع ہیں۔ تم اتنے بڑے پروڈیوسر وہ ایک معمولی ایکٹریس۔ بات حساب سے ہونی چاہیئے۔ تم بالکل بے فکر ہو کے آرام کرو۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔ ہاں!" رندھیر نے اسے کمبل اُڑھا دیا۔ ایسا لگا جیسے وہ ایک دم سو گیا۔

"یار رندھیر!" اس نے ایک دم سہمی ہوئی آواز میں کہا "وہ منگلا...... منگلا کا کیا ہوگا؟"

رندھیر اتنا تھکا ہوا نہ ہوتا تو وہیں اُسے قتل کر کے پھانسی پر جھول جاتا۔

"تم ان کی فکر نہ کرو۔ ان کا اس میں کیا دخل...... اچھا یار سو جاؤ ورنہ ہم صبح اُٹھ نہ پائیں گے اور وہ لوگ گھومنے گھامنے نکل جائیں گی۔ بات ٹل جائے گی!" اُس نے پھسلا دیا اور.........

صبح جب اُس کی آنکھ کھلی تو دھرم غسل خانے میں شیو کر رہا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر لپکا۔ آدھے راستہ میں یاد آیا کہ بجلی کا شور ہے اور وہ اپنی حماقت پر چڑھ گیا۔ کمبخت پاگل کے ساتھ رہ کر وہ خود پاگل ہوتا جا رہا تھا۔ دھرم کی "تم ہی بتاؤں" نے اسے بوکھلا دیا تھا۔

بڑی مشکل سے امینہ ہاتھ آئی۔ رندھیر نے بالکل عاشقوں کی طرح اس کے گرد طواف کرنا شروع کیا۔ جی تو چاہ رہا تھا ایک مکہ رسید کرے اور کہے چل ٹھیہ اور

سن مجھے بہت ضروری باتیں کرنا ہیں۔ مگر اس نے ضبط کیا اور اسے رسان رسان کھسکا کر ایک میز کے پاس لے گیا۔ جلدی سے کافی کا آرڈر دیا اور بڑے ہی خلوص اور چاؤ سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔

"اچھا یہ تم اس لورڈم سے طلاق کیوں نہیں لے لیتیں"

"ارے یہ صبح صبح مجھے طلاق کیوں دلوانے لگے" مگر وہ خوش ہو گئی کیونکہ جب وہ اس کے لئے میاں کو برا کہتا تو وہ بڑی دلچسپی سے سنتی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں"

"طلاق لے کے کیا کروں" وہ ہنسی۔

"شادی"

"دیوار پاگلوں سے؟ چیونٹیوں بھرے کباب سے کون شادی کرے گا؟"

"ساری دنیا میں تمہیں کوئی 'وہ کون' ہی نظر نہیں آتا۔ ایک ہیں میاں امجد علی عرف رندھیر...... نام سنا ہوگا؟"

"جی کچھ یاد تو پڑتا ہے مگر سنا ہے وہ تو...... ان کے تو بیوی"

"اسلام چار کی اجازت دیتا ہے"

"اوہ، دو تو آپ فرما چکے...... اب تیسری اور کہیں کر ڈالئے، پھر چوتھی کے بارے میں سوچا جائے گا۔ سنا ہے لوگ آخری بیوی چاہتے ہیں۔ مگر رندھیر صاحب کیوں ادھر ادھر کی باتوں میں وقت برباد کر رہے ہیں۔ اگل دیجئے نا"

"اگل دوں؟"

"اب میں اتنی بھی ننھی نہیں ہوں کہ یہ یقین کروں کہ صبح صبح میری طلاق پر تبصرہ کرنے کے لئے یہاں لائے ہیں، مجھے...... میرا مطلب ہے ہمیں پر کاش جی ذرا گھمانے لے جا رہے ہیں۔ اس لئے ——"

رندھیر نے زیادہ تکلف مناسب نہ سمجھا اور اگلنے لگا۔ وہ چپ سنتی رہی۔ بٹوا کھولتی بند کرتی رہی۔ رندھیر کے اعصاب جواب دینے لگے۔

"مجھے ان سے بڑی ہمدردی ہے" اس نے الفاظ تول کر کہا "مگر یہ تو پتہ چلے کیا چاہتے ہیں"

"یعنی، یہاں اتنی لمبی چوڑی داستان سنا ڈالی اور آپ کو یہی پتہ نہیں"

"دیکھئے وہ جو آپ سوچ رہے ہیں اس کا جواب میرے پاس نہیں۔ اسی سے پوچھئے لیکن اگر ....."

"اگر کیا؟"

"اگر شادی کا خیال ہے تو ....."

"شادی!" رندھیر ضبط نہ کر سکا۔

"آپ تو ایسے بدکے جیسے کبھی شادی کا لفظ نہ سنا ہو۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ حالانکہ ماشاءاللہ سے .....

"اور منگلا" رندھیر کا خون کھول گیا۔

"ارے آپ اتنا بن کیوں رہے ہیں، ان کے بارے میں تو سوچنے کے بعد ہی کچھ طے کیا ہوگا۔

"اور بچے!"

"اوہ بچے کس کے نہیں ہوتے، کیا آپ کے بچے نہیں تھے۔ آپ نے جب دتو سے بیاہ کیا تھا تو اپنی بیوی کے بارے میں جو سوچا تھا بس وہی —— رندھیر صاحب زرینہ میری بہن ہے۔ اس کی جگہ آپ کی بہن ہوتی تو آپ کیا جواب دیتے؟"

رندھیر کی آنکھوں میں خون اتر آیا، آپا بی یاد آگئیں۔

"ہمیں اپنے بہت مقدس معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کا منہ بہت سرخ ہو رہا ہے۔ لوگ دیکھ رہے ہیں نہ جانے کیا سمجھ رہے ہوں گے۔" وہ اٹھنے لگی۔

"یہ میری اپنی رائے ہے!"

"اور زرینہ کی؟"

"وہ زرینہ جانے۔" وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

جب رندھیر نے گالیوں کے کلی چھینٹے لگا کر دھرم کو سب باتیں بتائیں تو وہ پھول کی طرح کھل اٹھا۔ بڑی فرماں برداری سے گالیاں سنیں جھینپی ہوئی نظریں اٹھائیں۔ آنکھوں کے کونے پر موتی کانپ رہے تھے۔ جب وہ اپنے سے باتیں کر رہا تھا تو باہر فواروں کے پاس زرینہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ فوراً آٹو گراف

ٹوٹ پڑے۔ وہ اُسے بڑی مشکل سے بچا کر نکال لایا اور پھر وہ وزن دیکھنے کی مشین میں سکّے ڈال کر کارڈ دیکھنے لگے

"یہ دیکھو" دھرم نے مٹھی کھول دی۔ وزن کا کارڈ رندھیر نے اُٹھا کر دیکھا۔

"یہ ..... ادھر پیچھے دیکھو" وہ بچوں کی طرح شرمایا۔

"بچھڑے محبوب سے ملاقات ہو۔ دل کی مراد پوری ہوئی" کارڈ پر لکھا تھا۔

"ابے گاؤدی، اُلّو کے پٹھے عاشق کے بچّے" اُس کا جی چاہا ایک گھونسا مار کر کہے مگر ایک شرمیلا ہے، یوں معاملہ نہیں پٹے گا۔ شادی کرنی ہو گی"

"شادی!" دھرم شوق سے مفلوج ہونے لگا۔

"جی نکاح ..... اور مہر....." رندھیر نے مہر کی تشریح کی۔

"مہر جتنا بھی کہو"

"مہر سے کام نہیں چلے گا، نکاح کرنا ہو گا مسلمان ہو کر" رندھیر غرّایا۔

"اور سالے اگر اب کے تم نے بھابی کا نام لیا تو خدا کی قسم جبڑا توڑ دوں گا"

"اُس کا نام لینے کا مجھے کوئی ادھیکار نہیں" وہ ایک دم چپ ہو گیا۔

ویٹر نے بیر کے مگ لا کر سامنے رکھ دیئے۔ رندھیر نے بل اُٹھایا مگر جب تک دھرم نے نوٹ بیرے کو پکڑا دیا۔

"کمپنی خرچ" دونوں اپنے اپنے خیال میں گم بیر پینے لگے۔

"یار رندھیر.......... یہ نکاح کیسے ہوتا ہے"

"یہ آدمی ہے یا گھن چکر ادھر منگلا کو ٹرنک کال ملانے کے لئے بھاگا بھاگا پھر رہا ہے۔ بچّوں کے لئے کھلونے اور چاکلیٹ خرید رہا ہے۔ ادھر نکاح کی فکر میں گھلا جا رہا ہے" اُس نے نکاح کی تشریح کر دی۔

"یار باندرہ کی مسجد میں کام بن جائے گا" دھرم نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

نہ جانے کیوں رندھیر کو منگلا پر ہونے والی زیادتی پر بہت غصّہ آ رہا تھا، جب اُس نے نومو و تو سے شادی کی تھی تب اُسے اپنی بیوی پر قطعی ترس نہیں آیا تھا۔

حالانکہ منگلا اس سے کچھ خوش نہ تھی یہی سمجھتی تھی کہ وہ زرینہ کی وکالت کرتا ہے۔
وہ دیر تک دھرم کو ڈانٹتا رہا۔ پھر اس کو رحم آنے لگا۔ کیونکہ وہ سر جھکائے باتیں سنتا رہا۔

جب رندھیر بادل ناخواستہ امینہ کو دھرم کا جواب دینے کے لئے کمرہ تلاش کرکے پہنچا تو معلوم ہوا وہ لوگ باہر گئی ہوئی ہیں۔ شام تک لوٹیں گی۔ پھر شام کو معلوم ہوا فرانس چلی گئیں۔ دھرم نے پیچھا کرنے کا پروگرام بنایا۔

"نہیں یار اگر معاملہ کرنا ہی ہے تو لونڈھیا سے کوئی فائدہ نہیں۔ ان کی سیٹیں بک تھیں، جائیں گی کہاں۔ چلنا تو ساتھ ہی ہے۔ یہاں ہوائی جہاز کے پیچھے دوڑنے سے کیا فائدہ۔

مگر ایر پورٹ پر پہنچنے سے معلوم ہوا انھوں نے بکنگ کینسل کروا دی۔ پتہ نہیں کب اور کس پلین سے جائیں گی۔ کچھ نہ پتہ چل سکا۔ دھرم وہیں پھیل گیا مگر رندھیر نے سختی پکڑ لی۔

ایر پورٹ پر پہنچتے ہی اُسے منگلا کے ناگپور جانے کی اطلاع مل گئی ناگپور کا پروگرام خاصا کامیاب رہتا۔ اگر منگلا عین وقت پر ضرورت سے زیادہ پی کر اسٹیج پر نہ آجاتی کسی کو شبہ نہ تھا کہ وہ اس حد تک عادی ہو چکی ہے، صبح سے وہ ہوٹل میں اپنے کمرے میں بند پڑی تھی۔ جب وہ جھومتی لڑکھڑاتی اسٹیج پر آئی تو سب متحیر رہ گئے۔ اُلجھے بال، بے ترتیب کپڑے۔ اُدھر آرکسٹرا نے ساز ملائے ادھر اسے بڑے زور کی ایکائی نے دبوچ لیا۔ مارے سڑاند کے ناکیں سڑ گئیں۔ مشکل اُسے باہر لے گئے۔

اخبار میں ساری تفصیل کے بعد لکھا تھا کہ دھرم جرمنی گیا ہوا ہے اور شاید منگلا کا یہ بیماری ہے۔

"کیا ضرورت تھی جانے کی، میں نے منع کیا تھا" وہ ایک دم نرم پڑ گیا۔

"مجھے بتایا بھی نہیں منگو نے"

"تمھیں مہلت ملے تو بتلائے۔ یار گردن اڑا دینے کے قابل ہو۔ تم جیسی اس کی بے قدری کرتے ہو وہی ہے جو برداشت کر رہی ہے۔ اور کوئی ہوتی تو

کبھی کی تمھارے جسم میں تھوک کر الگ ہوتی " دھرم سے وہ بے تکلف تو ہمیشہ تھا۔ مگر دھول دھپا کا رشتہ نہ تھا۔ مگر جرمنی میں جو بیتی اور رندھیر کی اہمیت بڑھی تو وہ کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہو گیا۔ پہلے وہ اُسے جنس مانتا تھا۔ اب ذرا تسک پیدا ہو گیا تھا۔

اب کے پھر بیٹا، اور ہم بھی ایسی سپر ہٹ فلم بنائیں گے۔ کہ دنیا دیکھتی رہ جائے گی " اُس نے منگلا کے بیڈ پر بیٹھ کر اُس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

" بیٹا، ہنہہ، بھگوان نہ کرے " اُس نے دھرم کا ہاتھ جھٹک دیا اور ایسے دور ہٹ گئی جیسے وہ کوئی کوڑھی ہو۔

" منگلو۔۔۔۔ "

" بابا، یہ چوچلے وہیں بگھار و جا کے " وہ بیڈ سے اُٹھ کر سنگار میز پر جا بیٹھی دراز کھول کر اُس نے گلاس میں تھوڑی سی وہسکی ڈالی اور کنگھی کرنے کے لئے چوٹی کھولنے لگی۔

" منگلا یہ سویرے سویرے "

" تو " منگلا نے جیسے اُسے چڑانے کے لئے نیٹ پینا شروع کر دی۔

" یہ اچھا نہیں منگلا "

" کیا اچھا ہے اور کیا اچھا نہیں۔ یہ میں بھی جانتی ہوں۔ تم کیوں فکر میں گھلے جاتے ہو "

" منگلا۔۔۔ "

" ارے بابا جاؤ نا اپنی گلبدن کے پاس۔ بڑی مشکلوں سے تو رد ٹھی دیوی کو منایا ہے کہیں خفا نہ ہو جائے "

" کیوں طوفان جوڑتی ہو وہ تو پیرس سے ابھی آئی بھی نہیں " دھرم کے منہ سے نکل گیا۔

" جبھی میرا بھیجا چاٹنے کی فرصت مل گئی " وہ ننگی تلوار کی طرح کھنچ گئی۔ اور ایک بڑا سا پیگ انڈیل کر منہ سے لگا لیا۔ دھرم اُس کی طرف بے بسی سے بڑھا۔

" دور۔ دور " اُس نے ہاتھوں سے اشارہ کیا " مجھے ہاتھ نہ لگانا

ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔

دھرم اُس کی آنکھوں کا زہر نہ برداشت کر سکا تیزی سے باہر نکل گیا منگلا نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اور کنڈی چڑھالی۔

"نہیں رندھیر ۔۔۔ اب کوئی گنجائش نہیں۔ میں بھی اسے اس اکڑ کا مزہ چکھاؤں گا۔ امینہ نے کیا کہا؟"

"ملی کب جو کہتی۔"

"تم نے فون کیا؟"

"فون؟ ارے میں نے اس کی چوکھٹ کی خاک لے ڈالی۔ مگر وہ لوگ آؤٹ ڈور کی تیاریوں میں لگی ہیں۔ ملتی ہی نہیں۔ یہ گھر تو امینہ کے نام ہے۔ اس نے دوسرا فلیٹ لے لیا ہے کسی وقت نہیں ملتی۔ اس کا یہ مطلب ہے وہ لوگ وہاں ہی رہنے لگی ہیں۔ اور وہاں کا ٹیلی فون ابھی نہیں آیا ہے۔ اس کی شرط تو تمہیں معلوم ہی ہے۔ مگر یار تم ہو نرے نقالی کے بینگن۔ فیصلہ تو کر لو پہلے۔"

"کر تو لیا فیصلہ۔" دھرم نے نہایت غیر فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"تو پھر ریتا کے ذریعہ بات چیت کے کیا معنی۔" دھرم بے بس ہو گیا۔۔۔

"اچھا اگر تم واقعی فیصلہ کر چکے ہو تو منگلا کو طلاق دے دو۔"

"طلاق؟ ۔۔۔۔۔ رندھیر تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ وہ میرے بچوں کی ماں ہے! میں نہایت ہی کمینہ ہوں مگر اس کے یہ معنی تو نہیں۔۔۔۔۔۔"

"اچھا بابا ۔۔۔ بھول ہوئی، میں واقعی بڑا گدھا ہوں۔" اس نے کہنیوں تک ہاتھ جوڑے اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

"رندھیر ۔۔۔" دھرم نے دوڑ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔ "کہاں جا رہے ہو۔" بڑی بے بسی سے پوچھا۔

"جہنم میں۔" وہ گریبان چھڑانے لگا۔

"رندھیر ایسے وقت میں تم بھی میرا ساتھ چھوڑے جا رہے ہو۔" اس نے گریبان چھوڑ دیا۔

"اُف، وہ نیک بخت میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ فلم کے ٹکٹ منگوائے تھے۔"

اس کی ساری اکڑ ختم ہو گئی۔

"ہاں وہ انتظار کر رہی ہو گی۔ جاؤ۔" وہ واپس کمرے میں چلا گیا۔

"صبح آٹھ بجے پہنچ جاؤں گا۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ دھرم دراز کھول کر بوتل نکال رہا تھا۔

"جاؤ۔" "میں تو کہیں نہیں جا سکتا، میرا کوئی انتظار نہیں کر رہا ہے۔"

رندھیر کا دل ڈوبنے لگا۔ جاتے ہوئے قدم رُک کر لوٹ پڑے۔ تھوڑی دیر دونوں کھڑے سوچتے رہے۔ پھر رندھیر چوروں کی طرح بیٹھ گیا۔ "جیلوریگل میں اچھی فلم لگی ہے۔"

دھرم مسکرا رہا تھا۔

"واٹسو کو فون کر دو، ایک سے دو بھلے!"

"کوئی ضرورت نہیں۔"

"حد ہو گئی۔" اس نے بھی ایک گلاس اٹھا لیا۔ دونوں خاموش پیتے رہے۔ بالکل بات کو ٹال کر فلم کی بات کرنے لگے۔

"مالا کو اپنا رول بہت پسند ہے۔"

"بڑا جی لگا کر کام کرتی ہے۔"

"اب تو پھر سے ڈانسنگ شروع کر دی ہے۔"

"ہاں اچھا فگر نکل آیا ہے۔"

"بہن کے رول کے لئے سوچا کچھ؟"

"کوئی جچتی نہیں۔"

"حیدر آباد چلتے ہو۔"

"کیوں؟"

"ذرا چھو کریاں دیکھیں گے۔"

"یہ مالا کوئی نئی لونڈیا لائی ہے، چلتے ہو۔" دھرم ایک دم مستعد ہو گیا۔

"یار دیر ہو جائے گی۔"

"ابھی تو گیارہ بھی نہیں بجے۔" دھرم نے پھسلایا۔

"حاجی کے ہوٹل سے تھوڑے سے کباب لیتے چلیں گے۔"

ایک دم مطلع صاف ہو گیا۔ رندھیر پانچ منٹ کے لئے اپنے گھر ٹھہرا۔ دتّو کو سمجھا بجھا کر آ گیا۔

پدما کے ہاں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ نئی چھوکری رس ملائی کی طرح بھرپور تھی۔ بے انتہا چلبلی، دھرم کی فلمی پوزیشن سے مرعوب، رندھیر کی اہمیت سے واقف۔
"کیسی رہے گی، چھوٹی بہن کے رول کے لئے؟"

"ذرا ٹھگنی ہے۔ اور کلّے بہت پھولے ہوئے ہیں۔" رندھیر کو بعض وقت سخت حیرت ہوتی تھی۔ دھرم کی نظر اس قدر تیز تھی۔ خواہ وہ کتنا بھی مدہوش ہو، بہا جا رہا ہو بالکل کیمرے کے لینس کی طرح چہرے مہرے کی پیمائش سے نہیں چوکتا۔ اس کا اندازہ کبھی دھوکا نہیں کھاتا تھا۔ زرینہ اُس شدت سے اس کے حواسوں پر چھائی ہوئی تھی پھر بھی وہ شوٹ لگواتے وقت ہمیشہ اس کے بھونڈے ہاتھوں اور پیروں سے کیمرہ دور ہی رکھتا تھا۔ عشق میں اندھا ہوتے ہوئے بھی اس کی فنی غلطیوں کی کبھی درگزر نہیں کی۔

پدما کے یہاں سے تین بجے لوٹے تو ذہن پر سے سارا غبار دھل چکا تھا۔ دھرم نے وہاں بہت کم پی، باتیں خوب اور کھل کر کیں۔ نہ جانے کیا بات تھی پدما کی صحبت میں ساری جذباتیت صابن کی طرح دھل جاتی تھی۔

جب رندھیر اُسے اتار کر چلا گیا تو وہ دماغی طور پر کافی صحت مند محسوس کر رہا تھا سونے سے پہلے ایک اور پیگ کے لئے دراز کھولی۔ بوتل خالی تھی۔ اِدھر اُدھر ڈھونڈنے لگا۔ کپڑوں کی الماری میں بوتل مل گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ البم بھی مل گئی جو اسٹل تیار کرنے والے نے اسے نجی طور پر پیش کی تھی۔ جس کی قیمت اس نے اپنی مدراس کی فلموں میں اسے کانٹریکٹ دلوا کر چکائی تھی۔ اس میں صرف اس کی اور زرینہ کی وہ تصویریں تھیں جو ریہرسل کے دوران میں لی گئی تھیں۔ نہ وہ سین فلم میں جوڑے گئے تھے اور نہ ان کے اسٹل فوٹو باہر والوں کو دکھائے گئے تھے۔

وہ صبح تک ان تصویروں کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنا سولہ ملی میٹر کا پروجیکٹر نکالا اور وہ سین دیکھتا رہا جو فلم میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ یہ فلم گندے یا قابل اعتراض نہیں تھے۔ دو انسانوں کے درمیان خوبصورت اختلاط کے فلم تھے۔ رندھیر سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان سب کو جلا دے گا۔ اور سب کچھ بھول کر نئی زندگی شروع

کرے گا۔ اس نے انھیں جلایا نہیں۔ سیف میں چھپا دیا۔

نئی فلم کا کام شروع ہو گیا۔ عجیب انسان تھا، ایک دم فلم کے خوبصورت ڈرامائی سین آجاتے تو جاگ اٹھتا، بڑی جاں فشانی سے دنیا کو بھول کر جٹ جاتا۔

پھر نہ جانے کیا ہو جاتا۔ کچھ دل کو چوٹ سی لگتی، وہ اپنے کمرے میں ہو جاتا اور شراب کی بوتل سینے سے لگائے کئی کئی دن کے لئے بے کار ہو جاتا۔ کبھی بچوں سے ملنے جاتا اور منگلا سے ملاقات ہو جاتی تو دونوں کٹی کاٹ جاتے۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ چونکہ جونہی منگلا کو اس کے آنے کی خبر ملتی وہ ادھر ادھر ہو جاتی۔

نئے فلم کے گانوں کے بارے میں نرگسی نے اس سے پوچھا نہ اس نے توجہ دی۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ فلموں میں گانا نہیں چاہتی تھی۔ ویسے روپے کے لئے اسے کام کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ دھرم اسے بہت روپیہ دیتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ خود نہایت بے تکا آدمی ہے۔ منگلا ہی بچوں کے مستقبل کو سنوارے گی۔ اس لئے وہ اپنی ایکٹنگ کی کمائی تو سب کی سب اسی کو دے دیتا تھا۔

منگلا اپنے خاندان کے بعد اگر کسی چیز سے دلچسپی رکھتی تھی وہ تھا اس کا گانا۔ کتنے دن وہ صرف دھرم کے فلموں ہی کے لئے گاتی رہی۔ اس لئے اس کا فن محدود ہو کر رہ گیا۔ وہ سال میں ایک اور زیادہ سے زیادہ دو فلموں کے گانے گاتی، دوسرے پلے بیک گانے والے سینکڑوں گانے گا لیتے۔ مشق سے مہارت بڑھتی ہے ہر دلعزیزی بڑھتی ہے سننے والوں کے کانوں میں بھی انھیں کی آوازیں پڑتی ہیں، زیادہ ترانھیں کے گانوں کی فرمائشیں ہوتی ہیں۔ انھیں کے ریکارڈ زیادہ تعداد میں بکتے ہیں۔ فلم مانگ کو نظر میں رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔ خواہ وہ اداکاروں کی مانگ ہو یا گانوں کی۔ منگلا اپنے ذہنی سکون کے لئے گانا چاہتی تھی کہ زندہ ہونے کا احساس نہ ختم ہو جائے۔ وہ ہر طرح کا کوآپریشن کرنے کو تیار تھی، جو بھی اسے لیتا وہ پینا پلانا بند کر کے بڑی سنجیدگی سے ریاض شروع کر دیتی۔ خود ریہرسل کے لئے پہنچ جاتی۔ پیسہ مانگنا تو درکنار وہ ان کی ہر طرح مدد کو تیار ہو جاتی۔ دھرم دیو سے تعلقات بگڑنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ سب سے کٹ گئی۔ دھرم کے پاس ہی بلاوا آتا۔ اگر ضروری ہوتا تو وہ خود اپنے دوست احباب کے ساتھ چلا جاتا۔ اس کے لئے کوئی بہانہ کر دیتا۔ لوگ اسے بھولتے جا رہے تھے۔ وہ لوگوں کے دلوں میں رہنا چاہ رہی

تھی - چونکہ وہ غرض مند تھی، انڈسٹری کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی - کوئی گراپڑا ڈائریکٹر جسے دوسرے کلاکار رعایت دینے سے انکار کر دیتے منگلا کے پاس ہاتھ پھیلاتا آتا - ظاہر ہے نہ عام طور وہ بڑا میوزک ڈائریکٹر دیتا تھا نہ ہی اس کی نیم ہٹ ہوتی نہ اچھی ٹیکنیکل سہولیتیں ملتیں - فلم انڈسٹری ابھرتے کلاکار کے پیچھے بھیک کا پیالہ لے کر بھاگتی ہے - گرے ہوئے کو روندتی چلی جاتی ہے - اتنی عظیم فن کار قعرِ گمنامی میں ڈوب رہی تھی - اور تنکے کا سہارا نہ تھا - وہ گمنامی اور بے توجہی میں کھو جانے کو تیار نہ تھی - وہ دیکھ چکی تھی کہ ثریا کہاں گئی وہ جو کبھی چوٹی کی فلم اسٹار تھی جس کی آواز سن کر پتھر بھی تڑپ اٹھتے تھے جو لاکھوں کے دل میں اپنی آواز کا جادو جگایا کرتی تھی، آج کہاں ہے - وہ زندہ ہے اس کا گلا زندہ ہے مگر کون جانتا ہے - وہ ثریا کی طرح ضد بھی نہیں کرنا چاہتی تھی، کہ فلم کی ہیروئن بنائی جائے تب ہی اس کی آواز ملے گی ثریا اپنی آواز کے ساتھ جسم کو نہ بھول سکی، منگلا سب کچھ بھول لینے کو تیار ہے کہ وہ ایک بڑے فن کار کی خوش حال بیوی ہے جو فلم کمپنی کا مالک ہے - اس نے کوئی شرط نہیں لگائی، مگر اس کی مقبولیت بحال نہ ہو سکی -

صبح کسی گمنام سے پروڈیوسر نے اسے فون کیا تھا کہ شام کو گانے کی ریکارڈنگ کے بارے میں طے کرنے آئے گا - مگر کوئی نہ آیا - غریب بھاگتا پھر رہا ہوگا - جھولی پھیلائے - میوزک ڈائریکٹر بھی کہاں تک مروت پر فلمیں بنواتے جائیں - میوزیشین کو تو نقد دینا ہی پڑے گا - پھر ریکارڈنگ کا خرچ، اور پہلے وعدے ہی پورے نہ ہوئے ہوں گے - ایک وہ ہی تو ٹھالو پڑی ہے چند آوازیں ہیں کس کس کے ساتھ رعایت کریں - اور کب تک کریں - بمبئی کے نوے فیصدی پروڈیوسر کڑکے ہیں -

کہ اتنے میں گھنٹی بجی سوچا شاید پروڈیوسر دیر سویر آ ہی گیا، مگر جب ایک لمبا دبلا پتلا سا لڑکا جھینپا شرمایا اندر آیا تو وہ اسے پہچان بھی نہ پائی - جب اس نے اپنا نام و نشان بتایا تو چونک پڑی -

"کون، فریدا! باپ رے باپ کیا اونٹ کا اونٹ ہو گیا - ارے منیر کہاں ہے رے - بیٹھو"

"منیر کالج گیا ہے"

"اور تم نہیں گئے کالج"

"میں۔ میں نے تو الف ایس سی سے چھوڑ دیا۔"

"اچھا، اب کیا کر رہے ہو؟"

"کچھ خاص نہیں۔ دھرم جی نے کہا تھا پھر ٹیسٹ لیں گے۔ سائیڈ رول ہے، اسی کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔"

ابھی منگلا اور دھرم کی علیحدگی کا چرچا عام نہیں ہوا تھا اور فریدہ تو ابھی انڈسٹری میں داخل ہی نہیں ہوا تھا۔ فلمی شوہر گھروں پر کم ہی ملتے ہیں۔ منگلا نے دھرم کی غیر حاضری کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

"اسے ان کے کہنے کا کیا ٹھیک" وہ مگر پھر وہ سنبھل گئی "وہ بھول گئے ہوں گے۔"

"میں یہ پوچھنے آیا تھا کہ شوٹنگ ہے کہ نہیں، انہوں نے کہا تھا کہ شوٹنگ شروع ہوگی تب سیٹ پر ہی ٹیسٹ لیں گے۔ ٹیلی فون پر کوئی ٹھیک سے جواب نہیں دیتا۔"

"فلم لائن پسند ہے۔"

"ہاں اگر چانس مل جائے تو......"

"ارے بڑی گندی لائن ہے۔ کچھ اور کام کرو نا۔"

"کہاں ملتا ہے کام۔" ایک فلم لائن ہے جہاں قابلیت دھری رہ جاتی ہے۔ بس قسمت چلتی ہے۔"

"ارے دنیا میں بہت کام ہیں۔"

"مگر فلم لائن میں کیا برائی ہے۔"

"کیا برائی نہیں، یہ پوچھو، تم تو مزے کرتے پھرو گے بیوی سر پکڑ کر نصیب کو روئے گی۔"

"بیوی ہے ہی نہیں تو روئے گی کہاں سے۔" وہ ہنسا۔

"کبھی تو آئے گی۔"

"کیوں آئے گی۔ میں شادی ہی نہیں کروں گا۔"

"ہائے رام، گھر نہیں بساؤ گے۔" منگلا اپنی دھن میں کہتی چلی جا رہی تھی۔ اُسے یہ باتیں نہیں چھیڑنی چاہئیے تھیں۔

فریدہ کا باپ کسی زمانے میں بڑا زبردست ہیرو تھا۔ اس کی فلمی بیوی ایک

آرٹسٹ کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ تب فرید پانچ برس کا ہوگا۔

"وہ چائے ہوگئے کہ کچھ ٹھنڈا؟"

"جی اب چلوں گا..... آپ دھرم جی کو یاد دلا دیجئے گا۔ پہلے بھی انہوں نے وعدہ کیا تھا" وہ کھڑا ہو گیا۔

"ارے بیٹھو نا" ان دنوں منگلا اکیلی بیٹھی اوب جایا کرتی تھی۔ کوئی بھولا بھٹکا آن پھنستا تو اُسے اُٹھنے نہ دیتی۔ وہ تنہائی سے ڈرنے لگی تھی۔

"ارے بیٹھو نا......" اُس نے فرید کی آستین پکڑ کر بٹھا لیا جب اُس نے وہسکی پیش کی تو فرید سٹپٹا گیا۔

"کیوں؟ پیو نا بہت ذرا سی دی ہے۔ میں نے"

"نہیں" فرید تکلف کرنے لگا۔

"ارے اتنا بڑا تاڑ سری کا ہو گیا، کیا ابھی تک دودھ ہی پیتا ہے" منگلا موڈ میں تھی۔

"ڈیڈی....." وہ جھجک گیا۔

"تیرے ڈیڈی نہیں پیتے؟ خوب پیتے ہیں، کبھی تجھے نہیں پلائی؟ سچی کہ جھوٹ بول رہا ہے" فرید ہنسنے لگا "یار دوستوں کے ساتھ چکھی تو ہے"

"تو بس لو..... دو بوند تو ہے ہی" بڑے تکلف سے اُس نے گلاس لے لیا۔

منگلا اُس کی صورت دیکھتی رہی۔ ابھی کل ہی کی بات تو تھی جب وہ نئی بیاہ کر آئی تھی۔ تو مشکل سے وہ اُس کے کندھے تک آتا تھا کبھی گیند لگا ملے میں آ جاتی تو لڑکیوں کی طرح لال کرتہ ہوتا آتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھ فٹ اونچا ہو گیا مگر چہرے پر ابھی تک بچپن نظر آتا تھا۔ لڑکوں کے اتنے سرخ ہونٹ اچھے نہیں لگتے: جیسے لپ اسٹک لگی ہو۔ ابھی زہر حلق سے نہیں اُترا!

فرید کی شربتی آنکھیں تین چار پیگ میں سیاہ پڑ گئیں۔ اور ہیرے کی کنی کی طرح دمکنے لگیں۔

منگلا اُسے رخصت کرنے اُٹھی تو ساڑھی پیر میں اُلجھ گئی۔ اُس سے پہلے کہ منہ کے بل گرتی دو مضبوط ہاتھوں نے اُسے تھام لیا۔

وہ خود کو چھڑا کر جلدی سے اپنے بیڈروم میں ہانپنے لگی جیسے بہت دُور سے بھاگی چلی آ رہی ہو۔ ساڑھی کا پلّو کھینچ کر اُس نے اپنے گرد لپیٹ لیا۔ اور وہیں قالین پر بیٹھ گئی۔ اُس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ جیسے جاڑا بخار چڑھنے والا ہو۔ اکثر ایسا ہونے لگا تھا۔ ڈاکٹر کہتے تھے شراب پر قابو ہونا چاہیے۔ پر یہ اُس کے بس کی بات نہ تھی۔ اُس بھنور میں ایک بار پھنس کر پھر کون چھوٹا ہے۔ اور وہ تو ایک کمزور ابلا تھی۔ زندگی کی نامرادی اور تنہائی نے اُسے بے دم کر دیا تھا۔ شراب اُس کا آخری ساتھی تھی۔

یہ کیا ہو رہا ہے مجھے؟ ابھی اگر میرا دم نکل جائے تو؟ بے اختیار اُسے دھرم یاد آیا۔ ایسا بے رحم تو نہیں، کہ مرتی ہوؤں تب بھی نہ آئے۔ یہ اُس نے کیا کر دیا۔ دھرم کیا اتنی دور چلا گیا ہے۔ کہ مُڑ کر بھی نہ دیکھے گا۔ نہیں ایک بار اُسے آنا ہی ہوگا۔ پھر وہ اُسے اپنی باہوں میں جکڑ لے گی۔ جانے نہ دے گی۔ بس ایک بار اس کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لے گی پھر کبھی نہ کھولے گی۔

وہ فون کرتی رہی۔ انگیج کی آواز آتی رہی۔ بڑی مشکل سے کنکشن ملا۔

"ہلو — میں کیشو بول رہا ہوں دیدی۔"

"انھیں ٹیلی فون دو۔"

"کیا بات ہے دیدی میں آؤں؟"

"نہیں....." وہ زور سے چیخی۔ جیسے کیشو اُس کے دل کا حال جان کر بغل بد کی دھمکی دے رہا تھا۔

"بچے تو ٹھیک ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہیں، انھیں بلا دو۔" منگلا نے لجاجت سے کہا۔

"دیدی..... وہ اگر کوئی بہت ضروری کام ہو تو......"

"کمینہ۔ حرام زادہ۔" منگلا نے فون پٹخ دیا۔ وہ تازہ پیگ انڈیل رہی تھی۔ کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔

"ہلو..... میں رندھیر بول رہا ہوں۔"

"وہ کہاں ہے ذرا بلائیے۔" منگلا کو میوزک اور قہقہوں کی آواز سنائی دی۔

"تم اسٹوڈیو سے بول رہے ہو نا۔"

"جی...... جی ہاں" رندھیر کی آواز کپڑے میں لپٹی ہوئی سی معلوم پڑتی تھی۔

"وہ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ ابھی سوئے ہیں۔...... بخار بھی معلوم ہوتا ہے۔"

منگلا سر سے پیر تک لرز رہی تھی۔ "یہ سب میرے دشمن ہیں۔ سب کی ملی بھگت ہے۔ مجھے چڑانا چاہتے ہیں۔ گیدڑ شیر کی دُم سے لگے ہوئے ہیں۔ جنیا نہیں چھوڑیں گے۔" وہ اور بھی ڈر گئی

"بہت ضروری کام ہو تو......"

"مجھے روپیہ چاہیے۔" اس نے بڑی کھری آواز میں کہا۔

"اں ؟ اچھا اچھا میں صبح ہی بھجوا دوں گا۔ اور کوئی کام ؟"

"نہیں۔" اس نے ہولے سے فون رکھ دیا۔ خالی ہاتھ گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔ ممبئی کا پچھلے پہر کا سناٹا دل پہ ہول بن کر چھا گیا۔ آبادی سے دور یہاں ڈھنڈھار بنگلے میں وہ تین بچوں کے ساتھ نوکروں کے رحم و کرم پڑی ہے کسی کی نیت خراب ہو جائے تو گلا کاٹ کے ڈال جائیں۔ کوئی اپنا نہیں۔ پکارو تو کوئی سنے گا بھی نہیں۔ اسے ہر کھڑکی اور دروازے سے ڈر لگنے لگا کہ ابھی دروازہ کھلے گا ڈھاٹا باندھے کوئی ننگی چھری چمکاتا اس کی اور بڑھے گا۔ تب اس کے حلق میں آواز گھٹ جائے گی۔

اس نے اٹھ کر جلدی سے کھڑکیاں بند کریں۔ دروازوں کو دیکھ کر تسلی کی۔ اور بھی وحشت بڑھنے لگی۔ وہ تیر کی طرح بچوں کے کمرے میں گئی۔ آیا فرش پہ سو رہی تھی۔ دبے پاؤں وہ چوری چوری تینوں کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لائی۔ پلنگ نرم گرم جسموں سے بھرپور ہو گیا تب ڈھارس بندھی۔

رام جانے وہ کون سے جنم کی بات تھی۔ مدھ بھری آنکھوں والے ایک لڑکے سے املی کے پیڑ کی سبز چھاؤں تلے کوئی پیارا سا خواب دیکھا تھا۔

کون تھا وہ ؟ بھلا سا نام تھا۔

رندھیر ٹیلی فون کے رسیور پہ ہاتھ رکھے تھکا ہوا بیٹھا رہا جب منگلا نے دھرم کو فون کیا تو وہ کیشو نے اٹھایا کیونکہ وہ وہاں مدراس کی ٹرنک کال کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب منگلا نے ٹیلی فون پٹخ دیا تو اس نے رندھیر کو فون کیا جو اس

وقت پدما کے ہاں سے بول رہا تھا۔ دھرم کو ٹیلی فون پر بلانے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا تھا۔ کیونکہ وہ پدما کی برتھ ڈے منا رہا تھا۔

آج بہت دن بعد دھرم دیو کو موڈ آیا تھا اس نے دن بھر بڑے جوش و خروش سے نئی فلم کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا۔ سیٹ کی ڈیزائن پاس کر دی۔ پندرہ دن سے کم میں تیار نہیں ہوگا۔ یہ موڈ تو بس "پورنما" کے بعد کہیں غائب ہی ہو گیا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے اس کے دو چار دوست بھی آن پہنچے رام سنگھ، رحمن اور رمی بھی دو دھجی ہوئی لڑکیوں کے ساتھ آن دھمکا۔ ریتا کو اس کی نئی جگہ کا پتہ چل گیا تھا اور وہ شبخوں کا عزم کئے بیٹھی تھی۔ اس لئے وہ اسے چکمہ دے کر ادھر کھسک لیا۔ کا ربن دوسرا سامانِ عیش بھی تھا۔ اس دن پدما کی سال گرہ بھی تھی۔ کسی کو یاد بھی نہ تھا کہ صرف چار مہینے پہلے اس کی سال گرہ ہو چکی ہے۔ گزشتہ بارہ چودہ برس میں کم سے کم پچیس برتھ ڈے پارٹیاں دے چکی تھی۔ مگر ابھی مشکل سے بائیسواں سال لگا تھا۔

کیا قیامت تھی چودہ برس پہلے نہ جانے کتنے پروڈیوسروں کے تختے لوٹ گئے مگر وہ ہیروئن نہ بن سکی۔ دیکھنے میں سیکس اپیل کا استعارہ تھی پر کیمرے کی آنکھ سے ہو نظر آتی تھی۔ اس وقت اپنی کھال سے بھی زیادہ چست بروکیڈ کی قمیض اور چوڑی دار پاجامہ پہنے تھی۔ اور سڑک کوٹنے کے انجن کی طرح اپنے عاشقوں کو پیس رہی تھی۔ اس کا دوپٹہ نہ جانے کہاں کہاں سے ہوتا ہوا اس وقت دھرم دیو کے گلے میں حمائل تھا۔ لڑکیاں کم اور مہمان زیادہ تھے۔ اس وقت وہ اس چابکدستی سے مورچہ سنبھالے تھی کہ دس کا کام نمٹا رہی تھی۔ دھرم اس وقت نیلی چارخانہ کی تہبند اور لکھنؤ کے چکن کے کرتے میں بالکل رنگیلے تنا بنا ایک کمسن سی لڑکی کی ہتھیلی پر وسکی انڈیل کر چسکیاں لگا رہا تھا۔ وہ کھلکھلا رہی تھی۔ اور لوگ تالیاں بجا رہے تھے۔ رمی یوں اسے میدان مارتا دیکھ کر فنفنا اٹھا اس نے اپنے پہلو میں مچلتی ہوئی مرغی کو اوندھا لٹایا۔ کرتا ہٹا کر اس کی پشت کی نالی میں رم ڈال کر سڑپے لگانے شروع کر دیئے۔ اس جدت پر اور تڑپ لگے اور سب ہی اپنی اپنی ذہانت کے مطابق لڑکیوں کے ساغر بنانے لگے۔

فون رکھ کر وہ ہ تھکے تھکے قدموں سے واپس ٹیرس پر آیا۔ دھرم اس مجمع میں

نہیں تھا۔ چاروں طرف نظر دوڑائی، سب سے الگ وہ اکیلا منڈیر پر جھکا ہوا تیسری منزل سے نیچے سیمنٹ کی پکی سڑک پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔

"بات نہیں بنے گی، شاید صرف ہاتھ پیر ٹوٹ جائیں!" اُس نے مسکرا کر کہا۔ دھرم بھی ہنسنے لگا۔

"دیکھو یہاں سے کس قدر خوبصورت شوٹ بنتا ہے۔" دھرم نے ہاتھوں سے کیمرے کا فریم بنا کر دکھایا۔ بس وہ ایک لیمپ پوسٹ اور پاس پڑا ہوا ڈرم۔

"واللہ یار آدمی تم کام کے ہو۔ کیا ہی اچھا ہوتا جو تم ہم سے عشق کرتے!"

"تم بھی ہمیں ترساتے۔" دھرم آ کر قالین پر لیٹ گیا۔

"نہیں دوست ہم تو تمہارے قدموں میں دم توڑ دیتے اور اُف نہ کرتے!" رندھیر اُس کے پاس پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ دھرم آدھا لیٹا رمی کی خرمستیاں دیکھ دیکھ کر ہنسنے لگا۔ اُس نے قمیض اور بنیان اُتار پھینکا تھا اور گھوڑا بنا چڑھی دے رہا تھا۔ اس کی پیٹھ پر ایک تیاسی چھوکری بیٹھی ٹخ ٹخ کر رہی تھی۔

سر تیا ایک ہوتے سے بیوی کے کپتان کے لگے میں ڈوبتے کا پھندا ڈالے شمپین کے گلاس کی ڈگڈگی بجا رہی تھی۔

"ناچ جمورے۔ ڈُگ۔ ڈُگ۔ ڈُگ۔۔۔۔" اور وہ بھالو کی نقل میں اچھل رہا تھا۔

توری سیگل چرن سنگھ منہ کھولے چت پڑا تھا۔ ایک گول مٹول گڑیا سی حسینہ اس کی چٹیل چھاتی پر پالتی مارے بیٹھی تھی۔ اور منہ میں قطرے ٹپکا رہی تھی۔ اس کی نارنجی قمیض کے چاک اوپر تک پھٹے ہوئے تھے۔

"بھابی کا فون آیا تھا۔" رندھیر نے اُس کی گنجی ہوتی ہوئی چاند پر کلے کی انگلی سے دائرہ بناتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" بڑی لمبی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"یہاں نہیں۔ دفتر میں آیا تھا کیشو نے مجھے کہا۔" دھرم کا چہرہ سفید ہونے لگا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"روپیوں کی ضرورت تھی۔"

"اوہ!" وہ پھر واپس لیٹ گیا۔ اس کی ضرورت کسی کو نہیں۔

"میں نے کہہ دیا صبح بینک کھلتے ہی بھجوا دیے جائیں گے۔"

"صبح کیوں؟ مجھے کہا ہوتا تم نے۔" وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

"ہلو..... کیشو..... فون آیا تھا، روپوں کا کوئی ذکر نہیں کیا"

"اماں پوری بات تو سنتے نہیں بوکھلائے دیتے ہو۔ مجھ سے کہا تھا روپوں کا۔ متھیں پوچھ رہی تھیں۔ تم اس لونڈیا میں مشغول تھے، میں کیا کہتا؟"

"یار چلو بور ہو گئے۔" دھرم نے اکتا کر کہا۔ رندھیر کا منہ اتر گیا

"کہاں جا رہے ہو۔ مجھے اتارتے جاؤ۔"

"دیکھیں منگلا کو کیا ضرورت آن پڑی۔ تم موٹر لے آنا۔ مگر میں نے پرسوں ہی نو ہزار دیے تھے۔ اتنی جلدی پھر ضرورت پڑ گئی؟"

"کیا ارادہ ہے؟" پورٹیکو میں موٹر روک کر دھرم خاموش بیٹھا رہا تو رندھیر نے پوچھا۔

"بڑی رات ہو گئی ہے۔ سو گئی ہو گی!"

"پھر؟"

"صبح روپے بھجوا دینا۔ دھرم نے لمبی سانس لی اور موٹر اسٹارٹ کی۔

"تمہارے ہاں چلیں؟"

"چلو مگر وہ بھتنی رات بھر لڑے گی، نیند حرام ہو گی۔"

"نیند آتی کس حرام زادے کو ہے۔"

"کیشو ہے نا گھر پر۔"

"اچھا تو کل جلدی آ جانا، گانے کا ریہرسل ہے۔"

"جلدی ہی لو۔"

جب موٹر آ کر رکی تو نہ جانے کیوں منگلا نے دم سادھ لیا اور پیروں کی چاپ پر کان لگا دیتے۔ موٹر پھر مڑ کر روانہ ہو گئی۔ قدموں کی چاپ نہ آئی۔ کوئی نہ آیا۔ کون آتا ہے۔ آہ بھر کے اس نے پھر آنکھیں موند لیں۔

اس بار اس نے رندھیر کو بیچ میں نہیں ڈالا۔ رندھیر کو اس کے دل کا حال کیا معلوم؟

اس نے کیشو کے آگے دل چیر کر رکھ دیا۔ اس طرح نہ وہ سوچ سکتا ہے

نہ فیصلہ کر پاتا ہے۔ یہ فلم بھی ڈوبے میں جائے گی۔

کیشو کے ہاں کسی نے سات پشت سے عشق نہیں کیا تھا۔ پندرہ سولہ برس کی عمر میں شادی ہو گئی جیسے وہ بغیر کسی چون و چرا کے نبھا رہا تھا۔ دنیا میں ہوتے ہیں ایسے بھی لوگ جنہیں نہ عشق کا شوق نہ سلیقہ۔ فلم لائن میں اس نے اتنی ٹھوکریں کھائیں کہ بھوسہ نکل گیا۔ اس کی ساری جوانی دولت کمانے کا کوئی ذریعہ تلاش کرنے میں لٹ گئی۔ دھرم کے ساتھ اُسے پہلی بار پیروں تلے زمین جمتی نظر آئی۔ اس کی سمجھ میں آج تک نہ آیا کہ عشق کیا ہوتا ہے جس کے پیچھے لوگ روپے کا نقصان کرلیا کرتے ہیں۔ روپیہ کمانے سے بھی زیادہ دلچسپ مشغلہ کوئی ہو سکتا ہے۔ ہاں عورت ہے۔ ایسی ہی جیسے روٹی ہے۔ چارپائی ہے، نہانا دھونا ہے، ٹٹی جانا ہے۔ اس میں ایسی قباحت ہی کیا ہے۔ جو قمیض ثابت ہوئی رہ ہین لی۔ کیسے کپڑے کی ہے۔ رنگ کیسا ہے یہ نہ اس نے کبھی دیکھا اور نہ سوچا۔ کوئی احمق دیکھ سکتا ہے۔

وہ بڑی ہوشیاری سے پہلے ہی وار میں امینہ سے ملاقات میں کامیاب ہو گیا۔

"کلر فلم ہے، پچاس لاکھ سے کم نہیں بیٹھے گا، بارہ گانے ہوں گے۔ یہ فنٹاسٹک بنے گی۔" اس نے فوراً بزنس شروع کر دی۔ "دو میں نے صاف کہہ دیا دھرم جی یہ پکچر گوڑنے کی نہیں اُسے تو آپ ہی بنائیں گے۔"

"اچھا؟" امینہ ذرا بھی مرعوب نہ ہوئی۔ مگر دل رکھنے کو کہہ دیا۔

"دو قسم سے کیا رول ہے۔ مدھوبالا تو بس تڑپ اُٹھی۔" اسے یاد بھی نہ ہا کہ مدھوبالا تو انارکلی بھی کی دیوار میں چن دی گئی۔ "حقیقتی کچھ ٹھیک ہے۔" اُس نے بات سنبھالی۔ "وہ مگر میں نے کہہ دیا یہ رول تو بس ایک ہی اسٹار کر سکتی ہے اور وہ اپنی زرینہ جی۔ تو بس آپ شام کو آکر کاسٹیوم کا ناپ دیدیجئے۔"

"وہ کون ہیں؟" امینہ بدذواقی پر اُتر آئی۔

"وہ ہیں ہیں۔" وہ بڑی دریادلی سے ہنسا۔ "وہ آپ سمجھتی ہیں ما امینہ جی وہ تو بچہ ہیں۔ آپ ہی سب کچھ ہیں، بزرگ ہوئیں نا!"

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ بہن تو ہوں، مگر وہ سب فیصلہ اپنی مرضی سے کرتی ہے۔ بات یہ ہے کیشو جی زرینہ کے پاس بالکل وقت نہیں۔ چھ پکچر ہیں۔

اور سب بڑے بڑے ہیرو بڑے میوزک ڈائرکٹر کی میں تو یتی نہیں، مدراس کے مین کانٹریکٹ میں اور تین کا آفر آیا ہے۔ اتنی فلموں میں کام کرنے سے مٹی پلید ہو جاتی ہے۔" اپنا بھی ننھے پردہ لٹکانے لگی۔ "ارے زرینہ تیار ہو جاؤ۔ تین بجے ہیں، ساڑھے تین بجے پکچر شروع ہو جائے گی۔" وہ اٹھنے کے لئے پیر سے چپل ٹٹولنے لگی۔

"اچھا کیشو جی۔"

"سنئے تو"، کیشو نے ریل چھوٹتے ہی دیکھ کر جلدی جلدی تیلیاں پھینکنا شروع کیں۔ "مرم کے دل کا سکون ہے تو کمپنی چلتی ہے۔ کمپنی چلتی ہے تو اسٹاف کی روٹی چلتی ہے۔" "وہ سب شرطیں ماننے کو تیار ہیں۔" اس نے پلندہ پھینک ہی دیا۔

"شرطیں۔"

"ہاں رندھیر جی سے بات ہوئی تھی نا فون میں۔" اس نے بڑی رازداری سے کہا۔

"اوہ...... ہوں۔"

"اب تو وہ مستقل پیڈر روڈ آ گئے ہیں۔ وہیں رہتے ہیں، آتے جاتے بھی نہیں۔"

"ہوں۔" وہ غوطہ مار گئی۔

کیشو کے سر میں خون ابلنے لگا۔ اچھی منیجری ہے کہ صاحب کے نائی بن کر پیغام لائے ہیں۔ جی چاہا دل کھول کر کھری کھری سنائے اور رستہ ناپے۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"میں...... سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا سوچوں، ایسا کیجئے آپ زرینہ سے بات کر لیجئے۔" وہ لپک کر زرینہ کو پکارتی اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر دونوں کھسر پھسر کرتی رہیں۔ پھر زرینہ سہمی ڈری پنجوں کے بل آئی۔ غم و اندوہ کی تصویر بنی کرسی کے کنارے پر ٹک گئی۔

"تمہیں تو اندازہ ہو گا زرینہ جی وہ اپنی زندگی سے اکتا گئے ہیں۔ کسی کام میں من نہیں لگتا۔ رات دن پیتے ہیں۔ اگر یہی حال رہا تو......" اس نے بڑے ڈرامائی موقع پر جملہ توڑا۔

زرینہ کی آنکھوں میں ساون جھوم آیا۔

"اگر انہیں کچھ ہو گیا تو ان کا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔"

زرینہ نے ایک سسکی لی اور ہرنی جیسی بڑی بڑی آنکھوں سے خلا میں گھورنے لگی جیسے دھرم کی ارتھی کا جلوس جا رہا ہو۔

"مگر دیدی" زرینہ نے آنچل سے منہ ڈھانک لیا اور لمبی لمبی سانسیں کھینچنے لگی۔

"ان کی فکر نہ کرو۔"

"کیسے ان کی فکر نہ کریں کیشو جی۔ تین بچوں کی ماں ہے۔ مذاق نہیں۔ آپ انہیں سمجھاتے کیوں نہیں۔ مدراس میں وہ اور رشمی کیا راس رچاتے ہیں۔ بڑے لوگوں کے بڑے شوق، پورے پورے وسکی کے کیس ایک رات میں ختم" زرینہ اٹھ کر بھاگ گئی۔ امینہ ساڑھی بدل کر آ گئی۔

"ارے جی ٹھکانے لگے گا تو یہ سب ختم ہو جائے گا۔"

"اچھا جی۔ یہ ٹھکانے لگنے کا نام نہیں لیتا۔ گھر میں تین بچوں کی ماں ہے۔ مدراس میں خانگیوں کی فوج ہے۔ باندرہ میں پدما دیوی ہیں۔ اور سترتیا دیوی الگ پیڈر روڈ کی رونق بڑھانے کو آتی جاتی رہتی ہیں۔"

"اور یہ سب کس کا قصور ہے" کیشو جی پھٹ پڑا۔ "وہ اتنی فلمیں بنائیں کبھی دیدی سے آدھی بات کی نوبت نہیں آئی۔ تمہارے آتے ہی سب بھسم ہو گیا۔"

"جانے دیجیے، آپ تو ایسی باتیں کر رہے ہیں جیسے دھرم جی کو جانتے ہی نہیں۔ آج زرینہ کے بہانے اپنی گنونتی کو چھوڑ رہے ہیں۔ کل کوئی اور نئی نویلی آنکھوں میں اتر آئی تو اسے چھوڑ کے اس کو سنبھالیں گے۔ کاہے کو بے زبان منگلا کا صبر سمیٹتے ہو۔" امینہ نرم پڑ گئی۔ "اور پھر وہی جھگڑا کھڑا ہو گیا تو آپ لوگ کیا کریں گے۔"

"کیسا جھگڑا؟" کیشو کا سر چکرا رہا تھا۔

"آپ یہ سب کچھ کمپنی کی خاطر کر رہے ہیں؟"

"آ...... ہاں...... ویسے دھرم کے بارے میں جو میں نے کہا وہ جھوٹ تھوڑی کہا۔ ان سے مل کر ان کی حالت تو دیکھو۔ تمہارا جی پگھل جائے گا۔"

"لیکن آپ کو تو کمپنی کی پڑی ہے۔ دیدی چپ چاپ سہہ لیں گی، پھر وہی میوزک سین اور پلے بیک سنگر گڑبڑ کریں گے۔ پھر گانوں کی مصیبت ہوگی۔"

کیشو بری طرح زچ ہو گیا۔ بے حد سٹپٹا گیا۔ "نہیں شاید اب کے کچھ

نہ ہو۔" اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"اور ایک شاید کے بھروسے پر آپ اتنا بڑا جوا کھیل رہے ہیں۔"

کیشو کے جانے کے بعد زرینہ نے جھانکا۔

"گیا؟" اس نے شرارت سے آنکھیں جھپکائیں۔

"ہاں گیا۔ حرام زادہ، سور کا بچہ کمینہ کہیں کا! اس "بے" کی دلالی کرنے چلا ہے۔ سب کی روزی لگی ہے نا، اس لیے مسکہ لگاتے ہیں۔ اس کی پیٹھ ٹھوکتے ہیں۔ بونس دیتا ہے۔ نا تو کیا اس کی ناز برداریاں کرتے ہیں، جو کل کو دیوالہ نکل جائے تو کوڑی کے تین کوئی نہ پوچھے۔ سب اُسے چھوڑ کے کسی دوسرے تازہ دم کی پونچھ سے ٹنک جائیں گے۔

زرینہ دور جانے کہاں چلی گئی تھی۔

"کیا سوچنے لگیں؟" امینہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ کلر میں ہے فلم!"

"کیا ارادے ہیں؟"

"کچھ نہیں امینہ آپا کچھ بھی تو نہیں۔" اس نے منہ پھیر لیا۔

"مدراس کی دونوں فلمیں کلر میں ہیں۔ یہاں کی بھی تینوں کلر ہوں گی۔"

"دھت، مدراس کی فلمیں ڈھول ڈھماں کے سوا ان میں ہوتا ہی کیا ہے۔ سارے وقت کیمرہ دلیپ کمار جی پر رہے گا۔ وہی گائیں گے ناچیں گے، کودیں گے۔ ہم ایک کونے میں دانت نکوسے کھڑے رہیں گے۔"

"تو یوں کہو نا صاف صاف نیت خراب ہو رہی ہے۔"

"نیت تو اس رول پر ہمیشہ سے خراب تھی۔"

"اور رول کے ساتھ جو بیچ لگی ہے وہ۔"

"وہ تم نے لگائی ہے۔"

"زرّی میں شام کی گاڑی سے جارہی ہوں۔"

"بس دھمکیاں دینے لگیں؟ آپا۔ . . . . میری جان غصہ نہ کر — تجھ سے خفا ہو کے کیسے جیوں گی۔" زرینہ اس کے گلے میں جھول گئی۔

"زرینہ سچی سچی بتائے گی؟" امینہ نے بڑی احتیاط سے پوچھا۔

"پوچھو تو" زرینہ چہک کر بولی۔

"اگر ایسی بات تھی تو پہلے بیکار کا کیوں طوفان اُٹھایا۔

"انیل کا کانٹریکٹ وعدہ کیا اور مکر گئے۔"

"تو نے کہا ہوتا۔"

"باپ رے۔ وہ زور کا تھپڑ مارتے کہ طبیعت ہری ہو جاتی۔" امینہ بڑی حسرت سے اُسے دیکھنے لگی۔ پھر اسے گود میں گھسیٹ لیا۔

"کیا وہ نامراد گورو بھی تھپڑ مارتا تھا۔"

"ہاں۔" زرینہ نے سر ہلا دیا۔

"خدا غارت کرے ان سبھوں کو۔ ان کی قبر میں کیڑے پڑیں۔ تو اُس کمبخت سے ڈرتی ہے۔ پھر بھی اس مردوئے پر مٹی دھری ہے۔"

"مردوئے کو تو میں نہیں جانتی، ڈائریکٹر پہ مٹی دھرتی ہوں۔"

"اس میں اور حرام زادے گورو میں کیا فرق ہے؟"

"فرق تو کچھ بھی نہیں۔ آج میں جو کچھ ناچ لیتی ہوں وہ اُسی نے سکھایا اُس کے آگے کوئی بھی نہ سکھا سکا۔ جیسا رول میں نے "پورنما" میں کیا ہے، کبھی نہ کر سکوں گی۔ نہ "ترشنا" کی گلابی پھر پیدا ہو گی۔

"اور جو گورو دکشنا دینی پڑی اس کا تجھے کوئی دُکھ نہیں؟ کوئی شرم نہیں۔"

"جب تھپڑ لگتا ہے تو دکھ ہوتا ہے پھر مٹ جاتا ہے۔"

"لٹنے کے بعد عزت واپس نہیں ملتی۔"

"مگر آپا تم ہی تو کہتی ہو سب سے کہ لوگ بکتے ہیں۔ جھوٹ اڑاتے ہیں دولھا بھائی کو تم نے قائل کر دیا تھا کہ نہیں کہ فلم لائن میں کسی کے پاس سرٹیفکیٹ ہے کہ عزت لٹی یا نہیں۔ ویسے بھی دُنیا تو ایکٹریس کو بدکار ہی کہتی ہے۔

"زری تو نے ناحق فلم لائن پکڑ لی تو تو اول درجے کی وکیل بن سکتی تھی۔"

۱۳

صبح جب کیشو نے روپے لاکر دیے تو وہ رات کا واقعہ بھول بھی چکی تھی۔

"یہ روپے کیسے ؟"

"رات بولا تھا نا ر ندھیر جی سے"

"اوہ۔ ہاں" بغیر گنے اس نے روپے کشن کے نیچے سرکا دیے۔

"رات بہت دیر تک کام چلتا رہا۔ گراؤنڈ پلان بناتے رہے۔ کل رہے نا پھر رندھیر جی کے ساتھ اسکرپٹ پر کام کرتے رہے"

"پدما کے ہاں ؟" منگلا نے رکھائی سے کہا۔ رتنا اُسے صبح ہی فون پر بتا چکی تھی، اس کی سہیلی کی سہیلی بھی گئی تھی۔ وہ گندا اچھلا ہے کر تو یہ ارمتی ابھی تک لاپتہ ہے۔ اس نے ایک اور فلیٹ چھپ کے خریدا ہے مگر جاتا کہاں ہے، اس کا بھی سراغ لگ جائے گا۔ یہ لفنگے سمجھتے ہیں وہ کچھ نہیں جانتی۔

"ہیں ہیں ہیں" کیشو کھسیانہ ہو گیا۔ بابا پوری جادوگرنی ہے۔ اُس نے سوچا۔

اس کے جانے کے بعد ہارمونیم گھسیٹ کر دھنیں گنگنانے لگی۔ ہزاروں گیت امڈ پڑے۔ وہ گیت جو اُس نے دھرم کے کان میں املی کے پیڑ کی چھایا میں گنگنائے تھے۔ کس پیار اور ارمان سے وہ دھرم کے لئے گایا کرتی تھی۔ وہ پاس لیٹ جاتا۔ اس کا ہاتھ کمر میں شرارتیں کیا کرتا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ دھونکنی چلاتا جاتا۔

جب وہ کوئی بہت ہی سریلا ٹکڑا الاپتی تو وہ اس کا سر جھکا کر ہونٹوں کو چوم لیتا۔ ہارمونیم چپ ہو جاتا۔ لب گنگ ہو جاتا اور دلوں کے ساز گونج اُٹھتے۔ پھر گیتوں میں اور بھی رس آجاتا۔ کتنا مزہ تھا ان ریہرسلوں میں۔ دھرم تو پیار کو بھی ریہرسل کہا کرتا تھا۔ دھڑسے سب کے سامنے کہدیتا۔

"بھئی ہم لوگ جارہے ہیں۔ ریہرسل کرنا ہے" اور منگلا شرم سے پانی ہو جاتی۔

صدیاں بیت گئیں ریہرسل کئے، جگ بیت گئے ساز دل گونگا پڑا ہے۔ کلیجے میں ایک ہوک سی اُٹھی۔ ہاتھ بڑھا کر رم کی بوتل اُٹھائی، نہار منہ کئی گھونٹ حلق سے اُتار لئے۔ جب کلیجے کی جلن کم ہوئی تو اُس نے ٹیلیفون اُٹھایا۔

"فریدہے۔ میں مسز دھرم دیو بول رہی ہوں"

"اچھا اچھا، کہیئے مزاج تو اچھا ہے" فریدہ کا باپ نذیر بول رہا تھا۔

"جی، وہ فریدہ نے کام کے لئے کہا تھا"

"ہاں دھرم صاحب نے وعدہ تو کیا ہے"

"میں شری ساؤنڈ جارہی ہوں۔ نداجی کی ریکارڈنگ ہے۔ ان کی پکچر میں ایک رول ہے"

"اچھا اچھا۔ دیکھئے وہ نہار ہا ہے۔ میں ابھی اُسے بھیجتا ہوں۔ عنایت ہے آپ کی"

"کوئی بات نہیں، میں خود کوئی پندرہ منٹ میں آتی ہوں"

"اچھا اچھا بس تو وہ تیار رہے گا"

منگلا نے بڑا سا پیگ بنایا اور ہارمونیم دور سرکا کر بیٹھ گئی۔ آیا سے اس نے ساڑھی منگائی اور دوسرا پیگ بنایا۔ پھر ساڑھی پہننے لگی۔

"اوہ سوری" فریدہ اونٹ کی طرح منہ اٹھائے چلا آرہا تھا۔ اُسے دیکھ کر پلٹا۔

"ارے جاؤ۔۔۔۔ آؤ نا" اُس نے ساڑھی کا پلو کندھے پر ڈال لیا۔

"میں نے سوچا شاید آپ بھول گئیں۔ اس لئے" فریدہ بے تکلف سے آ بڑھا۔

"ابھی ذنت ہے۔ ذرا پیچھے سے میری ساڑھی تو ٹھیک کر" ہمیشہ بچپن میں وہ اس سے یہی فرمائش کیا کرتی تھی۔

فرید اُکڑوں بیٹھ کر ساڑھی درست کرنے لگا۔

"ارے بدھو۔۔۔۔ بس۔۔۔ اوہ" وہ پھر ساڑھی کھول کر باندھنے لگی۔ فرید کچھ کھسیانہ سا بیٹھا رہا۔ منگلا کو پھر اُس کے ہونٹ لپ اسٹک لگے ہوئے معلوم ہوئے اور اُسے ہنسی آگئی۔ آج خود بخود حلق میں ہنسی گنگنا رہی تھی، فرید کا منہ لال ہوگیا۔ اُس نے کشن اُٹھاکر گود میں رکھ لیا۔ اور اُس پر گھونسے مار کر ہنسنے لگا۔

کشن کے نیچے روپے دیکھ کر اُس کا منہ فق ہوگیا۔

"کیا منہ پھاڑے دیکھ رہا ہے۔ کبھی روپے نہیں دیکھے اڈیٹ!"

فرید احمقوں کی طرح ہنستا رہا۔

"چاہئیں؟"

"نہیں" فرید نے سر ہلا دیا۔

"کیوں؟ روپیہ نہیں چاہیئے؟" منگلا نے پوچھا۔

"چاہیئے"

"تو پھر لے لو"

"نہیں"

"کیسا پاگل لڑکا ہے۔ میں خوشی سے دے رہی ہوں"

فرید نے بڑے تکلّف سے چٹکی میں ایک نوٹ پکڑا۔

"بس"

"تھینکس" اور بھی لال ہوگیا۔

"کیا خریدنا ہے"

"اسکیٹس خریدنا ہیں؟ مجھے بھی مارکیٹ جانا ہے۔ موٹر چلانی آتی ہے؟"

"ہاں"

"بابا تو کہیں لڑا تو نہ دے گا"

"نہیں، بڑی فرسٹ کلاس چلاتا ہوں دیدی"

"تو چلو۔" کل آنٹی کہہ رہا تھا۔ آج ویدی پر اُتر آیا۔ لڑکا تیز ہے۔
ریہرسل کے بعد اُس نے فرید کو نند اجی سے ملایا۔ انہوں نے کہا رول کے لئے بڑا اَنٹ بیٹھتا ہے ٹیسٹ بھی لے لیں گے۔
"اگر دھرم جی . . . . . ." فرید نے موٹر میں واپس ہوتے وقت کہنا چاہا۔
"ارے ہٹاؤ دھرم جی لڑکوں کو چانس نہیں دیتے۔ وہ خود ہیرو ہیں۔ انھیں ہیرو کی کیا ضرورت ہے۔"
"سائیڈ ہیں۔"
"کیا سائیڈ میں مٹی خراب کرنا۔ اگر ہیرو بننا ہے تو ان کے پاس جانا بیکار ہے۔"
فرید اُداس ہو گیا۔ منگلا کو اس پر بڑا ترس آیا۔
"اور بھی پروڈیوسر ہیں جو نئے لڑکوں کو چانس دینا چاہتے ہیں۔ شام کو امرناتھ سے اپوائنٹمنٹ ہے۔"
"ان سے میرے لیے کہیں گی۔"
"کہہ دوں گی۔ ارے ہاں، رات کو پرتیبھا کے جانا ہے۔ چلو گے؟"
"ہاں۔" فرید نے دانت نکال دیئے۔ منگلا نے نذیر صاحب کو فون کر دیا۔
"نذیر صاحب میں فرید کو پریمیر پہ لے جاؤں۔"
"شوق سے آپ کا پیسہ ہے۔"
"وہاں سب ہی لوگ ہوں گے۔ مدراس کے پروڈیوسر بھی ملیں گے۔ شاید کہیں ہو جائے۔"
"مہربانی، بڑی مہربانی جی۔"
اسسٹنٹ فلم تھی۔ بیحد بھونڈی سی مگر منگلا نے اس کے گانے گائے تھے۔ کلائمیکس تھی، مدراسی تھی اس لئے مجمع اچھا تھا۔ فرید نے اس قدر قہقہے لگائے کہ منگلا کو بھی ہنسی آگئی۔ حالانکہ اس کے گانوں کا ریکارڈنگ میں کافی ناس لگ گیا تھا۔ فرید کی ہنسی کے جراثیم بڑے زبردست تھے۔ اتنے قہقہے پچھلے کئی مہینوں میں نہیں لگائے ہوں گے جتنے ڈھائی گھنٹے میں لگا لئے۔ فرید فلم کو دیکھ رہا تھا۔ اور وہ فرید کو دیکھ رہی تھی۔
واپسی پر منگلا نے ضد کی کہ بغیر کھانا کھائے نہ جانے دے گی۔ پہلے ددود

پیگ ہو جائیں اتنے میں کھانا گرم ہو۔ فرید نے ڈٹ کر پی۔ اتنی پی کہ ہوش نہ رہا۔ منگلا نے سو روپے معہ سود کھول پائے۔

جب عورت ڈینے پر آتی ہے تو تن من دھن دونوں ہاتھوں سے لٹا دیتی ہے۔ منگلا چوٹ کھائی ناگن کی طرح پلٹ کر خود ہی کو ڈسنے لگی۔ اس کے شوہر نے جو اس کا عاشق بھی تھا معشوق بھی، اس کی نسوانیت کو ٹھکرایا تھا۔ اس کے پیار کی توہین کی تھی۔ اس کی کلا کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ کبھی اس کی آواز لگ ہی کروں میں گونجا کرتی تھی، خود کو ساری دنیا پر چھایا ہوا محسوس کرتی تھی۔ اب اس کے گانے شاذ ہی ریڈیو پر سنائی دیتے۔ دنیا نے اسے زندہ ہی دفن کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اس کفن دفن میں دھرم کا ہاتھ سب سے آگے تھا۔ اپنی فلموں کے لیے اسے مخصوص کر کے پھر ایک دم دو کوڑی کی ایک لڑکی کی خاطر اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا، کاش وہ صرف ایک گرہستن ہوتی، لوگوں نے اس کی پرستش نہ کی ہوتی اس کی آواز پر سر نہ دھنے ہوتے تو وہ اپنے بچوں کے پیار اور گھر بار کی دلچسپیوں کو ہی سب کچھ سمجھتی، نہیں اس کے منہ کو تو شہرت کا خون لگ چکا تھا، انسان کتنی ترقی کر چکا ہے۔ پھر بھی اپنے جذبات اور احساسات کے ریلے میں بہہ جاتا ہے۔ کاش وہ اتنی حساس نہ ہوتی۔ ایک گرہستن کی طرح چپ چاپ آنسوؤں سے تکیے بھگوتی اور اس وقت کا انتظار کرتی جب اس کا گمراہ شوہر اچھل کود سے شل ہو کر خالی بوتل کی طرح اس کی باہوں میں لڑھک آئے گا۔

شریف مرد تو آوارہ ہوتے ہیں۔ شریف عورتیں اگر کھل کھیلنے پر تل جائیں تو سماج کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ آوارہ اور بدمعاش لوگ اپنا دل او باتش رنڈیوں کو دیتے ہیں۔ مگر دماغوں میں پاکباز بیویوں کی عزت بھر ہی ہوتی ہے۔ جان وہ میوا پر دیتے ہیں۔ مگر ماتھا ستی ساوتری کے سامنے ہی ٹیکتے ہیں۔ وہ اپنے کمینے پن کے معترف ہیں۔ مگر اپنی ماؤں، بہنوں بیٹیوں کو دنیا کی عزت اور آبرو کا امانت دار سمجھتے ہیں۔ اپنی فلمی زندگی کی گندگیوں سے دور رکھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے وہ دوسری غلاظتوں سے دوچار ہو جائیں۔ ویسے فلم والے بدنام ہیں۔ اور ان کی بات اچھالی بھی بہت جاتی ہے۔

منگلا نے جو کچھ کیا وہ کوئی نئی بات نہیں، ایک مرد کی ٹھکرائی ہوئی عورت نے دوسرے کی باہوں میں سکون تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسا بمبئی کے لاکھوں گھروں میں ہو رہا ہے۔ اور ہوتا رہے گا۔ دھرم اور زرینہ کے قصّہ پر بھی لوگوں نے چہ مہ گوئیاں کی تھیں۔ چٹخارے لے لے کر تفصیلیں بیان کی تھیں یہ بڑی عام سی بات ہے۔ نوجوان فلم اسٹار اور ڈائرکٹر کا ایک دوسرے پر دل آجانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بلکہ اگر ایسا نہ ہو تو بے شک تعجب ہو سکتا ہے۔

منگلا کوئی گری پڑی ایکٹریس نہیں تھی۔ اس کی ان حرکتوں سے مشرقی پتی ورتا کے مثالی عکس پر دھول پڑنے کے علاوہ یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں اُس جیسیوں کو شہہ نہ مل جائے۔ اچھے بھلے شریف گھرانوں میں کیچڑ اچھلنے لگے گی۔

منگلا اپنے زخمی وجود پر مرہم رکھنے کے علاوہ کچھ اور بھی چاہتی تھی۔ وہ خود اپنے آپ کو اور دنیا کو اس بات کا یقین دلانا چاہتی تھی کہ وہ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ لوگ اسے کل کی بات نہ سمجھیں۔ وہ فرید کو فلم کا ہیرو تو نہ بنا سکی اپنے دل کا ہیرو تو بنا ہی لیا۔ اُس کے لئے کارمائیکل روڈ پر ایک شاندار بنگلہ سجا دیا۔ نئی کرائسلر اُسے بخش دی۔ خود چھوٹی گاڑی رکھ لی۔ پھر اُس نے ضد کی تو سفید ایم۔ جی بھی دلا دی۔

چیل کوّے منڈلانے لگے۔ کسی عقلمند نے رائے دی کہ اگر فرید کو ہیرو بننا ہے تو بڑی آسانی سے بن سکتا ہے۔ کیوں نہ ایک پروڈکشن کمپنی کھڑی کر دی جائے۔

منگلا کمپنی کے نام پر اچھل پڑی۔ یہ بات اُسے پہلے کیوں نہ سوجھی۔ فرید کچھ کم نہیں بلکہ دھرم کے مقابلے میں کم سن اور زیادہ ہینڈسم ہے۔

بس پھر کیا تھا، فرید کا نفیسٹ پروڈکشن آفس بن گیا۔ اتنا میوزک تو منگلا کو آتا تھا۔ وہ خود ہی میوزک دے گی۔ کہانیاں سنی جانے لگیں۔ ڈسینس بننے لگیں۔ دھرم اپنی نئی فلم میں جٹا ہوا تھا۔ نام ایک پرانے گمنام ڈائرکٹر کا دیدیا تھا۔ مگر کرتا دھرتا دھرم اور رندھیر ہی تھے۔ وہ رنگین فلم فی الحال نہیں بن رہی تھی۔ ایک پرانی فلم کی کہانی کے حقوق خرید کر اسے نئے کپڑے لتّے پہنائے جا رہے تھے۔ پرکاش جی کا نام ڈائرکشن میں دے دیا تھا۔ وہ اسی پر مطمئن تھے۔ ورنہ فلم

لائن تو انھیں بھول بھال چکی تھی۔ "پورنما" کے بعد ست نرائن جیسے پھیر سے چمک گئے تھے۔ ایسے ہی پر کاش جی کی کایا کلپ کی امید تھی۔ زیادہ تر وہ ایک کونے میں بھرے کی نوٹانک مارے اونگھا کرتے تھے۔ اسٹارٹ یاکٹ کی آواز پر چونک پڑتے۔ چٹکیوں سے پتلون پکڑ کر اوپر کھسکاتے۔ جیب سے پلاسٹک کی پاؤچ اور کاغذ نکال کر سگریٹ بٹنے لگتے۔ ڈانڈا کے میخانوں میں جب وہ اپنے لونڈوں کے گروہ میں اندھوں میں کانے راجہ بنے بیٹھے ہوتے تو ان تمام معرکے کے "وو شاٹوں" کو بڑی تفصیل سے سمجھاتے جو ابتداً ان کے انھوں نے زیر تکمیل فلم "دھمکی" میں لئے تھے۔ دھرم اور رندھیر ان شاٹوں کی بوٹی پر لوٹ گئے۔

بڑی بے تکلفی سے فلم بن رہی تھی۔ دو ہیروئینیں تھیں۔ ایک کا بازار ٹھنڈا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ دوسری جو کمسن تھی ابھی اس کا بازار گرم ہونا شروع نہیں ہوا تھا۔ دھرم کا شمار باوجود ہٹ فلموں کے بوٹی کے فلمستاروں میں نہیں ہوتا تھا۔ فلم کی رپورٹ بہت ٹھنڈی تھی۔ دھرم کے دل کو کوئی چیز نہیں بھاتی تھی۔ پہلے تو مکالمہ نگار کا پتہ کٹا۔ رندھیر نے اتنی ہٹ فلمیں لکھی تھیں، انہی نے مورچہ سنبھالا۔ مکالمہ نگار نے اپنا معاوضہ طلب کیا۔ یہ بات دھرم کو ناگوار گزری۔ وہ تو جسے چاہتا کان پکڑ کر باہر کرتا۔ کسی کی مجال نہیں تھی جو چوں بھی کر جاتا۔ مگر یہ مکالمہ نگار ویسے ہی پٹا ہوا تھا۔ دھرم کے ہاں سے کٹ جانے کے بعد اور بھی نقصان کی گنجائش تھی۔ معاوضہ مل جائے یہی غنیمت ہے۔ کام کی تو کوئی خاص امید نہیں۔ اس نے فلم رائٹرز ایسو سی ایشن میں جا کے عرضی ٹھونک دی۔ لے دے شروع ہوئی۔ دھرم نے معاوضہ دینے سے انکار کر دیا۔ اُسے کام پسند نہیں آیا تو پھر معاوضہ کیسا؟

یہ فلم انڈسٹری میں اکثر ہوتا ہے۔ دس پندرہ کہانیاں سنیں، دس بارہ فلمیں دیکھیں، تھوڑا یہاں سے لیا، تھوڑا وہاں سے، ملغوبہ تیار ہو گیا۔ کوئی بھی سستا سا پلکھک پکڑا اور لکھوالی کہانی۔ سستی بھی اور بہت سی کہانی کا۔ دل کے و ماغوں کا نچوڑ بھی۔ چند ہوشیار پروڈیوسر گانوں کے معاملے میں بھی یہی کرتے ہیں چھ سات سے ایک سچویشن پر گیت لکھوایا، ناپسند کیا، پھر سب سے سستے گیت کار سے ان گیتوں کی مدد سے بالکل اچھوتا گیت لکھوا لیا۔ ظاہر ہے یہ حرکت ان کہانی کار

اور گیت کار سے نہیں کر سکتے۔ جس کی بازار میں مانگ ہے اور جس کا نام بکتا ہے۔ وہ نمونے کے گیت یا مکالمے لکھ کر نہیں دکھاتا۔ بس اپنے نام کے بل پر سودا کرتا ہے،
کہانی کار کے بعد گیت کار سے بھی جھگڑا ہو گیا۔ دو سیٹ ہو چکے تھے پھر ایکدم دھرم اُدب کر اُسے بدلنے پر تل گیا۔ دو چار ریلیں تیار تھیں انہیں دیکھا گیا کہ نئی کہانی میں یہ سین چپکائے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ پتہ چلا کہ بڑی آسانی سے دو گانے تو چاہے کامیڈی میں ڈالو چاہے ٹریجڈی میں اور چاہو تو ڈریم سیکوینس بنا دو۔ بس شروع اور آخر میں جوڑ دو کہ یہ خواب تھا۔ دو چار پاسنگ تھیں۔ دو سین کامیڈی کے تھے۔ جو ہر فلم میں فٹ بیٹھ سکتے تھے۔ اب کہانی کی پھر سے ڈھنڈیا پڑی۔ پرانی ہٹ فلموں کو پھر سے ردوبدل کر کے کھڑی بنایا جائے۔ بالکل آزمودہ نسخہ ہے اور پر سے نئے اسسٹنٹ، کار کی ریس، کشمیر کے مناظر ڈال دیئے جائیں، وجہ نہیں کہ کامیابی قدم نہ چومے۔

پرانی فلمیں دیکھ کر پرانے کھرنڈ پھر سے اکھڑ گئے۔ یہ تو کسی نے سوچا ہی نہ تھا۔ فلمیں دیکھ کر دھرم کو پھر دورے پڑنے لگے۔ بہت دن سے باندرہ کی مسجد کا ذکر نہیں ہوا تھا۔ نئی فلم کے جھگڑوں میں دل کے پھندے فراموش کر دیئے تھے۔
"اماں ہٹاؤ بھی!" دھرم نے اکتا کر ٹال دیا۔ فلمیں دیکھ کر اس کا دل بھی بیٹھنے لگا۔ نہیں اب اس معرکے کی فلمیں نہیں بنیں گی۔ ہر چیز پہلے سے ہزار گنا مہنگی ہو گئی ہے اسٹوڈیو کے کرائے، خام مال جو زیادہ تر بلیک مارکیٹ ہی میں ملتا ہے۔ یہ فلم حاصل کرنے کا بھی خوب لطیفہ ہے۔ سیٹھ صاحب کوئی آنکھ کا اندھا، گانٹھ کا پورا نہ پا کے کس جتن سے نہ جانے کس کس کا گلا کاٹ کر پیسہ لایا۔ چڑیا پھنسی، کمپنی رجسٹرڈ کروائی، پارٹنر شپ ہوئی۔ اب خام فلم یوں بازار میں نہیں ملتا۔ اس کے لئے پرمٹ لینا پڑتی ہے۔ اس پرمٹ کو حاصل کرنے کے لئے خرچ دکھانا پڑتا ہے۔ اور خرچ دکھلانے کے لئے جھوٹی رسیدیں تیار کرنی پڑتی ہیں۔ یہ رسیدیں پرمٹ کے علاوہ اور بہت سی جگہ کام آتی ہیں۔ بلیک منی ان رسیدوں کے ذریعے سے ہی رجسٹر میں درج کی جاتی ہے۔ لوگوں کی سہولت کے لئے جھوٹی رسیدیں دینے والے موجود ہیں۔ جو صرف ان رسیدوں کا دھندا کرتے ہیں۔ جتنے روپے کی رسید جس تاریخ کی چاہیں مل جائے گی۔ اسی تاریخ

کا اسٹامپ لگا ہوا۔

خیر جب پرمٹ ملتی ہے تو اکثر پڑیا کسی ہوشیار شکاری کے پنجرے میں پہنچ چکی ہوتی ہے۔ پارٹنرز میں بھڑ اپی کر جو تم بیزار ہو چکی ہے۔ وہ طرح دار چھوکری جو جڑیا بھنوار رہی تھی، امانت میں خیانت کر گئی۔ اور یا تو پارٹنر سے سے پھنس گئی۔ یا فنانسر کو پھانس بیٹھی۔

فلم کمپنی ٹھپ ہو گئی۔ پرمٹ رہ جاتی ہے۔ وہ پرمٹ بڑے داموں پر بک چکی ہے۔ خام فلم کے علاوہ ہر چیز ہی پہنچ سے باہر ہو چکی ہے۔

"یار نام تباؤ کوئی اچھا سا۔" دھرم نے رندھیر سے پوچھا۔

"نام..... کس کا؟"

"ہمارا..... باندرہ مسجد..... وہاں نام بدلنا ہوگا۔"

"باندرہ مسجد — اوہ!" اس نے بے حد گندی گالی بکی پھر سہم گیا۔ مسجد کے ذکر مبارک کے ساتھ مغلظات!

"کوئی بالکل نیا نام ہونا چاہیے۔" دھرم آنکھوں میں رس گھول کر مست ہو گیا۔

"شکورا! گھسیٹے خاں، دھومی خاں یار یہ اچھا رہے گا۔" رندھیر جل گیا۔

"بکواس، اچھا سلیم کیسا رہے گا۔؟"

"سلیم..... اور انارکلی!"

"زور دار تھیم ہے۔ کلر میں..... اسٹارنگ..... زرینہ سلیم!"

رندھیر نے ایک لمبی سی آہ کھینچی!

اگر انڈسٹری کی اتنی بری حالت نہ ہوتی تو وہ دھرم کی صورت پر تھوکتا بھی نہیں۔ پانچ سال پہلے اگر کوئی دوسری شاخ پکڑلی ہوتی تو آج اس خبطی کے پیچھے بھی کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ ویسے بمبئی فلم انڈسٹری کی قبر کی زمین تو اس وقت ہموار ہونا شروع ہو گئی تھی۔ جب مدراس کی فلم "چندر لیکھا" نے پورے ملک میں جھنڈے گاڑ دیئے۔ اس وقت بمبئی والے اپنے آپ کو بے حد انٹلکچوئل سمجھے بیٹھے تھے۔ بنگال فلم انڈسٹری دم توڑ چکی تھی۔ اور وہاں کے فلم اسٹار اور ٹیکنیشین تیزی سے بمبئی کی طرف

بھاگ رہے تھے۔ بمبئی سے زیادہ اُس وقت پونا میدان میں تھا۔ پربھات، زینگ، چترپٹ، شالیمار پکچرز بڑے زور شور سے فلمیں بنا رہے تھے۔ بمبئی ٹاکیز سے دیوکا رانی جا چکی تھیں۔ مگر اشوک کمار اور شوک واچہ نے پھر سے اُسے زندگی بخش دی تھی۔ مجبور۔ ضدی، مشعل اور بادبان جیسی کامیاب اور ستھری فلمیں بن رہی تھیں۔ ایس مکرجی اور رائے بہادر چنی لال بمبئی ٹاکیز سے ناطہ توڑ کر فلمستان کی بنیادیں مستحکم کر چکے تھے۔ ناستک، جاگرتی، سیندور کے معیار کی فلمیں بن رہی تھیں۔ کاردار، داستان اور محبوب انداز دے رہے تھے۔ شاہد لطیف نے ضدی اور آرزو کے لعد بزدل پیش کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ بنگال اسکول کو ماننے والے ابھی زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔

کیدار شرما نے سہاگ رات بنا کر اور پھر بمل رائے نے ایک کے بعد ایک معیاری فلمیں دے کر یقین دلا دیا کہ بنگال صرف بنگال ہی میں نہیں ملک کے کسی کونے میں بھی بسایا جا سکتا ہے۔ مگر "چندر لیکھا" کی طلسمی کامیابی نے بمبئی فلم انڈسٹری کی چولیں ہلا دیں۔ پونا فلم انڈسٹری بمبئی کی طرف رُل گئی۔ پربھات میں تالہ پڑ گیا۔ شالیمار پکچرز کے ڈبلیو۔ زیڈ احمد ہجرت کر گئے اور نوینگ چترپٹ کا دیوالہ نکل گیا۔

"چندر لیکھا" کے بعد "نشان" اور پھر "منگلا" بھی ہٹ ہو گئیں۔ مار دھاڑ تلوار بازی، راجہ رانی، فوج اور لاتعداد جوان لڑکیاں، بے پناہ رقص، گانوں کی بھرمار ان فلموں میں کیا نہیں تھا؟

اب تو ذرا بمبئی والے کسمسائے۔ ہر ایک نے دھوم دھام کی فلم کے منصوبے بنائے۔ کے آصف نے "مغل اعظم" شروع کر دی۔ کمال امروہوی "پاکیزہ" بنانے لگے۔ راج کپور نے برسات، آوارہ، شری چار سو بیس دے ماریں دیں۔

سیدھی سادی فلموں کی تو میا مر گئی۔ پھر بھی فلمیں بنتی رہیں۔ پانچ چھ لاکھ میں اچھی ... درجے کی فلم بن جاتی تھی کہ اچانک مدراس کی فلمیں لڑھکنا شروع ہوئیں۔ راجہ رانی، توپ بندوق، ہاتھی گھوڑے سب چیت ...!

کسی بوجھ بجھکڑ نے سمجھایا کہ اصل میں مدراس کی یہ ونری ہیرو نہیں اور گواں گیا ہیرو نہیں پنپ پایا گئے کیوں نہ بمبئی کی پریاں اور گلفام شہزادے اڑا لیے جائیں۔

جب دلیپ کمار کے لئے مدراس سے آفر آیا تو اس نے کہا "جنت میں دو ہنٹر والی" کے معیار کی فلموں میں کام نہیں کروں گا۔" دلیپ کمار کی اس وقت کئی فلمیں ناکامیاب ہو چکی تھیں۔ اس کی اداکاری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی مگر لوگ اسے لے کر ڈوبنے کو تیار نہیں تھے۔ پھر بھی وہ جو نتن بوس کا چہیتا تھا۔ تیز تلوار، بم پٹاخوں کے تصور سے ہی بدکنے لگا۔ اور پھر جنوب کی ہیروئن کی مقدار کو اس کا ہاضمہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

پروڈیوسر نے بیچ میں بابو راؤ پٹیل کو ڈالا۔ دو لاکھ نقد قدموں میں رکھا۔ ہیروئن اور کاسٹ جو حکم! ایک طرف اصول دوسری طرف دو لاکھ کا کنٹریکٹ سائن کرتے وقت، بمبئی کا پروڈیوسر چار ریل کے بعد پیسے کی بات کرتا ہے۔ گھسٹ گھسٹ کر فلم بناتا ہے جو کوڑا ثابت ہوتی ہے۔ پیسوں کی ادائیگی سے پہلے ہی دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ فلمساز بنگال کے بھی تھے۔ معیاری فلموں ہی میں کام کرتے تھے۔ کہاں گئے؟ کچھ ریٹائر ہوئے کچھ بنگالی فلمیں بناتے ہیں۔ ایک محدود مارکیٹ کے لئے اور کچھ بمبئی آئے۔ جو یہاں نہ پنپ سکے۔ کچھ واپس ہو گئے کچھ چھوٹے رول کرنے لگے۔

"دو ایک فلم بناؤ، روپیہ سمیٹو پھر آرٹ کی خدمت کرو جی بھر کے۔" بابو راؤ پٹیل نے رائے دی۔

اور دلیپ کمار نے لے لی۔ دھڑا دھڑ ہٹ فلمیں بننے لگیں۔ اب ہر فلمساز مدراس کے کانٹریکٹ کو زندگی کا سہارا سمجھنے لگا۔ مدراس نے وہ معاوضے دیئے جو بمبئی والوں کی حیثیت سے میل نہیں کھاتے تھے۔ مگر پھر فلمستار نے مدراس کی مقرر کی ہوئی قیمت کا مطالبہ کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا وہی دینے کو تیار ہو گیا اور انڈسٹری کی قبر بڑے دھوم دھام سے کھدنے لگی۔ آج بمبئی کا پروڈیوسر چند کو چھوڑ کر دیوالیہ ہے۔ بھیک مانگ کر پروڈیوسر ان قسطوں پر صرف جینے کے لئے فلم میں ٹکا ہوا ہے۔ اب اس کے لئے دوسرے کون سے دروازے کھلے ہیں؟

اور دھرم کا ول اپنی فلم سے کھٹا ہونا شروع ہوا۔ بہت چھان بین اور کاٹ چھانٹ کے بعد پھر وہی پٹی پٹائی کہانی بننے لگی۔

ایک وہ نیل ونہار تھے جب گھروالی سیتاجی کا اوتار تھی۔ دربار میں زینہ جیسی اپسرا ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ شہرت قدموں کی لونڈی تھی۔ فلم کے سیٹ پھولوں کی سیج۔ انسان کس لئے جئے کمپنی کا مردہ کاندھوں پر اٹھائے گرہست کی موت کا تہوار لئے، گلبدن کے بجز میں سسکتا، یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ ایسی لیچڑ بنی تو اور نہ بنی تو، کیا فرق پڑتا ہے۔

ایسی زندگی رہی تو، اور نہ رہی تو کیا فرق پڑتا ہے۔

ایک بات عقل کی تھی کہ دھرم اپنا کام ٹالتا رہا۔ ہیروئن سائیڈ ہیروئن، کامیڈین کا کام جتنا بھی جاہو کر ڈالو، ہیرو کا بعد میں۔ کوئی اچھا سین نہیں بنتا۔ رندھیر رات رات بھر بیٹھ کر تڑپتے چھپاتے سین تیار کرتا، ہیرو کے رول میں چار چاند لگانے کی کوشش کرتا۔ دھرم پسند کرتا۔ ایک آدھ سین لیتا پھر جی اچاٹ ہونے لگتا۔

منگلا کے رویئے کی خبریں دبی دبی آگ کی طرح انڈسٹری میں پھیل رہی تھیں۔ مگر سب کے منہ کو تالا لگا ہوا تھا۔ اس کی جگہ کوئی فلم سٹار ہوتی تو پرخچے اڑ گئے ہوتے۔ مگر منگلا تو انڈسٹری کے ایک قدآور ستون کی ناک تھی۔ وہ چپڑ آ ہے پر کٹتی تو ساری انڈسٹری کی ناکوں پر تھپڑ پڑ جاتی، یہ ایک بانہ نار اور ذمہ دار انسان کی عزت کا سوال ہے۔ نلمی ہیروئن کا سوال نہیں، وہ تیتھے جو زرینہ اور دھرم کے چٹکلوں پر چھوٹا کرتے تھے۔ گلوں میں گھٹ گئے۔ دھرم کی جیت تو ان سب کی جیت تھی۔ اس کی ہار سب کی ہار کی دُکھتی رگ کو مسلتی تھی۔

دھرم کو جب یہ بات سمجھائی گئی تو وہ ساکت رہ گیا۔ وہ سمجھتا تھا یہ گھر کا بھید ہے کسی کو نہیں معلوم ہوگا۔ اسے یہ پتہ نہ تھا کہ منگلا زندگی کے کس موڑ سے گزر رہی ہے۔ فریدہ کو فلم لائن سے دلچسپی تھی۔ لڑکیوں کی اسے کمی نہ تھی۔ جب منگلا کے جلو میں نکلتا تو اس کی ہم عمر لڑکیاں زیر لب مسکراتیں۔

دو ہائے، بیچارا فرتو...... اسے یہ ٹوٹی پھوٹی باسی بیئر کی بوتل جڑ دی، اور کسی نے گھاس نہیں ڈالی!

تب وہ کمینے پن پر اتر آتا۔ اس کے سجدوں کو ٹھوکر پہ مارتا۔ اس کی بیقرار باہیں سانپوں کی طرح ڈستیں۔ وہ اسے ربڑ کی گیند کی طرح برتنے لگتا۔ وہ میلی سی کیچڑ میں لتھڑی ہوئی گیند جو سپاٹ دیوار پر غصہ اتارنے کے لئے مارتا تھا۔ دیوار کیچڑ کے چھینٹوں سے زخمی ہو جاتی۔

وہ بڑی لجاجت سے پروڈیوسروں سے کام مانگتا۔

"ارے میاں تمہیں کیا ضرورت ہے کام کرنے کی۔ مزے تو جب تک جوانی ہے۔ کمی نہیں پیاسی چڑیوں کی موسم میں بہت گرتی ہیں۔ رجواڑوں اور تعلقوں کی لرزتی کانپتی...... فلموں کو زندگی سمجھ کر کاغذ کے پھولوں کی تلاش میں۔ تمہیں کس چیز کی کمی ہے؟ ذرا چوکس رہو تو کوئی تجوری بھی پھنسے گی پھر آنا ہم تمہیں دیپ کمار بنا دیں گے۔"

وہ فلم جس کا منگلا نے اسے پروڈیوسر بنانا چاہا تخیل کی پہلی سیڑھی سے آگے نہ کھسکا۔ لوگ پیسے کھا کر سٹک گئے۔ اگر اس اتر کمان کے بجائے اس کے سینے میں کوئی چیتے پہ چڑھا ہوتا مثلاً رنبیر تو اس کی عاقبت سدھر جاتی۔ پھر اسے منیر کی بی۔ اے کی ڈگری سے اتنا دکھ نہ ہوتا۔

ادھر سب دھرم کو سمجھانے لگے۔

وہ گھر نہ بگاڑو، ماتا کے امٹ اصولوں کو نہ ٹھکراؤ۔ اب بھی وقت ہے بکھری زندگی سمیٹ لو، ہم نہیں دیکھیں گے۔ جو کانوں نے سنا اسے وہم سمجھ کر بھول جائیں گے۔"

طے ہوا رندھیر کے چھوٹے صاحبزادے کی سالگرہ میں دونوں کو بلایا جائے ویسے منگلا سے بات کرنا آسان نہیں۔ شاید دونوں ملیں۔ اور ٹوٹی ڈور جڑ جائے۔

رندھیر اور رتو نے بے حد شاندار کارڈ خریدے، پارٹی کی تاریخ طے کی اور اپنے بہت ہی خاص خاص بیوی بچوں والے دوستوں کو گھر جا کر بڑے اصرار سے بلایا۔

"دو بھائی جی ضرور آنا...... سچی تم نہیں آئے تو ساری رات کیک نہیں کٹے گا۔"

"آؤں گی بابا۔ ضرور آؤں گی"، فرید پونا ریس کھیلنے گیا ہوا تھا۔

رندھیر نئے بنگلے میں اٹھ آیا تھا۔ نہایت فلمی قسم کے فرنیچر سے آراستہ آج جھنڈوں اور غباروں سے گلستان بنا ہوا تھا۔ پیسہ بھی کیا استاد ہوتا ہے۔ سب کچھ سکھا دیتا ہے۔ دتّو کو دیکھ کر کسی کو یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ کبھی یہ نائس۔ ڈ۔ یہ مزدوروں کے پسینے کو لیونڈر سمجھتی تھی۔ ڈانڈا اس ہٹّر سے بازوں کی تنے سمیٹا کرتی تھی۔ ہر ساڑی کے ساتھ میچنگ بلاؤز ملتا ہے، غلطی کرنے کی گنجائش نہیں۔ ہیر ڈریسر دم بھر میں یا سیدھی تیل میں چپڑی چٹیوں کے گھنگریالے گچھے بنا دیتی ہے، چاہے جوڑا باندھوا لو چاہے پونی ٹیل پہ میچنگ ربن اور پھر زیور ایک دوسرے کے دیکھ کر بنوانا کیا مشکل۔ روپیہ ہو تو زندگی کا زائچہ بدل جاتا ہے۔

بہت ہی گھریلو قسم کی بیویاں تھیں۔ بہتوں کو تو پتہ بھی نہ تھا کہ منگلا اور دھرم الگ الگ رہتے ہیں۔ یہ دونوں کے رویے سے شبہ ہوتا تھا کہ کسی قسم کی رنجش ہے۔ دونوں الگ الگ موٹروں میں آتے۔ منگلا بچوں کے ساتھ اور دھرم کیشو کو لے کر، یہ تو ہوتا ہی ہے، بیوی گھر سے آئیں میاں کام سے آ رہے ہیں۔ دونوں ہشاش بشاش سب سے ملتے پھر رہے تھے۔

دونوں ساتھ ساتھ بچوں کا ہاتھ پکڑے بائی بائی کرتے ہوئے رخصت ہوئے، ایک ہی موٹر میں۔

"ٹاٹا منو بیٹے"، منگلا نے موٹر کی کھڑکی میں سے رندھیر کے بچے کی ٹھوڑی چھو کر ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا۔ دھرم کا ہاتھ پہلے سے اس کی گردن کے پیچھے رکھا تھا۔ ذرا کھسک کر حائل ہو گیا تب بھی اس نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

"بڑی اچھی پارٹی تھی کیک کہاں سے بنوایا تھا جنے۔ بہت اچھا تھا"، وہ جلدی جلدی بولنے لگی۔

دھرم اس کے بندوں سے کھیل رہا تھا۔ جیسے ہی گاڑی احاطے سے نکلی منگلا نے جلدی سے بٹوہ کھولا فلاسک منہ سے لگا لیا۔

دھرم کو کچھ ناگوار گزرا مگر وہ سہہ گیا۔ اور مسکراتا رہا۔ منگلا نے مگن ہو کر دو گھونٹ اور لئے۔ پھر فلاسک دھرم کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

"ہم بھی۔ ممّا، ہم بھی"۔ للتو ہمک کے ضد کرنے لگی۔ دونوں بے اختیار

ہنس پڑے۔ بلو اور جنٹو زور زور سے سیٹیاں بجانے لگے۔

وہ بڑی تیزی سے پی رہی تھی۔ اُس نے ایک بار جو گھونٹ لیا تو دھرم نے اُس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر بڑی التجا بھری نظروں سے آنکھوں میں ڈالیں، اُس کی آنکھوں میں آسیب ناچ رہے تھے۔ پھر اُس نے ایک ایسی کریہہ حرکت کی کہ دھرم کو پسینہ آگیا۔ اُس نے اس کے بال مٹھی میں پکڑ لئے اور گھونٹ اس کے حلق میں اتار دیا۔ منگلا کا دانت اس کے ہونٹ میں لگ کر خون نکل آیا۔ پھر وہ سر پیچھے ڈال کر گھنگرو بھرے قہقہے لگانے لگی۔

پدما ایسا کرتی تھی، مگر وہ لچی تو تجربہ تھی، مگر منگلا...... منگلا تو دھرم دیو، اُس کی پتنی، بچوں کی ماں تھی! اس نے یہ گند کہاں ٹٹولا!

بچوں کو فوراً آیا نے سنبھال لیا۔ منگلا ڈرائنگ روم سے ہی ساڑھی کھولتی بیڈروم میں چلی گئی۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو منگلا نے سارے بلب جلا دیئے تھے اور پیٹی کوٹ پہنے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ دھرم کو اس نے بڑے میٹھے انداز سے دیکھا پھر بلاوز کا گولہ بنا کر اُس کے مُنہ پر مار دیا۔

جھک کر اُس نے پلنگ کے نیچے سے بوتل نکالی اور دانت سے کاگ کھولتی کھٹی کے بل لیٹ گئی۔ دھرم نے اُسے اس قدر دھت اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ ہونق سا پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا۔

"یہ منگلو ہی ہے نا، یا وہ بھولے سے کسی اور کمرے میں آگیا ہے۔ منگلو تو لاجونتی کی طرح اُس کے پیار کے سامنے سمٹ جاتی تھی۔ ماں بننے کے بعد بھی وہ نئی دلہن کی طرح بجلی بجھانے پر اصرار کرتی۔ میٹھے میٹھے اندھیرے میں وہ کتنی اجاگر ہو جاتی تھی۔

مگر آج جب کمرے کا ہر بلب آنکھیں پھاڑے اس پر قہقہے لگا رہا تھا۔ دھرم کی منگلا نہ جانے کہاں گم تھی۔ اس کے بال کھل گئے تھے۔ وہ عورت جو اُس کے سامنے ڈھٹائی سے کھلی پڑی تھی، جس کے وہسکی سے تر ہونٹوں پہ آبرو باختہ عورت کا سا تبسّم تھا اور آنکھوں میں مُنہ پھٹ تقاضے۔ وہ جو اس سے اس نظارے کی بھیک مانگا کرتا تھا، حلق میں اُبھرتی ہوئی ابکائی کو گھونٹ رہا تھا۔

تب اُس نے جانا کہ بائیس برس کے دیوتا کو بھوگ لگاتے لگاتے سونے کی بھاری بھرکم تھالی ٹھیکرا بن چکی ہے۔ اس کی آگ میں کتنی کھٹھرن ہے۔

وہ بڑی سرعت سے ساری بوتل ایک گھونٹ میں ہی پی لینا چاہتی تھی دھرم نے ہاتھ پکڑ کر بوتل چھین لینا چاہی مگر وہ بوتل کے ساتھ لٹکی ہوئی اس کے پہلو میں ڈھے گئی۔

"بس کرو منگلا،" اس نے بوتل چھیننا چاہی۔ منگلا نے ایک روپہلا قہقہہ لگایا اور دونوں ہاتھوں سے اس کا کرتا جھبر جھبر کر ڈالا۔

"ارے کیا کرتی ہو،" اس نے منگلا کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

"کیوں رے..... تو جو میرے اتنے ڈھیر سارے بلاؤز پھاڑ چکا ہے۔"

"میں نے تو بلاؤز نہیں پھاڑے... منگلا کے تو نہیں پھاڑے۔" اُس نے سوچا۔

"بس روٹھ گیا، چل ادھر آ..... میرے پاس۔ اے فرو..... آجا.. آجا،" وہ چاروں انگلیوں سے پیارے پیارے اشارے کرنے لگی۔

"اور وہ تو میرا نام بھی نہیں جانتی....،" منگلا نے بوتل اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی۔

ایک دفعہ کسی بات پر چڑھ کر اس کا چکن کا کرتا تار تار کر دیا تھا اُس دن دھرم نے اُس کا نام "میاؤں" ہی رکھ دیا تھا۔ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے شرارت سوجھتی تو وہ چپکے سے منہ پر ہاتھ رکھ کے بلی کی آواز نکالتا۔ پھر خود ہی چونک کر کہتا۔

"ارے بلی..... یہ بلی کہاں سے آگئی۔ پکڑو اسے سارے کپڑے لتے پھاڑ ڈالے گی!" وہ شوخی سے کہتا۔ تب دونوں کی آنکھیں پل بھر کر اُلجھ جاتیں۔ شبنوں کے لکھتے ہوئے راز چھلک اُٹھتے اور زرینہ شرم سے پانی پانی ہو جاتی۔

دھرم نے سب کو باری باری یہ راز بڑے مزے لے لے کر بتایا تھا۔

خوف زدہ ہو کر اُس نے زرینہ کے خیال کو دور جھٹک دیا۔ سب اُس کا قصور تھا، منگلا کی گمراہی کا ذمہ دار وہ خود تھا۔

اس خیال سے بڑی ڈھارس بندھی۔ وہ ظالم تھا نا، اس کی انا کو بڑی تقویت

تھی۔ اس کے علاوہ وہ اس کی ہمدردی کی حقدار تھی۔ ان ذرّوں کو سمیٹنا اس کا فرض تھا۔

مگر سمیٹنے میں اس کے ہاتھ لہولہان ہوگئے۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں میں نہانے والی دھیمی دھیمی بھوبل کو کب خاطر میں لانے والی تھی۔ وہ بائیس برس کا بھی نہیں تھا، طرح طرح کی عیاشیوں اور رنجشوں نے اس وقت سے پہلے تھکا ڈالا تھا۔ منگلا چڑھ گئی۔ تحقیر بر آئی۔ آنکھیں طنز کے زہر میں بجھ کر اور بھی سیاہ ہوگئیں۔ پھر وہ ہنس پڑی۔ خوب ہنسی۔ ہنسی کی مرکیاں اس کے رسیلے حلق میں ستار کے جھالے کی طرح اُلجھنے لگیں . . . . .

"تبھی زرّی بھاگ گئی۔" اس کا قہقہہ قے میں لتھڑ گیا۔

دھرم تے وہیں جھبر جھبر کرتا منہ میں ٹھونسا اور سیڑھیوں پر گرتا پڑتا باہر نکل گیا۔

صبح جب رندھیر دفتر میں داخل ہوا تو ایک دم ٹھٹک گیا۔

وہ بڑی دیر تک دھرم کو دیکھتا رہا۔

میز پر فائیل اور گراؤنڈ پلین کے کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ دھرم سفید سلک کا کرتا اور اودی پنجابی لنگی پہنے کاغذات پر جھکا ہوا تھا۔ صندل جیسی شفاف پیشانی پر ایک لٹ جھک آئی تھی!

"دھرم اتنا بدسلیقہ نہیں رہا۔" رندھیر نے سوچا کنپٹیوں پر چاندی کی جھلک نے وقار پیدا کر دیا ہے۔ رول کے لئے رنگ پینچ کرنا پڑے گا۔ "واہ بیٹا ایک ہی وار میں جی اُٹھے، سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا!"

"مزاج شریف۔" رندھیر نے پیار سے کندھے پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"آپ کی دعا ہے۔" اس کی مسلم سوشل نے اسے لکھنوی آداب سکھا دیئے تھے۔

"جگ جیو، میرے سرکار!" دھرم نوعمر دُلہا کی طرح تکلف سے مسکرایا۔

"محنت ٹھکانے لگی!" رندھیر نے فخر کیا۔

"پکچر بہت ڈھیلی ہوگئی ہے۔ آج وگ کا ٹرائیل لے کر فائنل کرنا ہے۔ اس سیٹ پر بہت کام ہے۔"

"وہی پرانا منجھا یا دھرم دیو! ایک ہی خوراک میں طبیعت صاف!"
رندھیر اپنی دور اندیشی پر داد دیتا ہوا بیٹھ گیا۔
اتنے میں کیشو اور مادھو بھی آ گئے۔
"پرکاش جی کو فون کرو کیا دو بجے آتے ہیں۔ گاڑی بھیجدو۔"
"فون کئے دیتا ہوں۔ گاڑی اسٹیشن پر پہنچ گئی ہے۔" کیشو نوکروں کے دماغ خراب کرنے کے قائل نہیں تھا۔ حساب کتاب کا مالک تھا مگر سوائے بس کے نجی کام کے لئے کبھی ٹیکسی نہیں لی۔ پیٹرول سونے کے بھاؤ جا رہا ہے۔ کمپنی کی گاڑی کو بیکار دوڑانے سے کیا فائدہ۔
"واسن نے پھر ہٹ لگایا!" مادھو بولا۔
"اسٹوری کچھ بھی نہیں، وہی پرانا فارمولا ہے۔ پر صاحب مانتے ہیں۔ گروپ ڈانس کیا اٹھائے دیئے ہیں۔ ساٹھ لڑکیاں اور لڑکے!" کیشو نے ہانک لگائی۔ وہ اصولاً سب فلم دیکھتا تھا۔ بجائے لطف اٹھانے کے پورے وقت پر ڈوکشن ویلیو گانوں کی تعداد اور کامیڈی سین گنتا رہتا تھا۔
"اپن بھی ڈالیں ایک گروپ ڈانس، کیوں دھرم جی؟" مادھو بولا۔
"کوئی سچویشن نہیں اپنی پکچر میں۔"
"ارے سچویشن بنانے سے بنتی ہے۔"
"ہاں، ہیروئن ہیرو تھیٹر میں جاتے ہیں، بس وہاں۔"
"تھیٹر ہے ہی نہیں فلم میں۔"
بھلا ڈانس کی بھی سچویشن ہونے سے انکار کر سکتی ہے۔ ہیرو ہیروئن گاتے ایک دوسرے کو کھدیڑ رہے ہیں۔ پگڈنڈی پر گاؤں کی گوریاں یکساں لباس پہنے چلی آ رہی ہیں ٹھمکی، ادھر سے ایک سے ڈریس پہنے بالکل اتنے ہی لڑکے نکل پڑتے ہیں۔ لیجئے ہو گیا گروپ ڈانس کا موقع، یہ اور بات ہے کہ ایسے گاؤں کا پتہ کسی کو نہیں معلوم جہاں اتنی لڑکیاں اور لڑکے ایک وضع کے کاسٹیوم پہنے ہر وقت جنگلوں میں تیار ملیٹھے رہتے ہیں کہ نہ جانے کب کوئی پریمیوں کا جوڑا ادھر گاتا ہوا آ نکلے۔ اور وہ ایک دم گاناجس میں کہ از کم سو ساز بج رہے ہوں گانا شروع کر دیں۔ پتہ اگر کسی کو معلوم ہے تو وہ فلم پروڈیوسر ہیں جو کسی کو نہیں

نبلانے ۔

"آج بچے نہیں آنے ؟" دھرم نے گھڑی دیکھ کر پوچھا

"رگھو گیا تو ہے آتا ہی ہوگا ۔"

دھرم پھر کام پر جٹ گیا ۔

بڑے اہتمام سے شوٹنگ شروع ہوگئی ۔ روز شام کو دھرم پابندی سے بچوں کو لے کر گھر چلا جاتا ۔ اس نے کبھی رندھیر کو نہیں بتایا کہ وہاں منگلا نہیں ہوتی وہ بچوں کے ساتھ کھیل کر گھر چلا جاتا ہے ۔ کبھی رتی کے گھر جس نے حال ہی میں نہایت پوشیدہ جگہ ایک فلیٹ لیا ہے ۔

"ریتا کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چلے گا ۔" مگر دھرم جانتا ہے ۔ ریتا کو پتہ چلے گا اور بہت جلد یہ گھر بھی کرائے پر اٹھا دے گی ۔ رتی اور گھر ڈھونڈ لے گا ۔

"چوہے بھاگ بلی آئی ۔" زرینہ نے کہا تھا ۔ اب تو زرینہ کے خیال پر بھی دل کی دھڑکن تیز نہیں ہوتی ۔ اگر رتی نہیں ملتا تو وہ پدما کے ہاں چلا جاتا ۔ نہ جانے کیوں پدما کی محفلیں سرد پڑتی جا رہی ہیں ۔ نہ وہ چہل پہل نہ وہ ہنگامے ۔ جیسے دنیا اب محور پر گھومتے گھومتے ستانے کو ٹھہر گئی ہے ۔ تین مہینے ہوگئے دھرم نے کسی عورت کے جسم کو ہاتھ نہیں لگایا ۔

پرکاش جی سہمے سہمے ہدایات دیتے ہیں ۔ وہ جان کے ان کی غلطی نظر انداز کر دیتا ہے ۔ ایک آدھ چھوٹی موٹی غلطی سے تصویر مر تو نہ جائے گی ۔ اپنی بڑا ٹھہرا ہوا آرٹسٹ بنتا جا رہا ہے ۔ اس کی اچھوتی نظم میلے کے لئے منتخب ہوئی ہے ۔

"میلہ !" دھرم کے وجود میں ایک پھلجھڑی نے سر اٹھایا پھر سسک کر دم توڑ دیا ۔

"پرکاش جی سے کہو ۔" کیشو اس سے نئے کاسٹوم کے بارے میں کچھ پوچھتا ہے تو وہ پرکاش جی کی طرف اشارہ کر دیتا ہے ۔ ان کا لرزتا ہوا ہاتھ پتلون کی جیب پر جاتا ہے جس میں بھرے کی شیشی دبکی ہوئی ہے ۔ وہ ہاتھ اندر نہیں ڈالتے ۔

"پچاس ہزار اتنی رات گئے میں کہاں رکھوں گی ؟" منگلا کیشو پر بگڑتی ہے ۔"

میرا اگلا کنٹوانا ہے۔ اکیلی دُکیلی پاکر کوئی ٹھکانے لگا جائے۔ باپ کٹے ابھی چاہتے ہیں نا؟"

"وہ بیٹا نہیں ہا،" کیشو مری ہوئی آواز میں کہتا ہے۔

"آپ فیصلہ کیجیے"، دھرم درزی کی دوکان میں لگے ہوئے آئینے کی طرف مڑ جاتا ہے۔

"عجیب آدمی ہے" پرکاش جی بلاوجہ کھنکارتے ہیں، ہاتھ جیب کے پاس لرزتا ہے۔ اندر نہیں گھس پاتا۔ "نہ میرے خیال میں تو ٹھیک ہیں" وہ کپڑوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ قطعی فیصلہ نہیں کر پاتے۔ ان کی قوت فیصلہ اسی دن جواب دے گئی تھی۔ جب کرونا نے بھری محفل میں ان کے منہ پر چپل مار کر کہا تھا "بڈھے کھوسٹ ایک تو ہی رہ گیا ہے، مجھے اور کوئی نہیں ملا جو بوڑھی لاش پر مرنے لگوں"۔

تب پرکاش جی کرونا کی بھاری بھرکم جوانی کے خواب بوڑھی لاش میں سمیٹ کر لوٹ آئے تھے۔ اور لوٹتے ہی جا رہے تھے۔

ان کی بیوی بیٹھی رمی کھیل رہی تھیں۔ لڑکیاں دوستوں کے ساتھ گپ شپ کر رہی تھیں۔ انھیں کسی نے نہیں دیکھا جیسے وہ جادو کی ٹوپی پہن کر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو چکے ہوں۔

اوجھل تو وہ تب ہی سے ہو گئے تھے۔ جب انہوں نے کرونا کو اپنی کمپنی کی ہیروئن بنایا تھا۔

کتنی زندگیاں تالاب کی سطح پر پڑتی ہیں۔ بلبلے اٹھتے ہیں پھوٹ جاتے ہیں۔ دائرے بنتے ہیں مٹ جاتے ہیں۔

"آج نہ جاؤ، اندھیر بڑی وحشت ہو رہی ہے"۔

"بچے کو ٹائی فائڈ ہو گیا ہے۔ وہ تو رو رو کر جان دیئے دے رہی ہے۔ میں صبح ہی آجاؤں گا"۔

"ابھی مت جاؤ"، دھرم نے التجا دوہرائی۔

"گیارہ بج رہے ہیں۔ ڈائیلاگ لکھ دیئے۔ تم سین کی فکر نہ کرو۔ میں سیٹ پر موجود رہوں گا"۔ وہ پھر بیٹھ گیا۔

"بارہ بج رہے ہیں۔ یار کیا مصیبت ہے۔" رندھیر جڑھ گیا۔
"نوکر کو تو آ جانے دو اکیلا چھوڑ جاؤ گے؟" دھرم نے حسرت سے کہا۔
"اوہ یار ننھے بچے تو نہیں جو تمھیں پریاں اڑا کر لے جائیں گی؟" وہ پھر بیٹھ گیا۔ شام کے آٹھ بجے سے وہ گھر جانے کی ضد کر رہا تھا، مگر دھرم پر بھوت سوار تھا۔ ضرورت سے زیادہ چڑھا لی تھی۔
"کیا آج یہاں نہیں سو سکتے۔ صبح چلے جانا۔"
"یار تمھارا دماغ خراب ہوا ہے۔ اچھا ایک بات بتاؤ کیا بھابی سے پھر کھچاؤ ہو گیا؟"
دھرم خاموش رہا۔
"اماں یہ کیا قصّہ ہے؟"
"کوئی قصّہ نہیں۔ قصّہ ختم!"
"پھر وہی..... باندرہ مسجد کا جن تو سوار نہیں ہو گیا؟"
"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔"
"پھر بھابی سے کسی بات پر لڑائی ہو گئی؟"
"ملاپ ہی کب ہوا تھا؟" اٹک اٹک کر سپاٹ آواز میں اس نے اس عجیب و غریب رات کا احوال سنایا۔ رندھیر دم سادھے سنتا رہا۔
"عجیب آدمی ہو یار تم نے مجھے خوب بے وقوف بنایا۔"
اتنے میں نوکر آ گیا۔ اس نے پیکٹ دیا۔
"اچھا یار اب چلتا ہوں۔"
"رک نہیں سکتے؟"
"خدا کی قسم بچہ بیمار ہے..... میں صبح....."
"اچھا جاؤ جاؤ۔" دھرم نے ہنس کر کہا۔
رندھیر تیزی سے لفٹ کی طرف لپک گیا۔
"میاؤں!" مدراس کے ایک شاندار ہوٹل میں زرینہ کروٹیں بدل رہی تھی۔
"اے ہے زرینہ میں ڈر گئی.....!" امینہ نے سرہانے کا لیمپ جلایا۔ "یہ کیا کر رہی ہو؟"

"میاؤں۔" زرینہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"چل بیوقوف یہ بھی کوئی وقت ہے مذاق کا۔ سو جاؤ۔" امینہ لیمپ بجھانے لگی۔

"نیند نہیں آ رہی ہے آپا!" اُس نے امینہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے اُچھلتے ہوئے دل پر رکھ لیا۔

"پانی دوں۔"

"نہیں۔"

"تو پھر؟"

"رونے کو جی چاہ رہا ہے۔"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں۔" زرینہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"زرینی ۔ ۔ ۔ میری جان۔" امینہ نے اُسے کلیجے سے لگا لیا۔ کتنی دیر تک وہ سسکیاں بھرتی رہی اور ٹوٹے ٹوٹے ادھورے جملے اس کے ہونٹوں سے جھڑتے رہے۔

"بائیں" ٹیک ہوئے تھے۔ منھ سے نکلتا ہی نہ تھا۔ چاند ۔ ۔ ۔ ۔ ذرا آنکھیں تو کھولو۔ بس اتنی سی بات تھی ۔ ۔ ۔ آپا سردی لگ رہی ہے۔ ایئر کنڈیشن بند کر دو۔"

"بند ہے۔" امینہ نے اسے کمبل اُڑھا دیا۔

"نیا کرتا تھا۔"

"ایں؟" اونگھتے اونگھتے امینہ چونک پڑی۔

"کچھ نہیں آپا ——— کچھ نہیں۔"

"زرینہ۔" امینہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ "واقعی میں اندھی ہوں۔"

"ایں؟" اب زرینہ کے چونکنے کی باری تھی۔

"تو اگر صاف صاف کہہ دیتی، بیوقوف۔ دل میں گھاؤ چھپائے بیٹھی ہے۔ تو نے مجھے بھی دھوکے میں رکھا، عجیب لڑکی ہے۔"

"آپا۔"

"ہاں۔"

"مجھے ڈر تھا۔"

"کس بات کا؟"

"تم کسی سے کہو گی تو نہیں قسم کھاؤ، میری جان کی قسم۔"

"قسم سے کسی سے نہ کہوں گی۔"

"مجھے ڈر تھا۔ ۔ ۔ ۔ کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" وہ چبا چبا کر بولنے لگی کہ وہ دیدی کو نہیں چھوڑ سکتے۔"

"ہنہ اب اُس بدذات نے جو چھوڑ دیا اور اس حفنڈ لینے کے ننگ"۔

"مجھے کیا معلوم تھا۔"

"خیر اب تو وہ گئی، راستے سے۔ دیکھ زرّی تو بالکل فکر نہ کر میں یہاں سے جا کے فون کروں گی۔"

"ہائے آپا نہیں، مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"چل دیوانی ڈر کاہے کا۔"

"آپا تم نہیں جانتیں، وہ عجیب آدمی ہیں۔"

پڑوسیوں نے بتایا اس رات بار بار ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی تھی۔ مگر فلیٹ بند تھا۔ آخری بار تین بجے پھر گھنٹی بجی۔ پھر خاموش ہو گئی۔

دھرم نے رندھیر کے جانے کے بعد نیا پیگ بنایا پیکٹ کھولا، دو گولیاں خواب آور دوا کی ڈالیں اور انگلی سے گھولنے لگا

بالکنی میں کسی کی بلّی بول رہی تھی۔ دھرم کمرے میں اکیلا تھا پھر بھی اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی سرکا دی۔ ٹیلی فون ملایا۔ گھنٹی بجتی رہی۔ بجتی رہی اس نے تھک کر واپس رکھ دیا۔

پیگ ختم ہو رہا تھا مگر نیند کا نام نہ تھا۔ وہ اوندھا لیٹا، چت لیٹا، آنکھیں بند کیں، پھر کھولیں، نیند نہ آئی۔ اس نے دوسرا پیگ بنایا، پھر دو گولیاں ڈالیں کچھ سوچ کر ایک اور ڈال لی۔ ریسیور اٹھایا، پھر ٹیلی فون کیا، گھنٹی بجتی رہی۔

وہ پلنگ پر بیٹھ گیا۔ پھر آنکھیں بند کیں۔ کتاب اٹھا کر کھولی بند کر دی

کچھ سوچ کر اس نے ٹیلی فون اٹھایا، کتاب میں سے نمبر دیکھا۔

"ہلو۔ راج صاحب ہیں۔ میں دھرم دیو بول رہا ہوں"۔ ایسا معلوم ہوا میلوں کے فاصلے سے راج نے اُسے گلے لگا لیا۔ شوٹنگ کی باتیں، فلم کی باتیں، پروڈیوسر کی باتیں ہوتی رہیں۔ دو بج گئے۔ دھرم دیو نے ٹیلی فون نہ چھوڑا۔ اگر یہ سلسلہ ٹوٹ گیا تو پھر وہ کھو جائے گا، پھر نہ مل سکے گا۔ "راج یار ایسا کرو ادھر آ جاؤ نا"۔ جیسے راج دیوار کے اس پار ہی تو کھڑا تھا۔

"دو بجے! ڈرائیور تو چلا گیا اور اپنے سے تو دو قدم نہیں چلا جا رہا ہے۔ "ٹکر" "وکر" ہو جائے گی۔ بس میں صبح ہی تو ادھر آ رہا ہوں پھر رہیں گی باتیں۔۔آ۔۔ف"۔ راج نے لمبی سی جمائی لی۔

"دیوی جی کہاں ہیں؟" دھرم نے پوچھا۔

"یہ پاس ہی پڑی ہیں۔ کوئی چار انچ کے فاصلے پر"۔ راج ہنسا۔

"میری طرف سے ایک پیار تو لے لو"۔

"لو بھئی لے لیا، ایک تمھاری طرف سے اور ایک اپنی طرف سے"۔ دونوں ہنسے۔

"راج؟"

"بولو پیارے"۔

"اس وقت نہیں آ سکتے؟"

"نہیں یار بالکل دم نہیں ہے۔ صبح۔۔۔۔۔۔"

"ارے صبح کس نے دیکھی ہے؟"

ٹیلی فون رکھا، نیند اور بھی دور بھاگ گئی۔ جیسے اب نہ آئے گی کبھی نہ آئے گی۔

پھر پیگ بنایا، کتنی گولیاں ڈالیں، کون جانے۔ پھر ٹیلی فون کیا، ڈھائی بج رہے تھے۔ گھنٹی چیختی رہی چلاتی رہی۔

"ہلو۔۔۔۔ ہلو۔۔۔۔ میں بول رہا ہوں"۔ شکر ہے ٹیلی فون اٹھا لیا گیا۔

"میں دھرم بول رہا ہوں"۔

"کیوں؟"

دھرم کے پاس کچھ جواب نہ تھا۔

"یہ رات کے تین بجے فون۔۔۔۔ کیا بات ہے" شاید ہوش میں تھی آواز میں ذرا نرمی آگئی تھی۔

"وہ، میرا جی گھبرا رہا ہے۔ تم ایسا کرو۔۔۔۔ بچوں کو بھیج دو"

"تین بجے رات کو، بچوں کو بھیجدوں! کیا ہو گیا ہے تمہیں"

"تم ہی آجاؤ منگلو" اُس کا جی چاہا کہے مگر الفاظ راستہ بھول چکے تھے۔

"بچوں کو ڈرائیور کے ساتھ بھیج دو۔۔۔۔ بس۔۔۔۔"

"کیا ہو گیا ہے جی، سوتے بچوں کو ہلکان کروں، صبح بھیجدوں گی"

"صبح کس نے دیکھی ہے"

منگلا نے پھر فون کیا، مگر اینگیج تھا۔ سوچا خود جاؤں دیکھوں کیا بات ہے۔ پھر خیال آیا۔ فون انگیج ہے کسی کو کر رہے ہوں گے فون"

آخری پیگ۔ کتنی گولیاں؟ کون گنے کوئی نہیں، کوئی نہیں۔

اتنی لمبی چوڑی دنیا میں اکیلے کا کوئی نہیں۔

یار نہیں دوست نہیں"

بیوی بچے نہیں۔

چاند ——— تم بھی نہیں

فون ملایا کوئی نہیں۔۔۔۔

صرف گولیاں،

دور خالی فلیٹ میں گھنٹی بجتی رہی،

بجتی رہی۔

ہماری مطبوعات

ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتون
کارِ جہاں دراز ہے	قرۃ العین حیدر
آشفتہ بیانی میری	رشید احمد صدیقی
رسیدی ٹکٹ	امرتا پریتم
پیغمبرانِ سخن	سردار جعفری
وے صورتیں الٰہی	مالک رام
ساحر شخص و شاعر	ناز صدیقی
آگ کا دریا	قرۃ العین حیدر
سیتا ہرن	″
ماں کی کھیتی	″
آدمی کا مقدر	″
ڈنگو	″
آلپس کے گیت	″
تلاش	″
کٹاری	سعادت حسن منٹو
ایک گدھے کی سرگزشت	کرشن چندر
الٹا درخت	″
دادر پل کے بچے	″
میری یادوں کے چنار	″
رات چور اور چاند	بلونت سنگھ
چک پیراں کا جسّا	″
ناگ منی	امرتا پریتم
یہ سچ ہے	″
پنجر	″
اُنچاس دن	″
رنگ کا پتہ	″
ایک تھی انیتا	″
ڈاکٹر دیو	امرتا پریتم
بلاوا	″
دو ہاتھ	عصمت چغتائی
بدن کی خوشبو	″
افسانے ڈرامے	″
ایک لڑکی ایک جام	امرتا پریتم
پھول کی تنہائی	کرشن چندر
محبت کی رات	″
نئے غلام	″
بلونت سنگھ کے افسانے	بلونت سنگھ
پطرس کے مضامین	پطرس بخاری
پطرس کے خطوط	″
تنقیدی مضامین	″
اس نے کہا	خلیل جبران
خدا اور دیوتا	″
زرد پتے	″
جوانی اور محبت	″
مجرم	″
پاگل	″
ہاتھ ہمارے قلم ہوئے	راجندر سنگھ بیدی
کندن	″
بیدی کے افسانے	″
پانچ برس لمبی سڑک	امرتا پریتم
مضامین رشید	رشید احمد صدیقی
خنداں	″
مضامین کرشن چندر	کرشن چندر